ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS

چینی نکتہ چینی
قارئین کی کرم فرمائیاں کج ادائیاں نامہ و پیام محبتیں عنایتیں اور شکایتیں
مدیر اعلیٰ
07

آرکائیو
ماضی کی تلخ یادوں کو زنبیل میں قید رکھنے والوں کی اَن کہی داستاں
احمد عثمان شیخ
12

چالاک
شاطر مجرم کی کھوج میں قانون کے محافظوں کی بروقت کارروائی و تفتیش
مظہر حسین
57

ستلی تماشا
ہمارے اردگرد بکھری کہانیوں میں سے ایک کہانی کا سنسنی خیز انجام
نسرین خان
67

سربکف
سنسنی خیز واقعات اور انتقام کے جذبات سے لبریز ایک پُرجوش داستان
طاہر بابا وسیم حسن
76

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ خیال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

مارکیٹنگ و
سرکولیشن مینجر
ثمر عباس
0301-2454188

جلد 56 • شمارہ 04 • اپریل 2026ء
زرِ سالانہ 3500 روپے • فی پرچا پاکستان 250 روپے •
خطوکتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200ء
فون: 35895313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

پولیس والی

عبدالرب بھٹی

106

پولیس والے سے تعلق رکھنے والی ایک پولیس والی کی ندامت

دہر

حسام بٹ

114

چند لمحوں میں زندگی بدل دینے والے عیار ذہنوں کی ہوش رُبا حیلہ سازیاں

سماعت

لبنیٰ خان

133

عدالتی کمرے سے نکل کے مفاہمت کے زینے طے کرتے کیس کی حقیقت

آتشِ خاموش

مظہر سلیم ہاشمی

140

دشمن کی سازشوں کے خلاف سینہ سپر ہو جانے والے شاہینوں کی بلند پروازی

صید و صیاد

رویا صفوان

163

مصائب کی زہریلی بارشوں سے گزر کے موت کی دہلیز پر منتظر ہولناک پروانہ زیست

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول، مقامِ اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا مین کورنگی روڈ کراچی 75500 پرنٹر: جمیل حسن، مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

چینی نکتہ چینی

مدیر اعلیٰ

عزیزانِ من..... السلام علیکم!

2026ء کا چوتھا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کی پسندیدگی کی سند حاصل رہے گی۔ موجودہ عالمی صورتِ حال نے ہر کسی کو تشویش میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ ایران، اسرائیل اور امریکا کے درمیان کشیدگی بڑھتی جارہی ہے۔ امریکا اور اسرائیل نے 28 فروری کو ایران کو اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنایا تھا۔ ہفتوں گزرنے کے باوجود جنگ ختم ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے۔ اس جنگ نے پوری دنیا کو ہر طرح کے بحران سے دوچار کردیا ہے۔ ہر سطح پر یہ جنگ عالمی امن کے لیے سنگین خطرہ بنتی جارہی ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ایران اور اسرائیل کے درمیان دشمنی کوئی نئی بات نہیں۔ برسوں سے جاری اس دشمنی نے اپنا دائرہ وسیع تر کرلیا ہے۔ اب یہ تین ممالک تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات پورے مشرقِ وسطیٰ اور عالمی سیاست کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ تیل کی بڑھتی قیمتوں نے ہر ملک کے معاشی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے جبکہ پاکستان کی معیشت بھی شدید ترین مشکلات کا شکار ہے۔ غریب عوام پر تیل کی بڑھتی قیمت کے ساتھ ہی مہنگائی کا عفریت لگنے کو تیار ہے۔ ہر شخص اس مہنگائی کے ہاتھوں نہ صرف پریشان ہے بلکہ ذہنی دباؤ کا بھی شکار ہے۔ امریکا کی ٹھنڈا گردی نے معاملات کو مزید کشیدہ کردیا ہے۔

اس پیچیدہ اور خطرناک صورتِ حال سے نکالنے کے لیے دانش مندی، بردباری اور سفارتی سطح پر مذاکرات کی اشد ضرورت ہے۔ ایک خوش آئند بات یہ نظر آتی ہے کہ چین کی کوششوں سے پاکستان اور طالبان مذاکرات کی ٹیبل پر ایک ساتھ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ چین ثالثی کا معتبر کردار ادا کررہا ہے۔ اسی طرح ایران اور امریکا کے درمیان بھی امن کی صورتِ حال پیدا ہوجائے تو دنیا سکون میں آسکتی ہے۔ اے اللہ..... اپوری دنیا بالخصوص پاکستان کے شہریوں کو شدید مشکلات کی دلدل سے نکالنے کی کوئی سبیل پیدا کردے۔

کھل جائے مجھ پہ بابِ عنایات اے خدا
ظاہر نہ ہو کسی پہ مرے دل کا ماجرا
پلکوں کی اوٹ میں رہے برسات اے خدا

سیالکوٹ سے رفعت مقصود کی خوش دلی "اس بار جاسوسی زیادہ دیر سے ملا۔ جاسوسی کے کم صفحات دیکھ کر دکھ ہوا۔ اداریہ میں اگلے ماہ سے قیمت بڑھ جانے کا عندیہ بھی دے دیا، ساتھ معذرت بھی کی۔ معذرت تو صفحات کم کرنے پر کریں۔ ہر چیز مہنگی ہوگئی، مذاہ بخت بھی پچاس پچاس روپے مہنگے ہوں تو کوئی بات نہیں۔ سرورق کی لڑکی تو سوچ بچار میں مستغرق تھی، آدمی نے شاید اپنے اور کسی کے تحفظ کے لیے بندوق پکڑی ہوئی تھی۔ سب کے تبصرے اچھے تھے۔ دانیال حسن، محمد حسنین اور مبشر امیر تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ میں لمبے لمبے تبصرے لکھوں تو ایک تو ڈائجسٹ دیر سے ملتا، وقت کم ہوتا، دوسرے پانچ صفحات پر باقی قارئین کے تبصرے بھی تو شائع ہونے ہوتے ہیں۔ پروین زبیر کی کہانی کمین گاہ تو شاید پرانی کہانی ہے لیکن اب بھی ایسے حالات ہوتے ہیں جو اچھے لوگ لوگوں کے لیے اچھا کرتے ہیں، انھیں کرپٹ اور مفاد پرست لوگ کیسز میں پھنسا دیتے ہیں یا مروا دیتے ہیں۔ ولی کے کچھ دوست بھی اصل میں دشمن تھے جنھوں نے کرپٹ لوگوں سے تحائف لے کر اسے مروا دیا۔ مظہر حسین کی کہانی نشانہ باز میں کالڈر پُراسرار بن کر لوگوں اور اپنوں کا خالموں سے بدلہ لیتا رہا تھا۔ مظہر سلیم ہاشمی کی کہانی بکھرے خواب میں فرید ڈوبیک اپنی بیوی کے قتل کے بعد نفسیاتی مریض بن کر اپنے جاننے والوں پر شک کرتا اور انھیں قتل کردیتا ہے۔ کہیری کو جلدی معاملہ سمجھ کر احتیاط کرنی چاہیے تھی۔ سربکف میں عمران مائن کا دشمن بن گیا ہے، اب آئندہ دیکھیں کہ کیا ہوگا۔ بشریٰ اعجاز کی کہانی زہریلا مقتول میں ڈاکٹر پہلے ہی اس کی بیوی سے پیسے لے کر معاملہ طے کرچکا تھا۔ بیچارا آدمی بیوی کو مرواتے خود مرنے لگا تھا۔ جاوید بسام کی کہانی ضدی فوجدار میں جج غلط فیصلے کرکے خود بھی پریشان رہنے لگا تھا۔ حسام بٹ کی دہرکی بھی اچھی تھی۔ عمران قریشی کی کہانی تاوان میں جیک کا اپنی بیوی کے اغوا کا ڈراما الٹا ہوگیا اور اسے جیل جانا پڑا۔ آزاد قیدی اور ہیرا پھیری بھی اچھی تھیں۔ سرورق کی پہلی کہانی عائشہ نسیم کی شکار میں دو بدمعاش لڑکے کیسے کیسے طریقوں سے لڑکیوں کا شکار کرتے تھے۔ حرم بہت بہادر لڑکی تھی جس نے ان دو درندوں کو مار دیا۔ سرورق کی دوسری کہانی لاپتا میں وہ ڈاکٹر آدمی بس جائز ناجائز ذرائع سے پیسہ کماتا رہا، اولاد کی زیادہ فکر نہیں کی۔ شکر ہے کہ ملک اور منصور زندہ مل گئے تھے۔"

ملتان سے محمد حسنین بول کہ لب آزاد ہیں تیرے "مارچ کا جاسوسی ڈائجسٹ اس بار بہت لیٹ ملا۔ اس وجہ سے موڈ خراب تھا اوپر سے

تیس پینتیس صفحات کی کمی نے غصہ بڑھا دیا۔ اداریے میں بھی یہ خوش خبری موجود تھی کہ اگلے ماہ سے قیمت بڑھ رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر بار گراں قارئین کو ہی تیوں اٹھانا پڑتا ہے؟ ادارہ اپنی آمدنی اشتہارات اور ڈیجیٹل پرنٹ سے بڑھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟ اور پرچے صفحات کی کمی، جب مواد ہی نہیں ہوگا پڑھنے کے لیے تو کوئی کیوں ڈھائی تین سو خرچ کرے گا؟ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز پاکستان کے اپ پبلشرز میں شمار ہونے والا ادارہ ہے لیکن اس کے اشتہارات کسی تھرڈ کلاس ڈائجسٹ سے بھی کم ہوتے ہیں۔ اس جانب شدید توجہ کی ضرورت ہے۔ مانا کہ مہنگائی بڑھ گئی ہے لیکن غور و فکر کریں کہ چند سال پہلے 100 روپے میں 290 صفحات والا ڈائجسٹ اب ڈھائی سو میں سو صفحات کی کمی کے ساتھ ملے گا؟ ٹائٹل نسبتاً بہتر تھا لیکن یہی بات تو یہی ہے کہ روز بروز ٹائٹل کی کوالٹی کم ہی ہوتی جارہی ہے۔ آرٹسٹ ظفر صاحب محنت کرنے کے بجائے جو برا بھلا بنتا ہے وہ چپکا دیتے ہیں۔ ٹائٹل ہی سب سے پہلے قارئین دیکھتے ہیں اور ایسے بے جان ٹائٹل دیکھ کر کس کا ڈھائی سو روپے خرچ کرنے کا دل کرے گا؟ (بس کردیں) اداریہ حسب حال تھا۔ اقبال صاحب کا شکریہ کہ انہیں میرا تبصرہ پسند آیا۔ وہ خود بھی لاجواب انداز رکھتے ہیں۔ مہشر امیر کی والدہ کی وفات کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں صبر کرنے کی توفیق دے۔ آمین! کراچی کی شاہدہ عنبر کا بھی شکریہ کہ انہیں میرا تبصرہ ہمیشہ ہی پسند آجاتا ہے۔ کوئٹہ کی حمیرا رفیق نے اس بار کہانیوں پر خوب تبصرے کیے لیکن چینی نکتہ چینی کا ذکر ہی گول کردیا۔ رفعت مقصود آپ کی ہنسی مذاق سے میں بھی ہمیشہ لطف اندوز ہوتا ہوں۔ کہانیاں پڑھنے کی ابتدا بغیر کسی وقفے کے طاہر جاوید مغل کی سربکف سے کی۔ اس حصے میں کہانی کی رفتار، اٹھان اور مار دھاڑ نے ایک ہی نشست میں سب پڑھنے پر مجبور کردیا۔ مغل صاحب نے پچھلی شکایات کا ازالہ کرتے ہوئے زبردست قسط لکھی۔ ہاناوانی کو پھر سے زندہ کرنا کچھ عجیب لگا لیکن اس کے حوالے سے پیش کیے گئے واقعات نے تو رونگٹے کھڑے کردیے۔ کئی سائڈ کریکٹرز اس قسط میں نمٹا دیے گئے۔ اب دیکھتے ہیں دو قسط وار کہانیوں کے ہیرو تابش اور شاہ زیب اپنے اپنے دشمنوں سے کیسے نمٹنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ بات کریں دوسری قسط وار کہانی دہرکی تو حسام بٹ اپنے مخصوص انداز میں اسے لے کر چل رہے ہیں۔ ساکورا کا ساتھ جاسم کو سوا لہار کی برفانی سردی میں بھی گرم رکھے ہوئے ہے۔ البتہ ٹیلی پورٹیشن کی واپسی کی راہ جیسے ہموار کی گئی ہے اسے میں ایک انگریزی اصطلاح "لیزی رائٹنگ" کا ہی نام دوں گا۔ یعنی کوئی تردد، کوئی محنت نہیں اور ایک فون میسج کے ذریعے صلاحیت واپس حاصل کرنے کا طریقہ نکل گیا۔ ایمثل تھیوڈور کی بے وقوفی پر حیرت ہوئی کہ جب اسے جاسم کے ساتھ ایک جاپانی لڑکی کی موجودگی کا بتادیا گیا تھا تب بھی وہ کیونکر ساکورا کے جال میں اتنی آسانی سے پھنس گیا؟ دیکھتے ہیں اگلی قسط میں ڈیٹیل کاری کے ساتھ ہمارے ہیرو کی ٹیلیفونک بات چیت کیا رنگ لاتی ہے؟ مختصر کہانیاں اس بار دلچسپ رہیں۔ پُراسرار ماحول کے پس منظر میں لکھی گئی مظہر حسین کی ترجمہ تحریر ایک بہتر کاوش رہی۔ مظہر سلیم ہاشمی نے بھی بکھرے خواب کے نام سے ایک سائیکو کی کہانی کا اچھا ترجمہ پیش کیا۔ یہ بڑی کہانیاں کیوں کم کم لکھتے ہیں؟ (اصل میں بہت مصروف رہتے ہیں) بشریٰ امجد کی زہریلا معتوں تو ایک دلچسپ لطیفہ ثابت ہوئی۔ اچھی بھلی سنسنی خیز اس کہانی کے آخر میں قہقہہ نکل گیا۔ جاوید بسام کے خدائی فوجدار پوئرو اور بارکر مشہور زمانہ کرداروں شرلاک ہومز اور ڈاکٹر واٹسن کی کاپی لگے۔ قاتل کا سراغ لگانا مشکل نہیں تھا اور مجھے بھی پہلے سے شک ہوگیا تھا۔ (عقل مند جو ٹھہرے!) تاوان میں عمران قریشی صاحب کا تخیل انہیں بہت دور لے گیا، اتنی دور کہ حقیقت اور مبالغہ آرائی میں کوئی فرق نہ رہا۔ بہت زیادہ اتفاقات نہ ہوتے تو کہانی زیادہ پسند آتی۔ نسرین خان کی آزاد قیدی بھی ایک اچھی کوشش تھی۔ صائمہ دانش کی ہیرا پھیری میں کئی بار کے پڑھے گئے لطیفے کو کہانی کی شکل دی گئی تھی۔ انداز بیاں نے اسے بہت بہتر بنادیا۔ پہلی ٹائٹل اسٹوری عائشہ نصیر نے شکار کے نام سے پیش کی۔ کافی اچھی کہانی تھی۔ گو کہ واقعات کم اور گاڑی پر بھاگ دوڑ زیادہ رہی لیکن رائٹر کے مضبوط انداز اور پلاٹ پر گرفت نے بور نہیں ہونے دیا۔ کہانی میں زاویار اور عادل کا پس منظر زیادہ بہتر تفصیلات کے ساتھ پیش کیا جاتا تو بلاشبہ یہ تحریر ایک شاہکار کہلاتی۔ فاروق انجم نے لاپتا کے نام سے دوسری ٹائٹل اسٹوری لکھی۔ کہانی کا آغاز بہت اچھا تھا۔ فلک کے لاپتا ہونے والا سین بھی زبردست لکھا ہوا تھا۔ بیچ میں کچھ سست ہوئی لیکن رواں انداز نے زیادہ بور نہیں ہونے دیا۔ پروین زبیر کی کمین گاہ پڑھنے کا موقع ابھی تک نہیں ملا۔ امید ہے کہ اچھی ہی ہوگی۔ پرچہ تھا اس ماہ کا تبصرہ۔ امید ہے اپریل کا شمارہ زیادہ بہتر اور زیادہ اچھی کہانیوں اور زیادہ قیمت ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ صفحات پر بھی مشتمل ہوگا۔"

کراچی سے محمد اقبال کا اقرار نامہ "اپریل کا شمارہ کچھ دیر سے موصول ہوا۔ ماہ رمضان شروع ہو چکا ہے اور ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوگیا ہے۔ بہرحال ٹائٹل خوب صورت ہے۔ ایک کونے پر عید کی مبارک باد بھی موجود ہے، جناب سب کو عید مبارک۔ ٹائٹل حسینہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔ اس بار صنف کرخت کی شکل و صورت بھی مناسب ہے۔ یلغار چھایا ہوا ہے۔ فہرست سادہ مگر اچھی ہے۔ اداریے میں تحریر ہر دعا پر صدق دل سے آمین۔ عید کی مبارک باد کے ساتھ ہی اہم قارئین پر گرایا گیا ہے جسے ابھی تک کوئی نام نہیں دے سکا ہوں۔ فیر مہنگائی کے ہوں کے ساتھ اس کو بھی سہہ لیں گے۔ محفل میں دانیال حسن چغتائی اپنے تفصیلی تبصرے کے ساتھ پہلے نمبر پر موجود ہیں مبارکاں جی۔ محمد حسین کا تبصرہ بھی بہت عمدہ تھا۔ مہشر امیر اپنے دکھی تبصرے کے ساتھ موجود ہیں، اچھا لگا۔ شاہدہ عنبر، حمیرا رفیق اور رفعت مقصود کے مختصر تبصرے بھی اچھے لگے۔ فہرست میں پروین زبیر کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ سوا ان کی تحریر کمین گاہ سے شروعات کی۔ روایتی انداز

سے لکھی گئی کہانی جس میں ولی نے اپنے سسٹم سے ٹکرانے کی کوشش کی اور اس میں اس کے حصے میں خسارے کے سوا کچھ نہیں آیا۔ حتیٰ کہ جن دوستوں پر اس نے بھروسا کیا، ان سب نے اسے دھوکا دیا۔ مناسب تحریر تھی۔ طاہر جاوید مغل کی کہانی سرکٹ کا بارہواں حصہ بہت ہی سنسنی خیز رہا۔ شاہ زیب نے ان حالات کے پیش نظر اپنے ماضی میں پیش آمدہ حالات سے تابش کو آگاہ کیا جس میں ہانا وانی نامی ایک عورت نے شاہ زیب کو ٹف ٹائم دیا تھا جسے انجام تک پہنچا کر شاہ زیب اپنے تئیں اس سے جان چھڑا چکا تھا مگر اب وہ شاہ زیب کا پیچھا کرتے ہوئے دوبارہ وارد ہوگئی ہے اور عمران کو ہپناٹائز کر کے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ جو ناتھن نے تابش کی ٹیم کو یرغمال بنا کر رانی جان کے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ جہاں جوناتھن اور تابش کے درمیان ادھوری فائٹ ہوئی۔ ہانا وانی کے پرندوں کے حملے کی وجہ سے تابش کی ٹیم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئی۔ اب عمران، ماہین کو ٹھکانے لگانے کے لیے تعاقب میں ہے۔ آٹھویں قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ حسام پٹ کی دہرکی پینتالیسویں قسط میں کہانی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ جاسم نے ساکورا کی مدد سے ایئر بیس پر موجود دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور ڈیفنس کاری اپنی ٹیم پر گرج برس رہا ہے اور ساتھ ہی ایک نادیدہ خوف کا شکار بھی ہے۔ اسے تھیوڈور سے امیدیں تھیں کہ وہ جاسم کو ٹھکانے لگا دے گا جبکہ تھیوڈور کو ساکورا کی مدد سے جاسم نے اپنے قابو میں کر لیا ہے، تھیوڈور جس پر ڈیفنس کاری کو بڑا فخر و تھا، وہ جاسم کے عتاب کا نشانہ بن رہا ہے اور اب ڈیفنس کاری تک پہنچنے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے بعد محمد فاروق انجم کی تحریر لاپتا پڑھی۔ آہستہ آہستہ کہانی کھلتی چلی گئی۔ جس میں ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ناسوروں کی کارستانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب نے توحد کر دی۔ فلک اور منصور کے گرد گھومتی کہانی کو انسپکٹر جنید نے بڑی محنت سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بشریٰ امجد کی کہانی مختصر مگر بہت دلچسپ لگی۔ پرویز کا کردار خوب تھا۔ اعجاز اور نسرین دونوں سے رقم کمائی۔ اعجاز خود شکار ہو گیا۔ مظہر سلیم ہاشمی کی کہانی بکھرے خواب میں ڈوبیک کی بیوی قتل ہو جاتی ہے، ڈوبیک شراب نوش ہوتا ہے، بیوی کے قتل کے بعد اس کی ذہنی حالت تباہ ہو جاتی ہے، کہانی اسی کے گرد گھوم رہی ہے آخر تک دلچسپی برقرار رہی۔ جاوید بسام کی تحریر خدائی فوجدار اچھی لگی۔ جس میں جج صاحب سزائے موت کے حق میں نظر نہیں آئے اور ان کی ہمدردی مجرموں کے ساتھ تھی جنہیں وہ بری کرتا ہے مگر وہ مجرم پُراسرار موت کا شکار ہوتے ہیں اور قاتل کوئی نہیں جج کی بہن سوسن ہوتی ہے، بہرحال آخر تک کہانی کا تجسس اچھا تھا۔ ادارے سمیت تمام قارئین کو عید کی مبارک باد قبول ہو۔ اور ہمیں بھی ڈائجسٹ کی اضافی قیمت قبول ہے کیونکہ ہم ڈائجسٹ سے اپنا تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں۔"

کہروڑ پکا ضلع لودھراں سے دانیال حسن چغتائی کا سیر حاصل تبصرہ حاضر ہے "تمام قارئین کو عید مبارک۔ سرورق پر موجود خاتون شاید عید افطر کی خوشی میں نازاں نظر آ رہی تھی اور سرورق کے نچلے حصے پر جیمز بانڈ ٹائپ کریکٹر اپنی جاسوسی اور بدمعاشی کے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے۔ چینی خط چینی کے اندر پہلا خط شامل کرنے پر بہت شکریہ۔ اسی کے ساتھ جو قیمت بڑھانے کا پیغام پڑھا، وہ اگرچہ مشکل محسوس ہوا لیکن جتنی مہنگائی ہے اور ادارے کی بھی مجبوری ہے۔ سب کو یہ احساس کرنا ہوگا۔ محمد اقبال، مبشر امیر، شاہدہ عنبر اور حمیرا رفیق کے خطوط بہت دلچسپ رہے، جنہوں نے شمارے کی مختلف کہانیوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ سب سے پہلی اور طویل کہانی کمیں گاہ جسے پروین زبیر نے تحریر کیا ہے۔ یہ ناولٹ موجودہ سماجی، سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کی تلخ حقیقتوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ کرپشن، طاقت کے ناجائز استعمال، انسانی جانوں کی بے قدری اور نظام کے اندر سے تباہی کے منصوبوں کو بڑی باریکی سے دکھایا گیا ہے۔ پروین زبیر نے بہت خوب صورتی سے دکھایا ہے کہ ظلم اکیلے طاقتوروں کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اس نظام میں شامل ہو کر خاموش رہتے ہیں یا اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ المیہ ہے کہ جب تک عوام خود نہ جاگیں، ضمیر زندہ نہ ہو، ظالم کے سامنے جھکنے کے بجائے کھڑے ہونے کی ہمت نہ کی جائے، تب تک یہ سسٹم لوگوں کو کھاتا رہے گا۔ مظہر حسین کی نشانہ باز کلاسک جاسوسی تھرل ہے، جس میں تجسس، تاریخ اور انسانی نفسیات کے گہرے رنگ ملتے ہیں۔ ولیم، ہیلیو اور مارسل جیسے کرداروں کے ذریعے تفتیش کے عمل کو نہایت منطقی انداز میں برتا گیا ہے۔ مظہر سلیم ہاشمی کی کہانی بکھرے خواب انسانی نفسیات کی ان تاریک گلیوں کی ہے کہ جہاں صدمہ، جنون اور حقیقت کے درمیان کی سرحدیں مٹ جاتی ہیں۔ کہانی کا آغاز بظاہر مثبت تبدیلی شراب نوشی ترک کرنے سے ہوتا ہے مگر انجام اس سے کہیں زیادہ ہولناک اور غیر متوقع ہے۔ ڈوبیک، اپنی بیوی کے قتل کے صدمے کو سہنے میں ناکام رہتا ہے۔ لذت آزار کا شکار انسان انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ کہانی میں سسپنس اور تجسس کا عنصر آخر تک برقرار رکھا گیا ہے۔ کس طرح ظلمی ہیرو ازم سے متاثر ہو کر انسان اصل زندگی میں درندہ بن سکتا ہے۔ ڈوبیک کا شک اسے ایسے راستے پر لے گیا جہاں ہر کوئی اس کا دشمن اور ہر چہرہ قاتل کا چہرہ تھا۔ طاہر جاوید مغل کی سرکٹ کا بارہواں حصہ اس مہینے کے شمارے میں شامل تھا لیکن چونکہ پچھلے واقعات کے بارے میں اندازہ نہیں ہے تو اس پر رائے دینا بھی مناسب نہیں۔ مکمل ہونے کے بعد اس پر ایک ہی بار تفصیلی تبصرہ یا مقالہ تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔ بشریٰ امجد کی زہر یا معقول انسانی جبلت، مکر و فریب اور مکافات عمل پر مبنی کہانی تھی۔ اعجاز اپنی بیوی نسرین اور اس کے عیاش آشنا کو راستے سے ہٹانے کے لیے حکیم پرویز سے ایسا زہر مانگتا ہے جو پکڑا نہ جا سکے۔ حکیم کمال عیاری سے اسے زہر اور تریاق کے نام پر دو شیشیاں دے کر بھاری رقم بٹور لیتا ہے۔ کاری وار انجام پر کھلتا ہے، بدی کا انجام بدی ہی ہوتا ہے۔ جاوید بسام کی تحریر خدائی فوجدار نفسیاتی اور سسپنس سے بھرپور جرم و سزا کی داستان ہے جو انصاف کی دو انتہاؤں رحم اور انتقام کے گرد گھومتی ہے۔ جب قانون اپنے ہاتھ کاٹ لیتا ہے،

تو معاشرے میں طوائف کو جگہ اور جنم لیتے ہیں جو اپنی انفرادی تعبیر انصاف کے مطابق فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ سوسن کا کردار اس طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جو قانونی موشگافیوں سے بیزار ہو کر خود جج، جیوری اور جلاد بن جاتا ہے۔ انصاف میں ضرورت سے زیادہ نرمی بھی اتنی ہی خطرناک ہے جتنا کہ ظلم۔ عمران قریشی کی تحریر تاوان انسان کی ہوس، بے وفائی اور مکافاتِ عمل کے گرد گھومتی ہے۔ جیک اپنی بیوی فرینکی کی دولت کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور شاطر مجرم کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ ایک طرف اغوا کا ڈراما ہے تو دوسری طرف بینک ڈکیتی کا منصوبہ لیکن اس سب کے پیچھے جیک کی اپنی سوچی سمجھی سازش چھپی ہوتی ہے۔ جیک کا کردار ایسے شخص کا ہے جو احسان فراموشی کی انتہا پر ہے۔ سام کا کردار ظرف اور وفاداری کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ جیک کو لگتا ہے کہ وہ بہت چالاک ہے لیکن انتقام پر اسے عبرت ناک شکست ہوتی ہے کہ جرم کبھی چھپتا نہیں ہے۔ نسرین خان کی کہانی آزاد و قیدی انسانی نفسیات، انتقام کی تڑپ اور مکافاتِ عمل کا شاہکار بیانیہ ہے۔ بعض اوقات قدرت کی دی ہوئی سزا کسی بھی انسانی قانون یا گولی سے کہیں زیادہ ہولناک اور عبرت ناک ہوتی ہے۔ ایڈم ... اٹھارہ سال سے انتقام کی آگ میں جل رہا تھا لیکن جب وہ اپنے مجرم کے سامنے پہنچتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ مجرم پہلے ہی ایسے جہنم میں زندگی گزار رہا ہے جہاں موت زندگی سے بہتر محسوس ہوتی ہے۔ قدرت کا نظام کسی بھی انسانی کوشش سے بڑھ کر انصاف کرتا ہے۔ صائمہ دانش کی کہانی ہیرا پھیری شاطر مجرم کی نفسیات اور قانون کی باریک بینی کا دلچسپ مقابلہ تھا۔ عادی مجرم کے لیے جرم ضرورت نہیں بلکہ جبلت بن جاتا ہے، وہ سیدھے کام میں بھی ٹیڑھی چال چلنا اپنی شان سمجھتا ہے۔ رے کورڈرائے کسٹوڈین انسرڈینس کو مٹی اور گھاس کی تلاش میں الجھائے رکھا جبکہ اس کا اصل مقصد ان دس نئی ٹرالیوں اور اوزاروں کو اسمگل کرنا تھا جنہیں وہ روزانہ سرحد پار لے جا رہا تھا۔ ڈینس فرض شناس افسر ہے جو اپنی چھٹی کے دن بھی تفتیش عادت سے مجبور ہو کر سچائی تک پہنچ جاتا ہے۔ شکار کہانی میں جدید معاشرے کے تاریک پہلوؤں اور اشرافیہ کے بگڑے ہوئے نوجوانوں کی درندگی اور عورت کی بے بسی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کہانی معاشرے کو پیغام دیتی ہے کہ انصاف طاقتور کی لونڈی ہوتا ہے، اس لیے اپنی حفاظت اور حق کے لیے خود لڑنا ہی واحد راستہ ہے۔ سرورق کی دوسری کہانی لاپتا محمد فاروق انجم کی تحریر کردہ تھی۔ معاشرتی جرم و سزا کی کہانی ہے جو محبت، لالچ، انتقام اور دولت کی ہوس کے گرد گھومتی ہے۔ کہانی کا مرکزی ڈھانچا دو خاندانوں کے درمیان پیسے، دھوکا دہی اور اغوا کی پیچیدہ زنجیر پر مبنی تھا۔ مصنف نے بہت خوب صورتی سے ایک طرف تو روایتی محبت میں لاپتا اور لاوارث نوعی زاویہ دکھایا اور دوسری طرف اسے فوری طور پر بڑے مالی دھوکے اور جرائم کے جال میں تبدیل کر دیا۔ انسپکٹر جنید کو ایماندار، ذہین اور تھوڑا سخت گیر تفتیش کار کے طور پر پیش کیا گیا جو آج کل کی کہانیوں میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ پچھلے مارچ کے شمارے پر تبصرہ مکمل ہوا۔ اگلے ماہ پھر ان شاء اللہ اسی بزم میں ملاقات ہوگی۔ سب کو میری طرف سے عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔"

کراچی سے شاہدہ عنبر "مارچ کا جاسوسی ڈائجسٹ کافی تاخیر سے ملا۔ ٹائٹل کے ایک کونے پر چھوٹا سا عید المبارک موجود ہے۔ ٹائٹل حسینہ بہت خوب صورت نظر آ رہی ہے۔ اور پیچھے دونوں منفی کرخت لگتے ہیں اس حسینہ کے ہیرو بننے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورتی سے تحریر کیا گیا۔ محفل میں دانیال حسن چغتائی کا تفصیلی تبصرہ بلاشبہ پہلے نمبر پر آنے کا مستحق تھا جناب کو مبارک باد۔ محمد اقبال کا تبصرہ نسبتاً مختصر تھا۔ محمد حسنین اپنے بھرپور تبصرے کے ساتھ موجود ہیں۔ مبشر امیر، جمیر ارفیق، رفعت مقصود کی حاضری بھی اچھی رہی۔ کہانیوں میں ابتدا کی مظہر حسین کی تحریر نشانہ باز مجھے اچھی لگی۔ جس میں تھرل، تجسس بھرپور تھا۔ کالڈرا اپنے خاندان کے قتل کا بدلہ لیتے ہوئے نظر آیا۔ عمران قریشی کی تاوان بہت اچھی لگی جس میں جیک اپنی تمام تر عیاریوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اپنی بیوی فرینکی کی دولت پر عیش کرتا ہے ایک طرف بیوی کے اغوا کا ڈراما اور دوسری جانب بینک ڈکیتی کی منصوبہ بندی کرتا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جرم بالآخر سامنے آ ہی جاتا ہے جو مجرم کو لے ڈوبتا ہے۔ نسرین خان کی تحریر آزاد و قیدی پسند آئی۔ ایڈم اپنے انتقام کی آگ بجھانے کی تگ و دو کرتے ہوئے جب مجرم تک پہنچتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ اس کی دی ہوئی سزا تو کچھ بھی نہیں ہوگی جو سزا قدرت نے اسے دی ہے سو وہ مجرم کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ صائمہ دانش کی تحریر ہیرا پھیری اچھی تحریر تھی۔ جس میں معاشرے کے تاریک پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بگڑے ہوئے نوجوانوں کی درندگی اور عورت کی بے بسی دکھائی گئی ہے۔ پروین زبیر کی کیمیا گاہ ایک اچھی تحریر تھی۔ جس میں ولی اس سسٹم سے لڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس نے ہمارے پورے معاشرے کو اپنے شکنجے میں لے رکھا ہے۔ ولی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا کیونکہ جن کے لیے وہ جدوجہد کر رہا تھا، وہ ولی کا ساتھ چھوڑ کر اپنے دشمنوں سے مل بیٹھے۔ کہانی پر پروین زبیر کی گرفت مضبوط تھی آخر تک پڑھنے کا مزہ آیا۔ طاہر جاوید مغل کی تحریر سرکٹ کی یہ قسط دھواں دھار رہی۔ جس میں تابش اور شاہ زیب کے دشمن کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ شاہ زیب نے بابا دانی سے متعلق جو تفصیلات تابش ایلون کے گوش گزار کیں، اس پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، عمران کی کارروائیوں نے تابش ایلون کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ بابا دانی واقعی کچھ غیر معمولی کردار ہے۔ کردار تو جوناتھن کا بھی خوب ہے جس سے تابش ٹکرا گیا ہے اور تابش اپنی ٹیم کو لے کر جوناتھن کے کمرے سے نکل گیا ہے مگر تابش اور جوناتھن کے درمیان بھرپور معرکے کا انتظار ہے کہ کس طرح تابش، جوناتھن کو خاک چٹاتا ہے۔ حسام بٹ دہری پیچیدگیوں قسط لے کر حاضر ہیں۔ جاسم نے ڈیل کارنی کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔ تھیوڈور کے ساتھ جاسم کا ٹاکرا

انداز دروازہ نہیں تھا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ ساکورا نے بھی جاسم کا خوب ساتھ دیا۔ بس اب ایٹمل کارمی کے ساتھ جاسم کے سامنے کا انتظار ہے۔ محمد فاروق اعجم کی تحریر لاپتا مناسب تحریر تھی۔ جس میں ڈاکٹر آفتاب جیسے ناسور کو بے نقاب کیا گیا جنہوں نے معاشرے کو تباہ کیا ہوا ہے۔ انسپکٹر جنید نے اپنی جانفشانی سے کہانی کو اپنے منطقی انجام تک پہنچایا۔ آخر میں ڈائجسٹ کی قیمت سے متعلق پڑھ کر کچھ خاص اچھا نہیں لگا۔ بہر حال جاسوسی سے تعلق برقرار رکھنے کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا۔ جب تک نیا شمارہ آئے گا تو عید کو گزرے کافی دن ہو چکے ہوں گے بہر حال تمام لوگوں کو عید کی بہت بہت مبارک باد۔"

اوستہ محمد بلوچستان سے غوث بخش مہیسر کی شمولیت "سب سے پہلے تو آپ سب کو عید الفطر کی بہت بہت مبارک ہو۔ عید کا دوسرا دن ہے اور میں اپنے پیارے جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے خط لکھ رہا ہوں۔ ماہ مارچ کا جاسوسی ڈائجسٹ طویل انتظار کے بعد بالآخر 17 مارچ کو میرے ہاتھوں میں پہنچ پایا۔ سرورق پر ایک حسینہ اپنے سیاہ ریشمی بال کھولے آنکھیں بند کیے نہ جانے کیا سوچنے میں مصروف تھی۔ نیچے دو نوجوان لڑکے نظر آئے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا۔ سرورق مناسب ہی تھا۔ اس کے بعد چینی بکھ چینی کی خوب صورت محفل میں داخل ہوا۔ جہاں مدیرہ صاحبہ نے اداریے میں جاسوسی و دیگر ڈائجسٹوں کی قیمتوں میں اضافے کا بتا کر ہم قارئین کے دل و دماغ پر بجلی گرا دی ہے اور صفحات بھی 226 سے کم کر کے 194 کر دیے گئے ہیں۔ بہر حال جاسوسی ڈائجسٹ کی قیمت بڑھ جائے یا صفحات کم ہو جائیں یا دونوں چیزیں یکساں ہو جائیں اللہ پاک نے چاہا تو جاسوسی ڈائجسٹ سے برسوں سے جڑا ہوا یہ تعلق آگے بھی قائم و دائم رہے گا۔ اس کے بعد دانیال حسن چغتائی صاحب کو کرسیِ صدارت سنبھالنے پر بہت مبارک ہو آپ کا تبصرہ زبردست تھا۔ محمد اقبال صاحب، محمد حسنین صاحب، شاہ زمان صاحبہ، حمیرا رفیق صاحبہ اور رفعت مقصود صاحبہ کے تبصرے پسند آئے۔ محترم مبشر امیر صاحب آپ کی والدہ محترمہ کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ پاک آپ کی والدہ محترمہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی فیملی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کا تبصرہ بھی بہترین تھا۔ چینی بکھ چینی کی محفل سے نکل کر میں کہانیوں کی تجسس بھری دنیا میں پہنچ گیا جہاں سب سے پہلے پروین زبیر کی تحریر کمین گاہ پڑھی۔ سسٹم پر تابش ایک مخصوص طبقے کا احاطہ کرتی ہوئی تحریر تھی جہاں اس طبقے کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا تھا پھر سنہر حسین کی تحریر نشانہ باز پڑھی۔ ایک مخبر کی درد بھری کہانی جب اس نے ایجنسی کے لیے مزید کام کرنے سے انکار کیا تو بدلے میں اس کی فیملی کو ختم کر دیا گیا اور پھر اس نے چن چن کر اپنے ذمے داروں سے بدلہ لیا۔ پھر مظہر سلیم باجی کی تحریر بکھرے خواب پڑھی۔ فریڈ ڈوبیک کو شراب نوشی نے اس حد تک متاثر کر دیا کہ اس کے ذہن کو ہر شناسا شخص اپنی بیوی کا قاتل دکھائی دے رہا تھا۔ اچھی کہانی تھی۔ اس کے بعد اپنے پسندیدہ مصنف طاہر جاوید مغل کی تحریر کا بارہواں حصہ پڑھا جس میں پُراسراریت اپنے عروج پر دکھائی دی۔ شاہ زیب اور قسطینا کی دشمن عورت ہانا والی نے عمران جونیئر کو ہپناٹائز کر کے اس کے ہاتھوں مائین کے ساتھی اشفاق کا قتل کرا دیا۔ پھر ڈپٹی نابش اور ان کا ڈمرا اسسٹنٹ جوناتھن کا ناکرا نہایت متاثر کن تھا۔ اس قسط میں میڈم ہرینہ، اس کی بہن اور راشدہ راجانی کے مرنے کا افسوس ہوا۔ یہ کہانی شاید اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بشریٰ امجد کی تحریر زہریلا متقول پڑھی۔ ایک دوسرے کی موت کے خواہاں میاں بیوی کا ماجرا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اس میں فائدہ صرف سلیم نامی حکیم کا ہوا پھر جاوید بسام کی تحریر خدائی فوجدار پڑھی۔ اندازے کے عین مطابق جج کی بہن کس سوسن پونجی قاتل نکلی۔ دلچسپ کہانی تھی۔ اس کے بعد حسام بٹ کی تحریر دہر کی پینتالیسویں قسط پڑھی۔ یہ داستان بور ہونے نہیں دیتی۔ جاسم کو دوبارہ ٹیلی پورٹیشن کی صلاحیت ملنے کا پڑھ کر دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ آخر میں ایمثل تھیوڈور کو جاسم نے پکڑ لیا، اب اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ پھر عمران قریشی کی تحریر تاوان پڑھی۔ جیک نے فرینکی سے جان چھڑانے کے لیے ایک زبردست منصوبہ بنایا تھا لیکن سوئے اتفاق کہ اس کی بیوی فرینکی بچ گئی۔ پھر صائمہ دانش کی تحریر ہیرا پھیری پڑھی۔ یہ بھی اچھی کہانی تھی۔ پھر سرورق کی پہلی کہانی میں عائشہ نصیر کی تحریر شکار پڑھی۔ حرم اور اس کی سہیلی حنا پہاڑی علاقے میں ڈاکو یار اور عادل جیسے بھیڑیوں کے چنگل میں پھنس گئیں۔ لیکن حرم نے اپنی ہمت اور حوصلے سے ان دونوں انسان نما بھیڑیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ مزیدار کہانی تھی۔ اس کے بعد سرورق کی دوسری کہانی میں محمد فاروق اعجم کی تحریر لاپتا پڑھی۔ ایک سسپنس تھرل اور ایڈونچر سے بھرپور کہانی تھی۔ پڑھ کر لطف دوبالا ہو گیا اور آخر میں اس ماہ کی اسٹوری آف دا مانتھ میری نظر میں نسرین خان کی تحریر آزاد قیدی ٹھہری۔ ایڈم اپنے بچے کے اغوا کار سے انتقام لینے ایک دور دراز علاقے پہنچ گیا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اغوا کار ٹیچر پہلے سے ہی قدرت کے انتقام کا شکار ہے اور اس کی حالت قابلِ رحم ہے۔ نہایت شاندار کہانی تھی۔ تو جناب یہ تھا میرا ماہ مارچ کے شمارے پر تبصرہ۔ ان شاء اللہ زندگی رہی تو ایک بار پھر اپنے نئے تبصرے کے ساتھ آپ کی اس خوب صورت محفل میں شریک ہوں گا۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔"

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے خطوط شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔

عائشہ عمران، حیدر آباد۔ جہانگیر شاہ، کراچی۔ بدر منیر، پشاور۔ زینب حنیف، کراچی۔ عالم مصطفیٰ، مقام نامعلوم

ماضی کی تلخ یادوں کو زنبیل میں قید رکھنے والوں کی اَن کہی داستاں.....

آرکائیو

احمد نعمان شیخ

UUNOVEL.com

خوشگوار حال و مستقبل گزارنے والوں میں سے اکثر کا ماضی بہت تلخ ہوتا ہے... کچھ راز زنبیل میں قید رکھنا ہی بہتر ہوتا ہے... اگر وہ باہر نکل آئیں تو انسان سوچتا ہے کہ کاش جو تہ زمین دفن تھا، اسے مدفون ہی رہنا چاہیے تھا... مگر ایسا ممکن نہیں... اس تیز رفتار جدید زندگی میں اب کچھ نہیں مِٹتا... فراموش نہیں ہوتا بلکہ آرکائیو کی صورت محفوظ ہو جاتا ہے... قید ہو جاتا ہے... ماضی سے جُڑے ایک خوب صورت فسانے کی حقیقت... گزرے ماہ و سال کی گرد نے اسے نظروں سے اوجھل کر دیا تھا... ان یادوں کو پھر سے جگا دیا گیا تھا... جن سے زندگی میں رونق تھی... خوب صورتی اور تازگی تھی... مگر وقت کی گردشوں نے ہر شے کو بدل ڈالا... غلطیوں کا احساس بعد میں ہی ہوتا ہے... ان غلطیوں کا حساب رکھنا کسی کسی کو آتا ہے... سچ کی اس فصل کو جھوٹ کی دھند میں الجھا دینے والوں کا کشمکش و اضطراب...

جیک فرگوسن حسبِ معمول صبح سات بجے اٹھا تھا۔ اس کی بیوی کیلی گھر میں سب سے پہلے اٹھتی تھی۔ کچھ دیر گھر کے لان میں چہل قدمی اور ایکسرسائز کرتی، پھر اپنے بیٹے ڈینی اور بیٹی ایوا کو اٹھا کر ناشتا تیار کرتی تھی۔ ڈینی اور ایوا دونوں جڑواں تھے اور ان کی عمر سترہ سال تھی۔ دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔

جیک کی عمر تینتالیس سال تھی اور وہ چھ فٹ دو انچ کا لمبا چوڑا مرد تھا۔ بھورے بال اور گہری نیلی آنکھیں اسے جاذبِ نظر بناتی تھیں۔ وہ ایک آئی ٹی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر کام کرتا تھا۔ غسل کرنے کے بعد اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ، ہلکے آسمانی

رنگ کی شرٹ اور گہری نیلی ٹائی لگا کر اپنے وجود پر ایک نظر ڈالی، پرفیوم لگایا اور لیپ ٹاپ بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

جب وہ ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا تو دیکھا، کیلی کچن میں کھڑی تھرموس میں چائے ڈال رہی ہے۔

"گڈ مارننگ ڈارلنگ!" اس نے کیلی کے قریب جا کر اس کی گردن کے بائیں جانب تین بوسوں پر بوسہ لیا۔ کیلی کی گردن کے بائیں جانب تین تل ایک مخروط کی شکل میں تھے جبکہ دائیں جانب تین تل ایک سیدھی لکیر کی طرح تھے۔ سنہری بال، سبز آنکھیں، لمبی گردن اور دونوں گالوں پر پڑنے والے ڈمپل جیک کو بہت پسند تھے۔ یہی بات اس کے حسن کو نکھارتی تھی۔

"گڈ مارننگ ہنی!" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پیچھے سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ڈینی اور ایوا اپنے اپنے اسکول بیگ اٹھائے ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

"ساڑھے سات ہو رہے ہیں۔ جلدی ناشتا کرو، آج تم تینوں لیٹ ہو۔" کیلی نے چائے کا تھرموس جیک کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"خاص دیر تو نہیں، ہم تو اسی وقت ناشتا کرتے ہیں۔" ڈینی بولا۔

"امتحان کی تیاری کیسی ہے؟" کیلی نے پوچھا۔

"جیسی ہمیشہ ہوتی ہے..... نہ تو اچھی اور نہ ہی بُری۔" ڈینی نے کندھے اچکا کر جواب دیا اور کیلی تلملا کر رہ گئی۔

"جیک! ڈینی بہت زیادہ بے پروا ہوتا جا رہا ہے۔" کیلی نے جیک کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ عمر ہی بے پروائی کی ہے۔ بچوں کو موج مستی کرنے دو!" جیک نے مسکراتے ہوئے کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"یہ ہوئی نا بات! آپ سب سے اچھے پاپا ہیں۔" ڈینی نے نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کتنے پرچے باقی ہیں؟"

"آج آخری ہے، پھر دو ہفتوں کے لیے اسکول بند۔" ایوا نے بتایا۔

"ٹھیک ہے بھئی، مزے کرو!" جیک نے کہا اور سلائس پر جیم لگانے لگا۔

کیلی یتیم اور بے سہارا بچوں کے ایک اسکول کی پرنسپل تھی۔ درحقیقت وہ اسکول مرحوم رچرڈ فرگوسن نے بنوایا تھا۔ رچرڈ چاہتا تھا کہ جیک کوئی اور نوکری کرنے کے بجائے اپنے ہی بنائے گئے رفاہی ادارے کی دیکھ بھال کرے لیکن جیک ہمیشہ ایک ہی جواب دیتا۔

"پاپا! مجھے کمپیوٹر کے شعبے میں آگے بڑھنا ہے۔ آنے والے وقت میں ہر کام کمپیوٹر کی مدد سے ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا عظیم کام میری اولاد آگے بڑھائے۔"

"کمپیوٹر انجینئر بن کر، آپ کے اسکول کے بچوں کو کمپیوٹر کی تعلیم دوں گا، یہ کافی نہیں ہے کیا؟" جیک مسکرا دیتا اور رچرڈ خاموش ہو جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ جیک ضد کا پکا ہے۔ ایک بار وہ کسی چیز کی ٹھان لے تو پھر اپنا ارادہ تبدیل نہیں کرتا تھا۔

انیس سال پہلے جیک اور کیلی کی شادی ہو گئی اور پھر وہی اسکول کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ رچرڈ فرگوسن کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ وہ اسپرنگ وُڈ سے چالیس پینتالیس کلومیٹر دور ایک گاؤں میں بھیڑ بکریوں اور دوسرے مویشیوں کے فارم کا مالک تھا جو اس کے انتقال کے بعد اب جیک کی ملکیت تھے۔ زرعی زمین اور مویشیوں سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ اسکول کے اخراجات نکل سکیں اور چندہ اکٹھا نہ کرنا پڑے۔

رچرڈ فرگوسن ایک سال پہلے اعشاریہ پینتالیس پستول کے ایک کارتوس کا شکار بنا اور مارا گیا۔ گولی کس نے چلائی، کیوں چلائی اور مارنے والا کیا چاہتا تھا، یہ معما حل نہیں ہو سکا۔ اسپرنگ وُڈ پولیس کے ریکارڈ میں یہ کیس آج بھی غیر حل شدہ ہے۔

ایک سال پہلے پانچ مئی کی شام رچرڈ اپنے گھر کے قریب بنے ایک کیفے میں کافی پینے گیا تھا۔ وہ ابھی کرسی پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور رچرڈ کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ کیفے میں ہلچل سی مچ گئی۔ گولی چلانے والا کون تھا، یہ پتا نہ چل سکا۔ ایسا لگتا تھا کہ قاتل ہوا میں ہی غائب ہو گیا تھا یا پھر افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہجوم کا حصہ بن گیا۔

☆☆☆

جیک فرگوسن کی میرون رنگ کی اوڈی کار اسکول کے گیٹ پر رکی۔ جیک نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج تم دونوں کا آخری امتحان ہے، سوچ رہا ہوں کل بلیو ماؤنٹینز چلیں۔ دو دن وہیں گزارتے ہیں۔"

"زبردست پلان ہے۔ آج کل وہاں غضب کی سردی پڑ رہی ہے۔" ڈینی بولا۔

"بیسٹ آف لک!" جیک نے دونوں سے کہا۔ دونوں کار سے باہر نکل گئے اور جیک اپنے دفتر روانہ ہو گیا۔ ڈینی اور ایوا اسکول جیک کے ساتھ جاتے تھے لیکن واپس کیلی کے ساتھ آتے تھے۔ کیلی ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد اپنے اسکول جاتی تھی۔

جیسے ہی ڈینی اور ایوا اسکول میں داخل ہوئے، مائیک نے ڈینی کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک کونے میں لے گیا۔ ایوا یہ دیکھ کر ان کے پیچھے پیچھے آنے لگی۔

"ہمارے مائیک! یہاں کہاں لے آئے ہو، پیچھے شروع ہونے والا ہے۔" ڈینی، مائیک کی اس حرکت سے بوکھلا گیا۔

"آج آخری پیچر ہے اور آج کی شام میرے نام۔" مائیک نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"شام کو کیا کرنا ہے؟" ڈینی نے حیرت کا اظہار کیا۔ ایوا بھی وہاں پہنچ گئی۔

"اس کے سامنے بتادوں؟" مائیک نے ایوا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم میں کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔" ایوا نے آنکھیں دکھاتے ہوئے بتایا۔

"اور ہم میں بھی نہیں۔" مائیک کے پیچھے سے ریٹا کی آواز سنائی دی۔

"تم بھی یہاں پر ہو؟" ڈینی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اور میں بھی، سارا پلان ہی میرا ہے۔" نام بھی سامنے آگیا اور چہکتا ہوا بولا۔

"چل کیا رہا ہے؟ کیا پلان ہے؟ کوئی بتائے گا یا ابھی مزید افراد سامنے آئیں گے؟" ڈینی نے پوچھا۔

"نہیں اور کوئی نہیں، سب جانتے ہیں ہم پانچ کا گروپ۔" مائیک بولا۔

"جلدی بتاؤ، پیچر شروع ہونے والا ہے۔" ایوا نے پوچھا۔

"میری نانی کی طبیعت بہت خراب ہے، ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ ممانو دو دن سے ایڈیلیڈ میں ہیں اور پاپا کل رات چلے گئے۔"

"یعنی تم دونوں کو اکیلا چھوڑ کر؟"

"ہاں! آج فائنل پیچر ہے، ہم کیسے جاسکتے تھے؟" ریٹا نے بتایا۔

"پاپا کا آج صبح فون آیا تھا کہ نانی کی طبیعت سنبھل گئی ہے اور وہ دونوں آج رات دو بجے کی فلائٹ سے واپس آرہے ہیں۔"

"یعنی وہ کل صبح سات بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکیں گے۔" ریٹا نے مائیک کی بات آگے بڑھائی۔

"تو تم دونوں کیا چاہتے ہو؟" ڈینی نے پوچھا۔

"آج رات اوپن گرل والی پارٹی۔" مائیک نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری سالگرہ کی پارٹی؟"

"سالگرہ تو بہانہ ہے، اصل میں نے ایک خاص انتظام کیا ہے۔" نام نے دائیں بائیں دیکھا، ان کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔

"اب میرا پلان غور سے سنو!"

اس کے بعد نام نے ڈینی اور ایوا کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اپنا پلان بتادیا۔

"پاگل ہوگیا ہے کیا؟ پکڑے جائیں گے۔" ڈینی چیخا۔

"آہستہ آہستہ، کوئی سن نہ لے۔" مائیک نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کون پکڑے گا، گھر میں صرف ہم پانچ ہوں گے خوب مزہ کریں گے اور دن نکلنے سے پہلے اپنے اپنے گھر جاکر سو جائیں گے۔"

"تم دونوں راضی ہو کیا؟ کیونکہ یہ سب تمہارے گھر پر ہوگا۔" ایوا نے مائیک اور ریٹا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں نام نے روزمرا سے بات کرلی ہے۔"

"کیا یہ روزمرا کون ہے؟" ڈینی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"تمہیں آج رات پتا چل جائے گا۔" مائیک بولا۔

"اگر کچھ گڑبڑ ہوگئی تو؟"

"تو میرا پولیس آفیسر باپ ہے نا، ہمیں بچانے کے لیے۔" مائیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایوا تم کیا کہتی ہو؟" ڈینی نے ایوا سے پوچھا۔

"پتا نہیں..... مجھے عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"مجھے بھی۔"

"کوئی عجیب نہیں ہے۔ آج کل بھی نوجوان یہ کرتے ہیں۔ ہم تو عمر بھر مزے کرنے کی، اب بھی موقع نہ کیا تو کیا بوڑھے ہوکر کریں گے؟" مائیک بولا۔

"ٹھیک ہے، میں رات نو بجے تمہارے گھر آجاؤں گا۔" ڈینی بولا اور ایوا کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے، میں بھی۔" ایوا نے بھی رضامندی ظاہر کی۔ اسی وقت بیل بجنا شروع ہونے کی گھنٹی بجی اور وہ کلاس میں چلے گئے۔

☆☆☆

شام کے چھ بج رہے تھے، کیلی کچن میں رات کا کھانا تیار کررہی تھی، جیک ٹی وی لاؤنج میں ریسٹلنگ کی میچ دیکھ رہا تھا۔ ڈینی اپنے کمرے میں ریسٹلنگ میٹ پر کوگل ڈراپ میں نیوزی لینڈ کے شہر کرائس چرچ کی سیر کررہا تھا۔ ڈینی کو گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔ جب بھی ٹیکنالوجی کی وجہ سے اسے دنیا کے کسی بھی مقام کو دیکھنا ہوتا تو وہاں جانا ضروری نہیں، کوگل ڈراپ

اور گوگل میپ پر آپ کسی بھی ملک کی کوئی بھی سڑک یا گلی دیکھ سکتے ہیں۔

ڈینی بھی فارغ اوقات میں یہی کام کرتا تھا۔ اسے باسکٹ بال کھیلنے کے ساتھ ساتھ ناول پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ جب بھی کسی ناول میں کوئی مقام یا جگہ کا نام دیکھتا، تو اسے تلاش کرنے کے لیے گوگل ارتھ کھول لیتا۔ پھر وہ ایوا کو بتاتا کہ مصنف نے کس حد تک سچ بیان کیا ہے اور کتنا فکشن کا تڑکا لگایا ہے۔

چند دن پہلے اس نے نیوزی لینڈ کے ایک مصنف کا ناول پڑھا تھا، امتحانات کی وجہ سے اسے وقت نہ مل سکا، اسی لیے جیسے ہی امتحان ختم ہوئے، اس نے ناول کے تمام مقامات کو دیکھنے کے لیے میپ کھول لیا۔

ناول میں ہیرو اور ہیروئن پہلی بار ایولون پارک میں ملتے ہیں اور پھر ناول کے اختتام پر بھی وہیں ملتے ہیں۔ مصنف نے اس پارک کا نقشہ بہت ہی دل فریب انداز میں کھینچا تھا۔ ڈینی نے سوچ لیا تھا کہ وہ ایولون پارک کو ضرور دیکھے گا۔

اسے جلد ہی وہ پارک نظر آ گیا۔ وہ زوم کرتا ہوا پارک کا ایک ایک درخت اور ارد گرد کا ماحول دیکھنے لگا۔ زیادہ تر گوگل امیج میں چہرے اور گاڑیوں کے نمبر دھندلے کر دیے جاتے ہیں تاکہ کسی کی ذاتی زندگی متاثر نہ ہو لیکن کبھی کبھی گوگل کی انتظامیہ چوک بھی جاتی تھی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا تھا۔

ایولون پارک کی تصویروں میں چند افراد بھی نظر آ رہے تھے۔ اچانک ڈینی کو ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔ آدمی کا چہرہ تو دھندلا تھا لیکن اس آدمی نے جو سبز رنگ کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی، وہ اس ٹی شرٹ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ڈینی نے ہی وہ شرٹ اس کی سالگرہ پر تحفے دی تھی۔ شرٹ تو ایک جیسی ہو سکتی ہیں لیکن تصویر والے آدمی کے دونوں بازوؤں پر جو ٹیٹو بنے ہوئے تھے وہ شاید ہی کسی اور کے ہوں۔

ڈینی نے فوراً اسکرین شاٹ لیا اور پھر امیج کو زوم کر کے دیکھنے لگا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایوا اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے زرد رنگ کی ٹی شرٹ اور نیلے رنگ کی ٹریک پینٹ پہن رکھی تھی۔ اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ برازیل کی فٹ بال ٹیم کی کھلاڑی ہو۔

"اوہ برازیلین! جلدی آؤ تمہیں ایک خاص چیز دکھانی ہے۔"

"برازیلین..... کیا مطلب؟" ایوا کو حیرت ہوئی۔

"اپنا لباس دیکھو ایسا لگ رہا ہے جیسے برازیلین فٹ بال کی کھلاڑی ہو۔"

"فالتو بات چھوڑو اور بتاؤ کیا دکھانا ہے؟" ایوا تجسس ہوئی اور اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"میں گوگل ارتھ پر نیوزی لینڈ کے شہر کرائس چرچ کی سیر کر رہا تھا۔ میں نے وہاں یہ دیکھا۔" ڈینی نے سبز شرٹ والے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا دیکھا؟ یہ سبز شرٹ والا آدمی کون ہے؟ کیا خاص بات ہے؟" ایوا کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

"تم جانتی ہو، میرے پاس بھی ہو بہو ایسی ہی ٹی شرٹ ہے۔"

"ہاں تو! کمپنی والے ایک ہی ڈیزائن کے ہزاروں ڈریس بناتے ہیں۔ اس میں چونکنے والی کیا بات ہے۔" ایوا نے کندھے اچکا کر کہا اور اپنے ناخنوں کی نیل پالش کو دیکھنے لگی۔

"اپنی نیل پالش کو دیکھنا چھوڑو اور یہ بتاؤ، کیا تم اس ٹیٹو کو پہچانتی ہو؟" ڈینی نے ٹیٹو کو زوم کر کے دکھایا۔ اس پر سیاہ اور نیلے رنگ کی روشنائی سے لکھا ہوا تھا۔ "Richard" جبکہ دوسرے بازو پر لکھا ہوا تھا۔ "Ferguson"

"رچرڈ فرگوسن..... یہ تو ہمارے دادا تھے، یہ ٹیٹو تو ان کے بازو پر تھے۔" ایوا چونک اٹھی۔

"یہ ٹی شرٹ میں نے پچھلے سال دادا جان کو ان کی سالگرہ پر گفٹ کی تھی۔ میں نے تین خریدی تھیں۔ تیسری پاپا کے لیے تھی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دادا جان کے بائیں بازو پر رچرڈ اور دائیں بازو پر فرگوسن نام کا ٹیٹو بنا ہوا تھا۔ سر کے بالوں کا رنگ بھی دادا جان جیسا ہے۔ قد کاٹھ بھی ویسا ہی ہے۔ اب یہ اتنا بڑا اتفاق تو نہیں ہو سکتا نا کہ یہ کوئی اور شخص ہو۔" ڈینی نے ایوا کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ گوگل امیج سیٹلائٹ سے لیے جاتے ہیں۔ جس وقت تصویر بنائی جاتی ہے، اس وقت وہاں سے گزرتے ہوئے افراد، گاڑیاں حتیٰ کہ پرندے بھی تصویر میں آ جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے انٹرنیٹ پر ایسے بھی کئی امیج موجود ہوں جس میں تم، میں یا مما پاپا ہوں۔"

ایوا ابھی تک ڈینی کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

"یہ امیج پچھلے سال اپریل کا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دادا جان کبھی نیوزی لینڈ نہیں گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ نیوزی لینڈ نہیں گئے تو اس تصویر میں کون ہے؟" ڈینی نے اپنی الجھن بتائی۔

"ہو سکتا ہے وہ مما پاپا کو بتا کر کسی ضروری کام سے گئے ہوں؟" ایوا بولی۔

"ہاں ایسا ممکن ہے، چلو آؤ پاپا سے پوچھتے ہیں۔" ڈینی فوراً بیڈ سے اٹھا اور لیپ ٹاپ بند کیے بغیر ہی اسے ہاتھ میں پکڑ کر

کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایوا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

"پاپا! ہمیں ایک اہم بات کرنی ہے۔" ڈینی صوفے پر ان کے ساتھ بیٹھا اور لیپ ٹاپ میز پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" جیک نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پاپا! میں نے گوگل ارتھ کے ایک امیج میں دادا جان کو دیکھا ہے۔"

جیک نے جیسے ہی یہ سنا، ڈینی کی طرف متوجہ ہوا اور ٹی وی بند کر دیا۔ "اچھا! دکھاؤ تو!" جیک اشتیاق بھری نگاہوں سے لیپ ٹاپ دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھیں!" ڈینی نے اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جیک نے لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور امیج دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"ہاں یہ تمہارے دادا ہی ہیں۔ چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے لیکن والدین اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے والدین کو ایک ہی جھلک میں پہچان سکتے ہیں۔" جیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے اس طرح اپنے والد کو دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ڈینی! یہ جگہ کون سی ہے؟ اسپرنگ ڈیو تو نہیں لگ رہی؟"

"کرائسٹ چرچ، نیوزی لینڈ۔"

"کیا مطلب؟" جیک چونک اٹھا۔

"یہی بات تو مجھے بھی سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ کیا مطلب؟"

"پاپا! یہ پچھلے سال اپریل کا امیج ہے۔ ڈینی کہہ رہا ہے کہ دادا جان تو شاید کبھی بھی نیوزی لینڈ نہیں گئے۔ اگر وہ وہاں نہیں گئے تو پھر یہ آدمی کون ہے؟"

"ویسے تو وہ ہر دو تین ماہ بعد ڈارون جاتے تھے اور شاید ان دنوں بھی گئے تھے۔ درست تاریخیں تو ریکارڈ دیکھ کر ہی پتا چل سکتی ہیں۔"

"اس امیج کی تاریخ نظر نہیں آ رہی، صرف اپریل 2023ء لکھا ہوا ہے۔ کیا آپ مکمل تاریخ نکال سکتے ہیں؟" ڈینی نے پوچھا تو جیک نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! کوشش کرتا ہوں۔" اس کے بعد جیک کچھ دیر کمپیوٹر کی بورڈ پر انگلیاں چلاتا رہا اور پھر بولا۔

"28 اپریل 2023ء لیکن ان دنوں تو شاید پاپا ڈارون میں تھے۔" جیک نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یکم مئی کو تم دونوں کی سالگرہ ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سالگرہ سے پہلے وہ آ جائیں گے۔ پھر وہ تیس تاریخ کی شام واپس آ گئے تھے اور ہم نے تم دونوں کی سالگرہ کا کیک کاٹا تھا۔" جیک نے بتایا تو کیلی بھی ان کے قریب آ گئی۔ وہ بھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔" ڈینی بولا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو، یہ حسنِ اتفاق بھی ہو سکتا ہے نا! اوہ مجھے تصویر دکھاؤ!" کیلی ان کے قریب آ کر تصویر دیکھنے لگی۔

"مما! یہ دیکھیں، اس تصویر میں آپ کے سُسر صاحب ہی ہیں نا؟" ڈینی اکثر اسی انداز میں بات کیا کرتا تھا۔

"ہاں لگتے تو پاپا ہی ہیں۔" اس نے بھی ان تینوں کی تائید کی۔

"تو پاپا نیوزی لینڈ کیوں گئے اور ہمیں بتا کر کیوں نہیں گئے؟" جیک نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اس سوال کا جواب تو آپ کے والد محترم ہی دے سکتے تھے لیکن وہ تو دنیا سے چلے گئے۔" ڈینی بولا۔

"بلکہ یہ ایک معمّہ چھوڑ گئے۔" ایوا بولی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" اچانک جیک کی نظر کیلی پر پڑی تو وہ چونک اٹھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

"کک..... کچھ نہیں۔" کیلی نے نظر چراتے ہوئے کہا اور کچن میں چلی گئی۔

ڈینی اور ایوا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جیک بھی اپنے کمرے میں آ گیا اور لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ جیک کی عادت تھی کہ گھر کے تمام اخراجات کے لیے اس نے ایک ایکسل شیٹ بنائی ہوئی تھی۔ زمینوں اور مویشیوں کی آمدنی، اس کی اپنی نوکری کی آمدنی اور اسٹاک مارکیٹ میں شیئرز کی آمدنی وہ ہر چیز کا مکمل حساب رکھتا تھا۔ وہ جب بھی کہیں سفر کرتے، اس کی تفصیلات بھی کمپیوٹر میں محفوظ ہوتی تھیں۔

اس نے اپریل 2023ء کی شیٹ نکالی اور تمام اخراجات دیکھنے لگا۔ پچیس اپریل کو رچرڈ فرگوسن ڈارون گیا تھا۔ اس کا ہوائی ٹکٹ جیک نے ہی بک کروایا تھا۔ پچیس اپریل کو روانگی اور تیس اپریل کو واپسی۔

ڈارون سے واپس آنے کے بعد رچرڈ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس سے اندازہ ہو سکتا کہ وہ کہیں اور بھی گیا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور کیلی کمرے میں داخل ہوئی۔

"کھانا تیار ہے، لگا دوں؟" کیلی نے جیک سے پوچھا۔

"کیلی! میرے پاس آ کر بیٹھو!" جیک نے کیلی کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"ہاں بولو! کیا بات ہے؟"

"کیا تم کچھ چھپا رہی ہو؟" جیک نے کیلی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا چھپاؤں گی؟" کیلی نے آنکھیں چرائیں۔
"تو کل اپج دیکھنے کے بعد تم پریشان کیوں ہو گئی تھیں؟"
"نہیں تو، تمہیں وہم ہوا ہو گا۔" کیلی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"میں تمہیں بیس سال سے جانتا ہوں۔ مجھے وہم نہیں ہوتا۔"
"میں بھی تمہیں بیس سال سے جانتی ہوں، اتنا بے پروا رہنے والا انسان اچانک ایک تصویر دیکھنے کے بعد فکر مند کیوں ہو گیا؟"
"میں بے پروا ضرور ہوں لیکن بے خبر نہیں۔"
"تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" کیلی نے بھویں اچکا کر پوچھا۔ وہ خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"کیا تم جانتی ہو کہ پاپا نیوزی لینڈ گئے تھے؟"
"نہیں اور نہ ہی یہ بات جاننا چاہتی ہوں۔ دیکھو جیک! ہر شخص کی ذاتی زندگی ہوتی ہے، ہمیں ہر معاملے میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر پاپا ہمیں بتائے بغیر کہیں چلے بھی گئے تو کیا ہوا؟ تمہیں اپنے سترہ، اٹھارہ سال کے بچوں کی فکر نہیں ہے لیکن مرحوم والد کی فکر ہے، کیا یہ عجیب بات نہیں؟" کیلی کی بات سن کر جیک کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
"کچھ نہیں، میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ جو دنیا سے چلا گیا اب اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں ہمیں سوال اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ اگر پاپا زندہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھ سکتے تھے، اب وہ ہمارے درمیان نہیں تو ان باتوں کا کیا فائدہ؟"
"ہو سکتا ہے وہ ہم سے کچھ چھپا رہے ہوں، شاید کچھ ایسا جو ہمیں فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہو۔"
"ایسا کیا ہو سکتا ہے؟" کیلی نے اپنے بالوں کو درست کرتے ہوئے پوچھا۔
"کیلی! یہ مت بھولو، جب وہ ڈارون سے واپس آئے تھے تو پانچ دن بعد ہی انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ معاملہ ان کے قتل سے جڑا ہو۔" جیک نے اندازہ لگایا تو کیلی بولی۔
"پولیس کی تفتیش کے مطابق ان کی موت ایک حادثہ تھی، شاید قاتل نے انہیں کسی اور کے دھوکے میں قتل کر دیا تھا۔"
"یہ تو پولیس نے جان چھڑانے کے لیے بیان دیا تھا ورنہ کون غلطی سے کسی اور کو مارتا ہے۔"
"چھوڑو یہ باتیں، آؤ کھانا کھاتے ہیں۔ آج میں نے تمہاری پسند کے فرائیڈ رائس اور چکن منچورین بنائے ہیں۔"
"ہاں! میں آتا ہوں۔" جیک نے جواب دیا تو کیلی چلی گئی۔ باہر جا کر وہ ٹیرس پر گئی اور ایک نمبر ملانے لگی۔
"ہیلو انکل جوزف! آپ کیسے ہیں؟"
"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"انکل! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"
"فون پر ملنے آؤ گی؟" جوزف نے پوچھا۔
"میں ایک گھنٹے تک آتی ہوں۔" کیلی نے جواب دیا اور فون رکھ دیا۔
کھانے کے دوران رچرڈ کی تصویر کے موضوع پر کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔
"پاپا! ہم آج شام مائیک کے گھر جا رہے ہیں۔" ڈینی نے بتایا۔
"ٹھیک ہے۔" جیک نے ہمیشہ کی طرح بے پروا انداز میں کہا۔
"کیوں جانا ہے؟" کیلی نے فوراً پوچھا۔
"آج اس کی سالگرہ ہے، مطلب کل اس کی سالگرہ ہے، ہم آج رات پارٹی کرنا چاہتے ہیں۔" ایوا نے بتایا۔
"کون کون ہو گا وہاں؟" کیلی نے پوچھا۔
"بس ہم دو، وہ دونوں، بہن بھائی اور نام۔ آپ جانتی ہیں، ہم پانچ ہی تو دوست ہیں۔"
"مجھے نام زیادہ پسند نہیں ہے۔" کیلی نے اعتراض کیا۔
"مما! نام گنار پر گانا بھی سنائے گا۔" ایوا نے اپنی والدہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
"ویڈیو بنا کر مجھے بھی دکھانا۔" جیک نے شریر لہجے میں کہا تو کیلی تلملا گئی۔
"ویڈیو کال پر نہ لے لوں آپ کو؟" ڈینی نے آنکھ مارتے ہوئے کہا تو جیک مسکرا دیا۔
"مائیک کے والدین ایڈیلیڈ گئے ہوئے ہیں نا؟" کیلی نے جیسے تصدیق چاہی، وہ جانتی تھی کہ ان کے والدین کارل براؤن اور جولیا براؤن گھر پر موجود نہیں تھے۔
"ہاں! اسی لیے تو پارٹی کر رہے ہیں۔" ڈینی نے صاف گوئی سے کام لیا تو جیک نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور بولا۔
"امتحان ختم ہو گئے ہیں، دوست کی سالگرہ ہے، پارٹی تو بنتی ہے لیکن..... لیکن کچھ غلط نہیں ہونا چاہیے۔"
"پاپا! ہم نے پہلے بھی کچھ غلط کیا ہے کیا؟" ایوا نے پوچھا۔
"سن لو ایوا! سگریٹ سے زیادہ کچھ نہیں پیا جائے گا اور سگریٹ تو بالکل نہیں۔" کیلی نے آنکھیں دکھائیں۔
"آپ بے فکر رہیں، ہم صرف میوزک سنیں گے، ہا

ہی کیو ہوگا اور مستی کریں گے۔" ڈینی نے کہا اور ایوا کی طرف دیکھنے لگا۔ ایوا سمجھ گئی کہ والدین کے سامنے جھوٹ بولنے پر نظریں چرا رہا ہے۔

"ٹھیک ہے اور زیادہ دیر تک باہر نہیں رہنا، بارہ بجے سے پہلے واپس آجانا۔"

"اوہ ممما! بارہ بجے تو کیک کاٹیں گے، اس سے پہلے ہی واپس آجائیں تو پھر سالگرہ کا کیا فائدہ؟"

"تو پارٹی کل رکھ لو!"

"نہیں نا! کل اس کے ممما پاپا آجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بجے تک واپس آجانا۔" کیلی نے حکم دیا اور پلیٹ میں چاول ڈالنے لگی۔

"شرور!" ڈینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کھانا کھانے کے بعد ڈینی اور ایوا، مائیک کے گھر چلے گئے۔ اس کا گھر تقریباً ایک کلومیٹر دور تھا۔ دونوں بہن بھائی پیدل ہی روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد کیلی نے جیک سے کہا۔

"میں انکل جوزف کی طرف جارہی ہوں۔ اُن کی طبیعت ناساز ہے۔"

"انہیں کیا ہوا؟"

"کہہ رہے تھے کہ بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے اور حرارت محسوس کررہے ہیں۔"

"پھر تو میں بھی چلتا ہوں۔ ایلن سے بھی بات ہوجائے گی۔" جیک نے جوزف کے بیٹے ایلن کا نام لیا۔ یہ سن کر کیلی پریشان ہوگئی۔ وہ جوزف سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن اب جیک کو انکار بھی نہیں کرسکتی تھی۔

"ٹھیک ہے، تم بھی چلو!" کیلی نے کندھے اُچکا کر کہا۔

جوزف اینڈرسن، رچرڈ فرگوسن کا بچپن کا دوست تھا، دونوں ایک ساتھ ہی اسکول گئے اور ان کی دوستی رچرڈ کی موت تک قائم رہی۔ چالیس سال پہلے رچرڈ لیور پول سے ہیرنگ وڈ منتقل ہوگیا تو جوزف نے بھی قریب ہی گھر بنالیا اور گروسری کی دکان خرید لی۔ ہیرنگ وڈ میں مشہور تھا کہ رچرڈ اور جوزف ایک جسم دو جان ہیں، دونوں ایک دوسرے کی ہر بات جانتے تھے۔ رچرڈ کے قتل ہونے کے بعد پولیس نے جوزف سے کئی سوالات پوچھے لیکن اس کے جوابات سے انہیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوسکا۔

جوزف کی بیوی کا انتقال کافی عرصہ پہلے ہوچکا تھا۔ اس کا بیٹا ایلن، جیک کا دوست تھا اور ایلن کا بچپنا نام، ڈینی اور ایوا کا دوست۔ ان سب کی دوستی نسل در نسل چلی آرہی تھی۔ ایلن اپنے والد جوزف کا گروسری اسٹور سنبھال رہا تھا۔ اس کی بیوی ہیلن بھی فارغ اوقات میں اسٹور میں کام کرتی تھی۔

جب وہ جوزف کے گھر پہنچے، رات کے نو بج رہے تھے۔ کچھ دیر وہ سب لاؤنج میں بیٹھے گپیں مارتے رہے، پھر ہیلن ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ جیک اور ایلن ریگی میچ دیکھنے لگے اور کیلی، جوزف سے ملنے اس کے کمرے میں چلی گئی۔

جوزف اپنے کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے بھورے رنگ کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ کیلی کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور کتاب بند کرکے میز پر رکھ دی۔ کیلی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں الیکٹرک ہیٹر چل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے کیلی کو گرمی محسوس ہونے لگی۔

"انکل جوزف! ایک گڑبڑ ہوگئی ہے۔" کیلی نے بات کا آغاز کیا۔

"کیا ہوا؟ پریشان کیوں ہو؟" انہوں نے شفقت بھرے انداز میں پوچھا اور اپنی عینک اتار کر میز پر رکھ دی۔

"یہ دیکھیں، کیا یہ پاپا ہیں؟" کیلی نے ڈینی کے بنائے ہوئے اسکیرین شاٹ دکھائے۔

"ہاں! رچرڈ ہی لگ رہا ہے۔ یہ ٹیٹو تو رچرڈ نے ہی بنوائے تھے۔"

"یہ جگہ پہچان سکتے ہیں آپ؟"

"پتا نہیں، کوئی پارک ہے۔"

"میں آپ کو ایک لنک بھیجتی ہوں، آپ اپنا کمپیوٹر آن کریں۔" کیلی نے جوزف کو گوگل میپ کا لنک واٹس ایپ کیا۔ جوزف نے کمپیوٹر آن کیا اور لنک کھول لیا۔

"انکل! غور سے دیکھیں، یہ کراس چرچ، نیوزی لینڈ کا میپ ہے، یہ میچ پچھلے سال اٹھائیس اپریل کو لیا گیا تھا۔" کیلی نے بتایا تو جوزف عینک لگا کر غور سے دیکھنے لگا۔

"ہاں! درست ہے، یہ رچرڈ ہی ہے لیکن پریشانی والی کیا بات ہے؟ ہم دونوں جانتے ہیں کہ پچھلے سال ان دنوں وہ کراس چرچ میں ہی تھا۔"

"لیکن یہ بات جیک یا بچے نہیں جانتے۔"

"اور انہیں بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" جوزف فوراً بولا۔

"انہیں پتا چل چکا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" جوزف کا منہ حیرت کے مارے کھلا رہ گیا۔

"یہ میچ ڈینی نے ہی دیکھا تھا پھر اس نے جیک کو بھی دکھا دیا۔ اب جیک مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ کیا میں کچھ جانتی ہوں۔"

"تم نے کیا بتایا؟"

"میں نے انکار کر دیا۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا بتاتی؟"

"صحیح کیا، رچرڈ کا نیوزی لینڈ والا سفر اور اس کا پس منظر جیک کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔"

"لیکن انکل! وہ جاننے پر بضد ہے، مجھے لگتا ہے وہ تحقیقات کرے گا۔"

"اگر سچائی سامنے آ گئی تو یہ جیک کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔" جوزف بولا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" کیلی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"کیا میں کوئی جھوٹ بول دوں؟" جوزف نے کیلی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

کیلی نے کہا۔ "پھر ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے مزید کتنے جھوٹ بولیں گے؟"

"تمہاری بات درست ہے، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، پکڑا جاتا ہے۔"

"میں اسے ٹالنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"یہی کرنا ہوگا۔ ورنہ حقیقت جاننے پر وہ ٹوٹ جائے گا۔"

"میں اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اسے دکھ دینا نہیں چاہتی۔"

"جیک میرے لیے بھی بیٹوں جیسا ہے۔" جوزف بھی جذباتی ہو گیا۔

"چلیں چھوڑیں یہ باتیں، نیچے آ جائیں، ہیلن چائے بنا رہی ہے۔" کیلی نے اس کا ہاتھ تھاما اور کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے اور باقی سب کے ساتھ خوش گپیاں لگانے لگے۔ کیلی جب بھی جیک کی طرف دیکھتی وہ دل میں سوچتی کہ اگر جیک کو حقیقت پتا چل گئی تو اس کا اگلا قدم کیا ہوگا؟

☆☆☆

ڈسکو لائٹ کی روشنی میں تیز میوزک چل رہا تھا۔ وہ تینوں ناچ رہے تھے۔ نام بالکونی میں بیٹھا بار بی کیو گرل پر چکن لیگ بنا رہا تھا اور ایوا اس کے ساتھ کھڑی سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہی تھی۔

"ایوا! سگریٹ اندر جا کر پیو، کسی نے دیکھ لیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔" نام نے سر اٹھا کر ایوا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں کون ہے دیکھنے والا؟" ایوا نے دھواں نکالتے ہوئے پوچھا۔

"اگر کسی ہمسائے نے دیکھ لیا تو؟"

"تو کیا ہوا؟ اچھا تم اپنا گٹار کیوں نہیں لائے، پاپا کو تمہارا گانا سننا ہے۔" ایوا نے پوچھا۔

"یہ پارٹی گٹار پر گانے سننے کے لیے ہے کیا؟" نام نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اسی وقت مائیک ہاتھ میں بیئر کی بوتل تھامے اس کے پاس آیا اور بولا۔

"نام اروزاریو مال لے آیا ہے، چلو آؤ لینے چلیں!"

"زبردست!" نام جھوم اٹھا۔

"ایوا! تم بار بی کیو دیکھو، میں مائیک کے ساتھ جا رہا ہوں۔" نام نے ایوا کو اشارہ کیا اور مائیک کے پیچھے چل دیا۔

کچھ دیر بعد وہ پانچوں ہال میں موجود تھے، ڈسکو لائٹ جگمگا رہی تھی اور پانچوں دھواں اڑا رہے تھے۔

"جانی! کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" مائیک نے ڈینی کے کندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔" ڈینی نے سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر اڑاتے ہوئے کہا۔

"اور ایوا تم؟"

"پتا نہیں، مجھے تو ہوش ہی نہیں ہے۔ یہ کیا پلا دیا تم نے؟"

"زمین میں رہتے ہوئے آسمانوں کے مزے..... یار دوست تو اسے پتا نہیں کیا کیا کہتے ہیں لیکن عام زبان میں عوام کوکین کہتی ہے۔"

"مائیک! تم بہت تیز ہو۔" ایوا بولی۔

"روزاریو تو نام کا دوست ہے، اسی نے انتظام کیا ہے۔" رینا نے ایوا کا ہاتھ پکڑ کر اسے نام کی طرف موڑا۔

"یہی لایا تھا....." رینا نے بتایا۔ اس کے انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے سارا تصور نام کا ہو۔

"پارٹی تو تمہارے گھر ہو رہی ہے نا!"

"ہاں تو.....؟"

"کک..... کچھ نہیں۔" ایوا نے ایک کش لگایا اور خود کو فضا میں محسوس کرنے لگی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بھوت لگ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد مائیک اپنے والد کے بار کاؤنٹر سے وہسکی کی بوتل بھی نکال لایا۔ اسے دیکھ کر ڈینی بولا۔

"وہسکی نہیں، پاپا نے منع کیا ہوا ہے۔"

"ڈرگز کی اجازت ہے کیا؟" مائیک نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا تو نام بھی مسکرا دیا اور بولا۔

"اس کی مما تو سگریٹ بھی پینے نہیں دیتی، ڈرگز کون لینے دے گا؟"

"تو کیا تیری مما تمہیں نشہ کرنے دے گی؟ کیا وہ جانتی ہے کہ تیری دوستی ڈرگ ڈیلرز کے ساتھ ہے؟" ڈینی نے بھی جواب دیا۔

"ہمارا کسی کے والدین یہ باتیں نہیں جانتے۔ ہم یہاں مزہ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اسی پر فوکس رکھو۔" ریٹا نے چلا کر کہا۔

"چلو پھر ایسا کرو اگلا گلاس بھر دو۔" ٹام نے میز پر پڑا گلاس اٹھا کر مائیک کے سامنے کیا تو اس نے بوتل کھول کر اس کا گلاس بھر دیا۔

"ہمارے مائیک! پورا گلاس بھر دیا؟" ایوا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اچھا ہے نا! گھنٹا بھر چلتا رہے گا۔" مائیک لڑکھڑاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا اور ایوا کے گلاس میں وہسکی ڈالنے لگا۔

اس وقت وہ پانچوں دنیا و مافیہا سے بے خبر شراب پی رہے تھے اور کوکین سے بھرے ہوئے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ اسپرنگ ویڈ کے نامی گرامی پولیس آفیسر انسپکٹر کارل براؤن کا گھر اس وقت نائٹ کلب لگ رہا تھا۔ کبھی وہ پانچوں تیز موسیقی پر ناچتے اور کبھی ایک دوسرے کے اوپر شراب اچھالتے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور وہ پانچوں ہوش کھو چکے تھے۔ اچانک مائیک نے ٹام سے کہا۔

"ٹام! پاؤڈر ختم ہو گیا، اور ملے گا کیا؟"

"میں نے اپنی جیب میں تو نہیں رکھا ہوا، روزاریو ہی لا سکتا ہے۔"

"اسے فون کر کے اور منگوا لے نا!" مائیک نے ضد کی۔

"نہیں نہیں، اتنا بہت ہے۔ آگے ہی ہم اپنے ہوش کھو چکے ہیں۔ اب مزید نہیں۔" ڈینی نے مائیک کو روکا۔

"دوست! تو مت لینا، ہمیں تو مزہ کرنے دے نا!" مائیک نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں روزاریو کو فون کرتا ہوں۔" ٹام اپنا موبائل تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی اسے اپنا موبائل میز کے نیچے گرا ہوا مل گیا۔ اس نے فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"ٹام! روزاریو سے کہنا کہ گھر سے کچھ دور کھڑا ہو، اگر کسی پی سی وی میں اس کا چہرہ آ گیا اور بعد میں پاپا نے دیکھ لیا تو بکڑے جائیں گے۔" مائیک بولا تو ٹام نے سر ہلایا۔

"ٹام! مت فون کرو، ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ایوا نے بھی اسے روکنا چاہا لیکن تب تک دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو! ٹام..... میں ٹام بول رہا ہوں۔ مجھے تھوڑا سا مال اور چاہیے کیونکہ ہیپ..... پارٹی تو ابھی شروع ہوئی ہے۔"

"ٹام..... کتنی دیر میں پہنچ رہے ہو؟"

"دس منٹ..... زبردست! میں گھر کے باہر ہی کھڑا ہوں۔ تم پہلے کی طرح کچھ فاصلے پر ہی رہنا۔" ٹام نے فون کاٹ دیا اور مائیک کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ دس منٹ میں آ رہا ہے۔ میں واش روم جا رہا ہوں، پھر پیکٹ لے کر آتا ہوں۔" ٹام بولا اور موبائل میز پر رکھ کر لڑکھڑاتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"آرام سے جانی! تو نے زیادہ پی لی ہے۔" مائیک نے اسے پیچھے سے پکارا تو وہ مسکرا دیا۔

"اسے جانے دو! بارہ بجنے والے ہیں، کیک بھی تو کاٹنا ہے۔" مائیک کی بات سن کر ڈینی مسکرا دیا اور بولا۔

"کیک کاٹنے کی بہت ہے کیا؟"

"تیرے سے زیادہ ہمت ہے اور ہوش بھی۔ ایک سگریٹ پی کر میں بے ہوش نہیں ہونے والا۔"

ٹام کچھ دیر بعد واش روم سے باہر نکلا اور مین گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ اسے جاتا دیکھتے رہے اور پھر ایک گانے پر چاروں ڈانس کرنے لگے۔

☆☆☆

رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ سارجنٹ راجر بیکر اپنے موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔ پینتیس سالہ بیکر مضبوط جسم کا مالک تھا۔ گیم جیتنے کے بعد اس نے سگریٹ کی تلاش میں نظر دوڑائی اور افسردہ انداز میں کافی کے خالی ڈبے کی طرف دیکھا۔ وہ آدھا گھنٹا قبل کافی کا آخری کپ بھی پی چکا تھا۔ اس کے دو ہی شوق تھے، سگریٹ اور کافی۔

"سگریٹ بھی ختم اور کافی بھی۔ اس سے بڑھ کر آج کی رات اور کیا بُرا ہو سکتا ہے؟" بیکر نے جھنجلاتے ہوئے کہا اور سامنے بیٹھے سارجنٹ ایڈم رونی سے بولا۔

"یار رونی! میری کافی اور سگریٹ دونوں ختم ہو چکے ہیں۔"

"یہ تو بہت بڑا ظلم ہوا۔ سگریٹ تو میں دے دیتا ہوں لیکن کافی پینے کے لیے کیفے ٹیریا تک جانا ہوگا۔"

"جب کیفے ٹیریا ہی جانا ہے تو پھر سگریٹ بھی وہیں سے لے لوں گا۔ تمہارا گھٹیا برانڈ پی کر اپنے منہ کا ذائقہ کیوں خراب کروں؟"

"کیمل بہترین برانڈ ہے، اب تمہارا ذوق انتہائی گھٹیا ہے تو کیا کر سکتے ہیں؟" اس سے پہلے کہ بیکر، رونی کو جواب دیتا، فون کی گھنٹی بجی۔

اس نے ایک نظر فون کی طرف دیکھا اور پھر کمرے میں موجود دیوار گیر کلاک کی طرف نظر ڈورا کر وقت دیکھا۔ پھر بیزاری سے اپنا ہاتھ فون کی طرف بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اسٹیشن میں اس وقت فون کی گھنٹی بجنے کا

مطلب کیا ہے اور وہ بھی اسپرنگ وُڈ جیسے پُرامن علاقے میں۔ ضرور کسی نائٹ بار میں کوئی شرابی نشے میں دھت ہو کر دوسروں سے جھگڑا کر رہا ہوگا اور اب اسے شرابیوں کے منہ لگنا ہوگا۔ اکثر جمعہ اور ہفتے کی رات کو ایسے ہی معاملات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اسی لیے اسے نائٹ شفٹ پسند نہیں تھی۔

"ہیلو! اسپرنگ وُڈ پولیس سے سارجنٹ بیکر....." اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"میں ریمنڈ روڈ سے جارج ڈیوس بات کر رہا ہوں، یہاں سڑک پر ایک لاش پڑی ہے۔"

"لاش..... اور وہ بھی اسپرنگ وُڈ میں؟" بیکر یک دم چونک اٹھا اور اس کی سستی فوراً فو چکر ہوگئی۔ لاش کا لفظ سن کر رونی بھی چوکنا ہوگیا۔

"جی ہاں، اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا..... سڑک پر کسی کی لاش ہے، آپ جلدی آجائیں۔"

"آپ گھر میں ہی رہیں اور ہمیں اپنا پتا لکھوا دیں، ہم ابھی آتے ہیں۔"

"71 ریمنڈ روڈ۔" بیکر نے فون رکھ دیا اور رونی کو بتایا۔

"ریمنڈ روڈ پر کسی کی لاش ملی ہے۔ فرانزک کو اطلاع کرو!"

"اوہ! میں ابھی فون کرتا ہوں۔" رونی نے فون اٹھایا اور فرانزک آفیسر کا نمبر ملانے لگا۔

بیکر نے اپنی جیکٹ پہنی، ہولسٹر کو چھو کر اس بات کی تسلی کی کہ پستول موجود ہے اور اپنے دفتر سے باہر نکل گیا۔ اس کے تیز تیز قدم سیڑھیاں اتر کر لابی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ ریمنڈ روڈ پہنچ گئے۔ وہاں بڑے بڑے اونچے نیچے گھر تھے اور زیادہ تر گھر خوب صورت درختوں میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ کسی زمانے میں جنگل ہوا کرتا تھا، اسی لیے یہاں گھروں اور گاڑیوں سے زیادہ سرسبز و شاداب درخت نظر آتے تھے۔

جارج کے گھر کے سامنے دو افراد کھڑے تھے اور ان کے سامنے فٹ پاتھ پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں ابھی یہ تعین کرنا مشکل تھا کہ مرنے والا مرد ہے یا عورت۔

پولیس کی گاڑیاں دیکھ کر اور سائرن کی آواز سن کر ارد گرد کے باقی گھر والے بھی جاگ چکے تھے اور اپنے اپنے کمروں کی کھڑکیوں سے تانکا جھانکی کر رہے تھے۔ جیسے ہی بیکر اور رونی کار سے باہر نکلے، ایک آدمی ان کے قریب آیا اور فخریہ انداز میں بولا۔

"میرا نام جارج ڈیوس ہے، میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔ وہ دیکھیں لاش۔" اس آدمی کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ "میں نے ہی سانپ کو مارا ہے، وہ دیکھیں مردہ سانپ۔"

سرچ لائٹس روشن کی گئیں اور وہ سب لاش کے قریب بڑھنے لگے۔ بیکر اور رونی نے اپنی ہتھیلیاں رگڑ کر ہاتھوں کو گرم کیا اور پھر دستانے پہن لیے۔

"رونی! اسپرنگ وُڈ میں ایک سال کے بعد قتل۔ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ قاتل کو بھی اتنی سردی میں لاش یہاں پھینکنی تھی۔" لاش کی طرف بڑھتے ہوئے بیکر نے ناگوار انداز میں کہا۔

"سوشل میڈیا کا زمانہ ہے، آج کل تو کسی مشہور شخصیت کو چھینک بھی آجائے تو ہیڈ لائن بن جاتی ہے، یہ تو شاید قتل ہے۔" سردی کی وجہ سے بات کرتے ہوئے ان کے منہ سے بھاپ نکل رہی تھی اور رفتار سرخ ہو رہے تھے۔

"شاید کیوں، یقیناً کیوں نہیں؟" بیکر کو رونی کی بات پر حیرت ہوئی۔

"ابھی تو ہم نے لاش کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ کیا پتا قتل ہوا یا ہارٹ اٹیک کی وجہ سے موت کی نیند سو گیا۔" رونی کی بات سن کر بیکر بولا۔

"کاش! تمہاری بات سچ ثابت ہو جائے ورنہ ہماری عیدیں حرام ہو جائیں گی۔"

"جیسے پچھلے سال رچرڈ فرگوسن کے قتل کے وقت ہوئی تھیں اور آخر کار تم نے یہ کہہ کر کیس کلوز کر دیا کہ وہ غلط فہمی کی بنا پر مارا گیا۔"

"ہاں! اور کیا کرتا؟ اس جیسے شریف آدمی کا کوئی جان کا دشمن ہو سکتا ہے کیا؟" بیکر نے پوچھا۔

"شکر کرو! ان دنوں انسپکٹر براؤن یہاں نہیں تھا، ورنہ تمہیں خوب سناتا۔" رونی بولا۔

"ارے! یہ کیا؟"

"کیا ہوا؟" سامنے لاش اور دو گھر چھوڑ کر ہی انسپکٹر براؤن کا گھر۔"

"اسے حسنِ اتفاق کہتے ہیں۔"

"تو میں کون سا کہہ رہا ہوں کہ براؤن نے آدمی قتل کیا اور گھر کے باہر لاش پھینک دی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ایڈیلیڈ میں ہوگا۔" بیکر نے مسکراتے ہوئے کہا اور دستانے پہن کر آگے بڑھا۔ رونی نے بھی جیکٹ کی جیب سے دستانے نکال کر پہن لیے۔

"انسپکٹر براؤن صبح سات بجے تک پہنچ جائے گا۔" رونی بولا اور لاش پر جھک کر اسے پلٹ دیا۔

"لائٹ پلیز!" بیکر نے ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ اس

نے تارچ لاش کے چہرے پر ڈالی۔ جیسے ہی بیکر اور رونی نے لاش کا چہرہ دیکھا، وہ چلائے۔

"ارے یہ تو وہ ڈرگ ڈیلر رابرٹ روزاریو ہے۔ اسے کس نے قتل کر دیا؟" دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور حیرت سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماریا جب پہلی بار اپنے والد کے ساتھ لیور پول کے رومن کیتھولک چرچ گئی، اس وقت اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ چرچ کی سرخ رنگ کی اینٹوں کی عمارت۔ دائیں اور بائیں خوب صورت پھولوں سے سجے باغ اور درمیان میں ایک فوارہ۔ اسے چرچ کی تعمیراتی خوب صورتی، ماحول اور خدا کی بڑائی بیان کرتے ہوئے گیت بہت اچھے لگے۔

لیور پول، سڈنی کے مغرب میں مضافاتی علاقہ ہے۔ یہ مرکزی ڈاؤن ٹاؤن سے تقریباً تیس کلومیٹر دور ہے۔ اکثر سڈنی ڈاؤن ٹاؤن میں کام کرنے والے لیور پول اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں رہتے ہیں تاکہ بڑے شہر کی مہنگائی سے بچتے ہوئے کچھ بچت کر سکیں۔

ماریا اور اس کے والد پیٹر فرنینڈس چرچ سے گھر پیدل جا رہے تھے۔ ماریا نے سفید رنگ کا خوب صورت فراک پہن رکھا تھا اور سر کے بالوں کی دو پونیاں کی ہوئی تھیں، جن پر اس کی والدہ جیسمین نے سفید رنگ کے ربن باندھ دیے تھے۔ پیٹر ہمیشہ کی طرح سیاہ سوٹ اور سیاہ ہیٹ پہنے ہوئے تھا۔

وہ سن 1960ء کے ستمبر کا پہلا ہفتہ تھا۔ آسٹریلیا میں بہار اپنے قدم جما چکی تھی اور اپنے رنگ بکھیر رہی تھی۔ سڑک کے کنارے پر اُگے سرسبز درخت اور گھروں کے باغیچوں میں موجود رنگ برنگے پھول فضا میں خوشبو بکھیرتے ہوئے دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے۔

"پاپا! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔" ماریا چلتے چلتے رک گئی تو پیٹر نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات سمجھ نہیں آئی؟"

"اسکول میں میری ٹیچر سسٹر کیتھرین نے بتایا تھا کہ خدا چرچ میں رہتے ہیں لیکن وہ تو مجھے ملے ہی نہیں۔ مجھے خدا سے ملنا تھا۔" ماریا نے معصومانہ انداز میں کہا تو پیٹر مسکرا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، ماریا نے اگلا سوال پوچھ ڈالا۔

"پاپا! خدا چرچ میں رہتے ہیں کیا؟"

"خدا ہر جگہ ہوتا ہے اور ہمیں دیکھتا ہے۔" پیٹر نے ماریا کو اٹھایا اور فٹ پاتھ پر بنے ایک بینچ پر بٹھا دیا۔

"تو ٹیچر نے یہ کیوں کہا کہ چرچ خدا کا گھر ہے۔"

"ہاں! یہ بات تو درست ہے، چرچ تو خدا کا گھر ہی ہے۔" پیٹر بھی بینچ پر بیٹھ گیا۔

"خدا بہت طاقتور ہے کیا؟"

"ہاں! بہت زیادہ۔"

"تارزن سے بھی زیادہ۔ پاپا! آپ کو پتا ہے، تارزن ہاتھی، شیر اور چیتے کو بھی مار ڈالتا ہے۔"

"ہاں ہاں! میں جانتا ہوں۔ تارزن بہت طاقتور ہے لیکن خدا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقت والا ہے۔ اس کا کسی سے مقابلہ نہیں۔"

"پھر تو اگر میں کوئی غلط کام کروں گی تو وہ مجھے ضرور ڈانٹے گا اور شاید مارے بھی؟" ماریا ڈر گئی۔

"نہیں، خدا بہت شفیق ہے، وہ تمہارے سوری کا انتظار کرے گا۔"

"کیا واقعی!" ماریا کو بہت حیرت ہوئی۔

"ہاں! جب بھی کبھی کچھ غلط کرو تو چرچ میں آنا اور خدا کو سوری بول دینا۔"

"پاپا! اب آپ مجھے ہر اتوار کو چرچ لایا کریں گے نا؟"

"بالکل، ہم اپنی بیٹی کو ہر ہفتے چرچ لایا کریں گے۔" پیٹر بینچ سے اٹھا اور ماریا کی انگلی پکڑ کر دوبارہ چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد پیٹر کا گھر آ گیا اور دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔

پیٹر کی لیور پول میں گراموفون اور ریڈیو کی دکان تھی۔ وہ کیتھولک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد چرچ میں ساز بجاتے تھے اور وہ باقی ساتھیوں کے ساتھ بیم (عیسائی مذہبی گیت) گایا کرتا تھا۔

ماریا جب پانچ سال کی ہوئی تو پیٹر نے اسے چرچ سے ملحق مشنری اسکول میں داخل کروا دیا۔ آج ماریا پہلی بار چرچ گئی تھی اور اسے وہاں کا ماحول بہت پسند آیا تھا۔

گھر جا کر وہ کافی دیر تک اپنی والدہ جیسمین کو چرچ کی باتیں بتاتی رہی۔

اگلے دن اسکول میں بریک ٹائم میں وہ ربیکا کو بتانے لگی۔

"ربی! کل میں پاپا کے ساتھ چرچ گئی تھی۔"

"اچھا! میں تو پاپا کے ساتھ روم اوپکس کا فٹ بال فائنل میچ دیکھ رہا تھا۔ یو کو سلاویہ نے ڈنمارک کو تین ایک سے ہرا دیا۔" ربی نے بیگ کی زپ کھول کر اپنی کاپی اندر رکھ دی۔

"ایسے میچ کا کیا فائدہ جس میں اپنی ٹیم نہ ہو۔" ماریا نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا اور اپنے سر کی پونی کے ساتھ کھیلنے لگی۔

"میچ تو میچ ہوتا ہے، چاہے اپنا ملک یا اپنی ٹیم کھیل رہا

ہو یا کوئی اور، کیا فرق پڑتا ہے۔" رچی نے کندھے اُچکاتے ہوئے بے فکرانہ انداز میں کہا اور اپنے بیگ میں سے دو چاکلیٹیں نکال کر ایک ماریا کو دے دی۔

"مجھے بچوں کا کچھ نہیں پتا۔ میں تو چرچ گئی تھی۔ بہت مزہ آیا تھا۔" ماریا چاکلیٹ کا ریپر اتارنے لگی۔

"وہاں کیا کرنے گئی تھیں؟" رچی نے پوچھا۔

"عبادت کرنے۔"

"اس کا کیا فائدہ؟"

"خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ ہمیں مانگے بغیر ہی اتنا کچھ دے دیتا ہے۔ اب دیکھو! تم نے مجھے چاکلیٹ دی لیکن درحقیقت یہ خدا کی طرف سے ملی ہے، اسی کی مرضی سے تم نے مجھے دی ہے۔ ہمارا بھی تو فرض بنتا ہے نا کہ خدا کی عبادت کریں اور اس سے دعائیں مانگیں۔" ماریا نے بتایا۔

"تو تم نے دعا مانگی؟" رچی نے پوچھا۔

"ہاں! میں نے دعا مانگی کہ میں جلدی سے بڑی ہو جاؤں۔"

"بڑے ہونے میں تو وقت لگے گا۔ ایک دم سے بڑا تھوڑی... ہو سکتے ہیں۔" رچی نے ماریا کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو وہ خفا ہو گئی اور بولی۔

"تم دیکھ لینا، ایک دن میں تم سے زیادہ بڑی اور لمبی ہو جاؤں گی۔"

"تو کیا! اس کے لیے عبادت نہیں جادو سیکھو جادو....." رچی نے اپنے دونوں ہاتھ جادوگروں کی طرح لہراتے ہوئے کہا اور مسکرانے لگا۔

"میں نے ٹی وی پر ڈیوڈ کاپرفیلڈ (مشہور جادوگر) کی ویڈیو دیکھی تھی۔ اس میں کمال کے جادو تھے۔"

"ٹی وی دیکھنا اچھی بات نہیں ہے۔ بچوں کو پڑھائی کرنی چاہیے۔ پاپا کہتے ہیں کہ ٹی وی نہیں دیکھنا چاہیے۔"

"ماریا! تمہیں یہ باتیں کون سکھا رہا ہے؟" رچی متجسس ہوا۔

"میرے پاپا، اور کون سکھائے گا۔" ماریا نے مسکرا کر جواب دیا اور بریک ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی۔

"باقی باتیں کل کریں گے۔" ماریا نے رچی کے کان میں کہا اور اپنے بستے میں سے کتاب نکالنے لگی۔

اس دن کے بعد ماریا اور رچی پیٹر کے ساتھ چرچ جانے لگی۔ سسٹر کیتھرین ٹیلر چرچ کی نن تھی اور ماریا کی کلاس کی انچارج بھی تھی۔ وہ تمام بچوں سے بہت شفقت سے پیش آتی۔ تمام طلبا و طالبات اسے بہت پسند کرتے تھے۔ اس کی عمر صرف تیس سال تھی۔

ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ اتنی شفقت سے بات کرتی کہ سامنے والا شخص متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکتا۔ ماریا کی وہ پسندیدہ استاد تھی۔ اسے سسٹر کیتھرین کا سفید اور نیلا لباس بہت بھاتا تھا۔ اب ماریا کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ وہ زیادہ تر سفید یا ہلکے رنگوں والا لباس زیب تن کرے۔

ایک دن سسٹر کیتھرین نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

"ماریا! تمہیں چرچ جانا بہت پسند ہے نا؟"

"یس سسٹر! مجھے وہاں جا کر سکون ملتا ہے اور بہت اچھا لگتا ہے۔"

"تم بائبل بھی پڑھنا شروع کرو نا! اب چھ سال کی ہونے والی ہو۔ انگریزی پڑھ سکتی ہو۔"

"پاپا گھر میں کبھی کبھی بائبل سناتے ہیں لیکن میں نے کبھی پڑھی نہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" ماریا کی بات سن کر کیتھرین حیران ہوئی اور پوچھا۔

"بائبل سے کس بات کا ڈر؟"

"ابھی مجھے ٹھیک سے انگریزی پڑھنی نہیں آتی نا! اگر میں کچھ غلط پڑھ دوں اور خدا مجھ سے ناراض ہو جائے تو؟"

ماریا کی یہ بات سن کر کیتھرین حیران رہ گئی۔ اتنی چھوٹی سی بچی اتنی بڑی بات بھی کر سکتی تھی، وہ حیران رہ گئی۔ اس نے ماریا کو اپنی گود میں بٹھایا اور کہا۔

"خدا اتنی پیاری بچی سے کیسے ناراض ہو سکتا ہے؟"

"میری مما بھی تو ناراض ہو جاتی ہیں نا!"

"خدا، ماں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ وہ اس سنہری بالوں والی گڑیا سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔" کیتھرین نے مسکراتے ہوئے کہا اور ماریا کے سنہری بالوں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرنے لگی۔

"کیا واقعی!" ماریا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ہاں! اسکول کے بعد تم میرے کمرے میں آجایا کرنا، میں تمہیں روزانہ خدا، بائبل، یسوع مسیح اور بی بی مریم کی باتیں سناؤں گی۔"

"پھر تو بہت مزہ آئے گا لیکن میں پاپا سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"ہاں ضرور! ہمیشہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اپنے ماما پاپا سے ضرور پوچھنا چاہیے۔"

اس کے بعد ماریا اکثر کیتھرین کے پاس جانے لگی۔ وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ اب وہ دس سال کی ہو چکی تھی۔ وہ کیتھرین کی باتیں بہت غور سے سنتی اور اگلے دن اپنے بہترین دوست رچی کو سناتی۔ رچی ایک لاابالی سا بچہ تھا۔ کبھی

کبھی وہ ماریا کی باتیں غور سے سنتا لیکن زیادہ تر اسے بوریت محسوس ہونے لگتی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہتا۔

"ماریا! امتحان میں یہ سوال نہیں آئیں گے۔"

"رچی! ایک بات یاد رکھنا، ہر کتاب تعلیمی امتحان پاس کرنے کے لیے نہیں ہوتی، کچھ کتابیں آخرت میں کام آتی ہیں۔"

ماریا کی یہ فلسفیانہ باتیں رچی کے سر کے اوپر سے گزر جاتیں۔ وہ ابھی صرف دس سال کا تھا۔ اس کا مرکز کرکٹ اور فٹ بال کے میچ دیکھنا تھا۔ کبھی کبھی وہ ماریا کے ساتھ چرچ چلا جاتا لیکن جلدی بھاگ آتا اور ماریا اس سے ناراض ہو جاتی۔

"رچی! تم آج بھی بھاگ آئے!"

"وہ..... وہ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ صبح ناشتا نہیں کیا تھا نا!"

"آج میرے پیٹ میں درد ہو رہا تھا، اس لیے جلدی آ گیا۔"

"وہ میں نے ہوم ورک نہیں کیا نا! اس لیے جلدی چلا آیا۔"

غرض ہر بار اس کے پاس ایک نیا بہانہ ہوتا۔ ماریا جانتی تھی کہ رچی جھوٹ بول رہا ہے۔

"جھوٹ بولنا بُری بات ہے۔" ماریا منہ بنا کر بولتی۔

"لو کی! میں نے کب جھوٹ بولا؟ اگر میری بات پر یقین نہیں تو ممی سے پوچھ لو!"

رچی کبھی بھی اپنی غلطی نہیں مانتا تھا۔

☆☆☆

سارجنٹ راجر بیکر اور سارجنٹ ایڈم رونی پیچھے ہٹ گئے اور فرانزک ٹیم آگے بڑھ کر لاش کی فوٹو کھینچنے لگی۔

"اسے کون قتل کر سکتا ہے؟" رونی بڑبڑایا۔

"ہو گا کوئی اس جیسا ہی ڈرگ ڈیلر یا کوئی ٹھگ۔ تفتیش کریں گے تو ہی کچھ سامنے آئے گا۔" بیکر نے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو، ہمارے قصبے میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پانچ چھ ماہ پہلے ہی روزاریو کا نام سامنے آیا اور اب قتل بھی ہو گیا۔"

فرانزک ٹیم نے تصویریں کھینچ لیں تو بیکر دوبارہ روزاریو کی لاش کے پاس گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے سینے میں گولی لگی تھی۔ ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ خون سے بھری ہوئی تھی۔ چہرے پر تشدد کے نشان تھے۔ سر اور ماتھے پر بھی گہرا زخم تھا۔

"یہ لگتا ہے قتل کرنے سے پہلے اس پر تشدد کیا گیا ہے۔"

"لیکن قتل یہاں نہیں ہوا۔ دیکھو! آس پاس زمین پر خون نظر نہیں آ رہا۔" بیکر نے فٹ پاتھ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"ظاہری بات ہے، اگر واردات یہاں ہوئی ہوتی تو کوئی نہ کوئی ضرور دیکھتا اور گولی چلنے کی آواز بھی سنتا۔ ویک اینڈ نائٹ ہے، اکثر لوگ دیر سے سوتے ہیں۔"

"قاتل ضرور کسی بڑی گاڑی یا وین میں اس کی لاش لایا ہو گا اور یہاں پھینک کر فرار ہو گیا ہو گا۔ ہمیں سڑک پر ٹائروں کے نشان دیکھنے چاہئیں۔"

"جہاں لاش پڑی ہوئی تھی، سواری بھی قریب ہی کھڑی ہو گی۔ اس جگہ کو سیل کرتے ہیں اور صبح کی روشنی میں ٹائروں کے نشان اٹھائے جائیں گے۔ ابھی تو کچھ نظر آنا مشکل ہے۔"

"چار بج چکے ہیں۔ دو گھنٹے تک سورج نکل آئے گا، پھر دوبارہ آتے ہیں۔ ابھی اردگرد پیلی پٹی لگا دیتے ہیں۔" رونی کی بات سن کر بیکر بولا۔

"ٹھیک ہے اور دو کانسٹیبل بھی چھوڑ جاتے ہیں تاکہ کوئی مداخلت نہ ہو۔" رونی نے اپنی رائے دی تو بیکر باقی عملے کو ہدایات دینے لگا۔

"لاش کو ایمبولنس میں ڈال دو اور صرف فٹ پاتھ کا اچھی طرح جائزہ لو، شاید کوئی ثبوت مل جائے۔ خیال رہے سڑک کے اس حصے میں کوئی قدم نہ رکھے۔ شاید ہمیں گاڑی کے ٹائروں کے نشان مل جائیں۔"

عملہ اپنا اپنا کام کرنے لگا۔

"ایک بات سمجھ نہیں آئی، اگر قاتل کو لاش پھینکنی ہی تھی تو کچھ ہی فاصلے پر خالی پلاٹ اور چھوٹا سا جنگل ہے، وہاں درختوں کے درمیان پھینک سکتا تھا، یہاں فٹ پاتھ پر پھینکنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" رونی نے سر کھجاتے ہوئے اپنی الجھن ظاہر کی۔

"اس کے لیے کار سے باہر نکلنا پڑتا، لاش اٹھانی پڑتی اور پھر دور جا کر کہیں پھینکنی پڑتی۔ پکڑے جانے کا ڈر تھا۔" بیکر نے بتایا۔

"درست، قاتل نے کار روکی، لاش باہر پھینکی اور یہ جا وہ جا..... ایک منٹ بھی نہیں لگا ہو گا۔"

"رونی! اب وہ کیمل کا سگریٹ ہی دے دے۔ اس وقت ون فیلڈ کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں گا۔" بیکر کی بات سن کر رونی مسکرا دیا اور جیکٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ اسے دیا اور ایک خود سلگا لیا۔

"بڑا دن کو خبر کر دوں؟" بیکر نے پوچھا۔

"ابھی تو وہ جہاز میں ہو گا۔ اس کا جہاز ساڑھے پانچ بجے سڈنی ائرپورٹ پر لینڈ ہو گا۔"

"وائس ایپ میسج کر دیتا ہوں۔ جیسے ہی جہاز ائرپورٹ

پر لینڈ ہوگا، اسے میسج مل جائے گا۔" بیکر نے دھواں نکالتے ہوئے کہا تو رونی نے سر ہلا دیا۔

"گڈ مارننگ براؤن! تمہارے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر ڈرگ ڈیلر رابرٹ روزاریو کی لاش ملی ہے۔ اسے کسی نے گولی مار کر قتل کر دیا ہے۔ میں اور رونی تفتیش کر رہے ہیں۔ جیسے ہی کوئی سراغ ملتا ہے، تمہیں دوبارہ میسج کرتا ہوں۔"

"سر! یہ ایک لاکٹ ملا ہے۔ اس پر انگریزی حرف ٹی (T) لکھا ہوا ہے۔" ایک کانسٹیبل نے لاکٹ بیکر کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے لاکٹ کو غور سے دیکھا۔ اس کا پینڈنٹ گول تھا اور درمیان میں ٹی لکھا ہوا تھا۔

"شاید سونے کا لاکٹ ہے۔" رونی نے سنہرا رنگ ہونے کی وجہ سے کہا۔

"پتا نہیں، مجھے ان چیزوں کی اتنی پہچان نہیں۔" بیکر نے کندھے اچکا کر کہا اور لاکٹ پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال دیا۔

اس وقت تک آس پاس کے سبھی گھروں کے افراد جاگ چکے تھے اور اپنے اپنے گھر کے باہر کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ دونوں ان کی طرف بڑھے۔

"کسی نے کچھ دیکھا؟ کوئی گاڑی یا کوئی مشکوک آدمی؟" بیکر نے بلند آواز میں پوچھا تو سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"ہم تو آپ کی گاڑیوں کی آواز سن کر جاگے۔ ہمیں کچھ نہیں پتا۔"

"اور میں نائٹ کلب سے تقریباً ڈیڑھ بجے کے قریب آیا تھا۔ میں نے بھی اس وقت کچھ نہیں دیکھا۔" ایک لڑکا بولا۔

"ہوں..... یعنی لاش ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے کے درمیان پھینکی گئی ہے۔" رونی بڑبڑایا۔

"کسی کے گھر کے باہر سی سی ٹی وی لگا ہوا ہے؟"

"ہاں! میرے گھر کے باہر ہے۔" ایک چالیس بیالیس سال کا آدمی آگے بڑھا۔

"زبردست! آپ کا گھر کون سا ہے؟"

"یہ چار گھر چھوڑ کر میرا گھر ہے۔ مکان نمبر تریسٹھ، اگر آپ فوٹیج دیکھنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔"

"آپ کا نام؟" بیکر نے پوچھا۔

"بورس، میرا نام بورس ہے۔" اس آدمی نے اپنا نام بتایا تو رونی نے بیکر کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بورس اور تم بیکر، ایک پرانا جرمن ٹینس پلیئر یاد آگیا۔"

"یہاں ٹینس کھیلنے نہیں آئے۔"

"تو میں نے کب کہا کہ کھیلنے آئے ہیں۔" رونی مسکرایا اور بیکر کو آنکھ ماری۔

"ٹھیک ہے، ہم تمہارے گھر چلتے ہیں۔ ہمیں فوٹیج دکھاؤ!" بیکر نے بورس سے کہا اور پھر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینے کے بعد بورس کے ساتھ اس کے گھر چل دیا۔ رونی بھی اس کے ساتھ تھا۔

اس سڑک کا نقشہ کچھ اس طرح تھا کہ پہلے بورس کا گھر تھا، اس کے بعد آگے تین اور گھر، پھر جارج کا گھر اور جارج کے گھر کے سامنے فٹ پاتھ پر روزاریو کی لاش۔ جبکہ سڑک کے دوسری جانب بورس کے گھر کے سامنے انسپکٹر کارل براؤن کا گھر تھا جہاں اس رات مائیک اور اس کے دوست پارٹی کر رہے تھے۔ اس کے بعد دو گھر اور پھر درختوں سے گھرے ہوئے چند خالی پلاٹ، کھائی اور چھوٹا سا جنگل۔

وہ بورس کے گھر میں داخل ہوئے، اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور ان کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"رات ڈیڑھ بجے کے بعد کی ویڈیو چلا دیں!" بیکر نے کہا تو بورس نے سر ہلایا اور ویڈیو چلا دی۔

"یار رونی! یہ سی سی ٹی وی ویڈیو دیکھنے سے میری جان جاتی ہے۔ اس سے زیادہ بورنگ کام شاید ہی دنیا میں کچھ اور ہوگا۔" بیکر نے منہ بنایا۔

"مسٹر بورس! اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو کافی بنوا دیں گے۔ میرے ساتھی کی روح بے چین ہو رہی ہے۔" رونی نے درخواست کی تو بورس نے سر ہلایا۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں، آپ ویڈیو دیکھیں، میں کافی بنواتا ہوں۔" بورس چلا گیا اور وہ دونوں اس انداز میں ویڈیو دیکھنے لگے جیسے اگر پلک جھپکی تو منظر بدل جائے گا۔ وقفے وقفے سے چند گاڑیاں گزر رہی تھیں، وہ ان کے نمبر اور ماڈل نوٹ کرتے جا رہے تھے لیکن کسی بھی گاڑی پر شک نہیں ہوا تھا۔ اتنی دیر میں بورس بھاپ اڑاتی کافی کے تین مگ لے کر ان کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ تینوں کافی پینے لگے۔

"مسٹر بورس! آپ کیا کرتے ہیں؟"

"میں فرگوسن کمیونٹی سینٹر میں اسپورٹس ٹیچر ہوں۔"

"اوہ اوہ، رچرڈ فرگوسن والا اسکول۔"

"ہاں وہی!"

"پچھلے سال انہیں بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن قاتل گرفتار نہ ہو سکا۔" بیکر نے اس انداز میں کہا جیسے اسے قاتل گرفتار نہ ہونے پر افسوس ہو۔

"ہاں جانتا ہوں۔ اب ایک سال بعد یہاں دوبارہ قتل

ہونا، بہت پریشانی والی بات ہے۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل سکتا ہے۔"

"ہم کوشش کریں گے کہ جلد از جلد قاتل گرفتار ہو جائے۔" بیکر نے کہا اور اسی وقت انہیں ایک سیاہ یا گہرے نیلے رنگ کی ہونڈائی اسٹاریا وین گزرتی ہوئی نظر آئی۔ ویڈیو میں تین بج کر پندرہ منٹ ہو رہے تھے۔

"روکو روکو روکو!" بیکر چلایا تو بورس نے فوراً ویڈیو روک دی۔

"تھوڑا پیچھے لے کر جاؤ!"

بورس نے ویڈیو ریوائنڈ کی۔

"زوم کرو!" بورس نے بیکر کی طرف دیکھا اور تصویر زوم کردی۔ اب انہیں ہونڈائی اسٹار کی دائیں سائڈ نظر آرہی تھی۔ ڈرائیور نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور اس کی جیکٹ کے کالر کھڑے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ نمایاں نہیں تھا۔ کار میں پچھلی سیٹ پر بھی ایک شخص بیٹھا نظر آرہا تھا۔ باقی سیٹوں پر کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا۔

"مجھے یقین ہے، یہی ہماری مطلوبہ گاڑی ہے اور یہ ڈرائیور ہی قاتل ہے۔"

"لیکن نہ تو اس کا نمبر نظر آرہا ہے اور نہ ہی ڈرائیور اور پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کی شکل۔ ہم انہیں کیسے تلاش کریں گے؟"

"ہم اور سی ٹی وی کیمرے کی فوٹیج نکلوائیں گے۔ کسی نہ کسی کیمرے میں گاڑی کا نمبر اور ڈرائیور کا چہرہ نظر آجائے گا نا!" بیکر نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، مسٹر بورس! آپ ہمیں یہ فوٹیج بھیج دیں۔ اب ہم پندرہ منٹ مزید ویڈیو دیکھتے ہیں، شاید کچھ اور نظر آجائے۔" رونی بولا تو بورس نے سر ہلا کر ویڈیو چلا دی۔ تین چار منٹ بعد وہی اسٹاریا وین انہیں واپس جاتے ہوئے نظر آئی۔ اس بار بھی ڈرائیور یا دوسرے سوار کی شکل نظر نہ آسکی۔ اس کے بعد انہیں کوئی اور کار نظر نہیں آئی۔ بورس نے مطلوبہ ویڈیو بیکر کو واٹس ایپ کردی تو بیکر بولا۔

"مسٹر بورس! آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ!"

پھر ان دونوں نے بورس سے ہاتھ ملایا اور چل دیے۔ ان کے جانے کے بعد بورس کچھ دیر سی ٹی وی ویڈیو دیکھتا رہا اور پھر ایڈورڈ کا نمبر ملانے لگا۔

"میرے گھر کے پاس روزماریو کی لاش ملی ہے۔ پولیس کو سیاہ رنگ کی ہونڈائی اسٹاریا پر شک ہے۔"

"سیاہ ہونڈائی اسٹاریا..... اوہ! یہ کب ہوا؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔ ایڈورڈ کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

آنکھ مچولی

"شاید کچھ دیر پہلے ہی۔" بورس نے جواب دیا۔

"پولیس کو کسی پر شک؟"

"نہیں! ابھی پولیس کو کسی پر شک نہیں ہے لیکن بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔"

"پھر اب کیا کرنا ہے؟ سیاہ رنگ کی ہونڈائی اسٹاریا تو ماریو کے پاس ہے، کہیں اس نے تو....."

"پتا نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرے حکم کے خلاف ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔"

"ہاں! بات تو درست ہے۔"

"ماریو سے بات کرو، اسے کام پر لگاؤ!" بورس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں ماریو سے بات کرتا ہوں۔" ایڈورڈ نے کہا اور کال کاٹ دی۔

☆☆☆

چھ فٹ چار انچ لمبا سیاہ فام ماریو نائٹ خود کو پرائیویٹ جاسوس متعارف کرواتا تھا لیکن درحقیقت وہ پیسے کے بدلے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ اس کی عمر پینتیس سال تھی۔ اس کی ایک عادت تھی کہ ہمیشہ کیلا ہی کام کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ سامنے والے ہمیشہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اب تک کیے گئے تمام قتل، اغوا اور دوسری وارداتیں اس نے اکیلے ہی انجام دی تھیں۔ وہ بورس کے لیے پچھلے پانچ سال سے کام کر رہا تھا۔ بورس کو جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا، ماریو کا ہی دروازہ کھٹکھٹایا جاتا اور ماریو نے بھی کبھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

صبح چار بجے موبائل کی گھنٹی سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس سے کچھ دیر پہلے ہی وہ سویا تھا۔ اس نے غنودگی سے بوجھل آنکھوں سے موبائل اسکرین دیکھی، کال ایڈورڈ کی تھی۔

"ہاں! اتنی رات کو کیا مصیبت پڑ گئی؟"

"بورس کے گھر کے پاس روزماریو کی لاش ملی ہے۔" ایڈورڈ نے بتایا تو وہ مسکرا دیا۔

"بورس نے اس حرامی کو خود ہی مار دیا کیا؟ یہ کام تو مجھے کرنا تھا۔"

"نہیں، اس نے نہیں مارا۔ ہمیں لگتا شاید تم نے اسے اڑا دیا۔ لاش کے پاس ایک سیاہ اسٹاریا نظر آئی ہے۔ کہیں کسی نے تمہاری گاڑی چوری تو نہیں کرلی؟"

"ارے نہیں، ابھی آدھا گھنٹا پہلے ہی تو میں نائٹ کلب سے واپس آیا ہوں۔ بیس منٹ تو میرے سامنے کھڑی ہے۔" ماریو بستر سے اٹھا اور گلی کی طرف کھڑکی سے جھانک کر کہا۔

"تو پھر اسے کس نے مارا؟"

"مار دیا ہوگا کسی شریف آدمی نے یا پھر اس جیسے کسی ٹھگ نے۔ بورس کی تو جان چھوٹ گئی نا!"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن ہماری پریشانی روزاریو کا قاتل نہیں، بورس کی ویڈیو ہے۔ اس سے پہلے وہ ویڈیو کسی اور کے ہاتھ لگے، تم حرکت میں آجاؤ!"

"ویڈیو بھی مل جائے گی، بورس کیوں ٹینشن لے رہا ہے؟"

"اس کی ٹینشن کی وجہ تم جانتے ہو۔ فوراً کام پر لگ جاؤ! اچھا پیسہ ملے گا۔"

"پیسے کے لیے تو میں تمہیں بھی مار ڈالوں، ابھی تو صرف ویڈیو حاصل کرنی ہے۔" ماریو چہک کر بولا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی سستی غائب ہو چکی تھی۔

"اس کا موبائل تو شاید لاش کے پاس ہی ہوگا لیکن لیپ ٹاپ ضرور گھر میں ہوگا، تم سمجھ رہے ہو نا کہ کیا کرنا ہے؟"

"ہاں ہاں سب جانتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ پولیس حرکت میں آئے، میں اس کے فلیٹ میں جا کر تلاشی لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں بورس کو بتا دیتا ہوں کہ تم تیار ہو۔"

ایڈورڈ نے فون کاٹ دیا اور ماریو سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے؟ نیند اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا اور واش روم کی طرف بڑھا۔

پانچ بجے وہ روزاریو کے فلیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے تالا کھولنے کی کوشش کی اور پانچ منٹ کی محنت کے بعد وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت پر صرف دو فلیٹ تھے۔

وہ فلیٹ میں داخل ہوا، اسے صرف روزاریو کے لیپ ٹاپ اور کسی ہارڈ ڈسک یا یو ایس بی ڈرائیو کی تلاش تھی۔ جلد ہی اسے لیپ ٹاپ مل گیا۔ وہ الماری کی طرف بڑھا اور تلاشی لینے لگا لیکن کچھ اور نہ ملا۔ اس سے پہلے کہ پولیس یا کوئی اور وہاں آجاتا، اس نے بھاگ جانا مناسب خیال کیا۔ ویسے بھی جس چیز کی اسے تلاش تھی، وہ مل چکی تھی۔

☆☆☆

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ورجن ایئر لائن کا جہاز سڈنی ایئرپورٹ کے رن وے پر رکا اور تمام مسافروں کے موبائل آن ہو گئے۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ مشرق کی جانب آسمان کا رنگ بدلنے ہو چکا تھا جبکہ مغرب کی طرف ابھی بھی چند شریر ستارے بھاگنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

انسپکٹر کارل براؤن نے بھی باقی مسافروں کی طرح موبائل آن کیا اور اپنے میسج دیکھنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے سارجنٹ راجر بیکر کا میسج سنا اور چونک اٹھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی جولیا نے کارل کو دیکھا تو پوچھا۔

"کیا ہوا خیریت؟"

"پولیس والوں کے نصیب میں خیریت کہاں؟ بہت ہی خوفناک خبر ملی ہے۔" کارل کھڑا ہوا اور اپنا ویٹ بیگ اٹھانے لگا۔

"بچے تو ٹھیک ہیں نا!" جولیا کو مائیک اور رینا کی فکر ستانے لگی۔ وہ گزشتہ رات گھر میں اکیلے تھے۔

"ہاں! بچے ٹھیک ہیں لیکن جارج کے گھر کے سامنے ایک لاش ملی ہے۔" کارل نے جولیا کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کک..... کیا مطلب؟"

"جولیا! سب کے سامنے مطلب جاننا ضروری ہے کیا؟ میں بھی تمہارے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔ ایسے تنگ و دو پہنچ کر ہی پتا چلے گا۔" کارل نے غصے کا اظہار کیا تو جولیا سمجھ گئی کہ اس طرح جہاز میں وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتے تھے۔

تقریباً چھ بجے وہ ایئرپورٹ سے باہر تھے۔ کارل کل اپنی فورڈ کار پارکنگ میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ دونوں پارکنگ کی طرف بڑھے۔

"جولیا! کار تم چلاؤ گی، مجھے بیکر سے بات کرنی ہے۔"

کارل فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھا اور چابی جولیا کو پکڑا دی۔ اس نے سر ہلایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کارل نے بیکر کا نمبر ملایا اور بولا۔

"میں راستے میں ہوں۔ تفصیل سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

بیکر نے تمام تفصیل کارل کے گوش گزار کر دی۔

"اسٹاریا کا کچھ پتا چلا؟" کارل نے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں، آس پاس کے باقی گھر بھی دیکھے ہیں لیکن صرف سائڈ ہی نظر آ رہی ہے، فرنٹ ابھی تک نظر نہیں آیا۔"

"میرے گھر کا کیسا دیکھا؟"

"نہیں، تمہارے بچے سو رہے ہوں گے، انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں تھا۔"

"کیا مائیک یا رینا میں سے کوئی رات کو باہر نکلا؟"

"نہیں، شاید دونوں سو رہے تھے۔"

اس کے بعد کارل، بیکر کو ہدایات دیتا رہا اور وہ سنتا رہا۔

"بیکر! رچرڈ فرگوسن کے وقت تو ہم ناکام ہو گئے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

"جی میں معاملے کی نزاکت سمجھتا ہوں۔"

"فی الحال تم اور رونی گھر چلے جاؤ اور کچھ دیر آرام کرو، بارہ بجے تک میں تمہیں پولیس اسٹیشن میں ملتا ہوں۔ تب تک

آٹو پسی رپورٹ بھی آ چکی ہوگی۔"

"لیکن ہم دونوں کی تو نائٹ شفٹ ہے۔" بیکر فوراً بولا۔

"شہر میں ایک سال بعد قتل ہوا اور تمہیں نائٹ اور اے شفٹ کی سوجھ رہی ہے۔ جب تک قاتل گرفتار نہیں ہو جاتا، کیا دن اور کیا رات، ہمیں چوبیس گھنٹے کام کرنا ہوگا۔" کارل نے غصے کا اظہار کیا تو بیکر عجیب سا منہ بنا کر بولا۔

"ٹھیک ہے، بارہ بجے ملتے ہیں۔"

"کارل! ارچر ڈفر گوسن کا قاتل گرفتار کیوں نہیں ہو سکا تھا؟" جولیا نے پوچھا۔

"جب مسٹر فرگوسن قتل ہوئے، میں دو ماہ کے لیے ٹریننگ پر پرتھ گیا ہوا تھا۔ یہ بیکر اور رونی وغیرہ سب کام چور ہیں۔ ان کا دل کرتا ہے کہ مفت میں تنخواہ لیتے رہیں۔ کیس کی ٹھیک انداز میں تفتیش نہیں کی گئی اور یہ کہہ کر کیس بند کر دیا کہ غلطی سے مسٹر فرگوسن کو گولی لگ گئی۔"

"ہاں یہ بات تو جانتی ہوں۔"

"تو پھر پوچھ کیوں رہی تھیں؟" کارل نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"بس ویسے ہی، مجھے لگا شاید کوئی نئی بات سامنے آجائے۔" جولیا نے ونڈ اسکرین سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

☆☆☆

ایلن کی کال سے جیک کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا، صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ ہفتے اور اتوار کو جیک اور کیلی کی چھٹی ہوتی تھی اس لیے اکثر وہ نو بجے کے بعد اٹھتے تھے۔

"ہیلو!" جیک نے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"جیک! ٹام ابھی تک گھر نہیں آیا۔" ایلن نے بتایا۔

"کل رات کارل کے گھر میں بچے پارٹی کر رہے تھے۔ شاید وہ وہیں رک گیا ہو۔" جیک نے بستر پر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہوتا تو وہ کم از کم مجھے ضرور بتاتا، اس کا نمبر بھی بند ہے۔"

"ایلن! بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ اب اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید بیٹری چارج کرنا بھول گیا ہو۔ تم ہائیگ کو فون کرو!"

"ہائیگ اور ہینا دونوں کے نمبر بند ہیں۔"

"تم نے کارل یا جولیا کو فون کیا؟" جیک نے اگلا سوال پوچھا۔

"وہ تو شاید ہنی مون پر گئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں لیکن انہیں آج صبح واپس آجانا تھا۔ میرا خیال ہے اب تک تو گھر بھی پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں جولیا کو فون کرتا ہوں۔" ایلن نے فون رکھ دیا۔ باتوں کی آوازیں سن کر کیلی کی بھی آنکھ کھل گئی۔

"کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟" کیلی نے جیک کے سینے پر سر رکھ کر پوچھا۔

"ایلن کا فون تھا، کہہ رہا ہے کہ کل رات ٹام گھر نہیں پہنچا۔"

"اولاد کو ضرورت سے زیادہ آزادی دو گے تو ایسا ہی ہو گا۔" کیلی بولی۔

"ہماری اولاد کس وقت گھر آئی تھی؟"

"پتا نہیں، دو بجے تک تو نہیں آئے تھے۔ میں نے فون کیا تھا تو ڈینی بولا کہ کچھ دیر میں آرہے ہیں۔ پھر میری آنکھ لگ گئی اور ابھی اٹھی ہوں۔"

"میں اُن کے کمرے میں دیکھ کر آتا ہوں۔" جیک بستر سے اٹھا تو کیلی بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ جیک، ڈینی کے کمرے کی طرف بڑھا اور کیلی، ایما کے کمرے کی طرف۔

دونوں اپنے اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے۔ جیک نے ڈینی کو اٹھایا تو حیران رہ گیا۔ اس کے ماتھے پر پلاسٹر لگا ہوا تھا۔

"ڈینی! اٹھو!" جیک اسے اٹھانے لگا۔ کچھ دیر کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے سامنے جیک کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

"پاپا آپ؟" وہ ابھی بستر پر ہی لیٹا ہوا تھا۔

"ہاں! تمہارے سر پر یہ چوٹ کیسے لگی؟"

"وہ..... وہ میں گر گیا تھا۔"

"رات کس وقت گھر آئے؟"

"یہی کوئی تین بجے۔ سوری پاپا! ہمیں دیر ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں، ٹام کہاں ہے؟"

"ٹ..... ٹام؟ مجھے کیا پتا؟" ڈینی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"وہ گھر نہیں پہنچا، کیا وہ ہائیگ کے گھر ہی رک گیا تھا؟"

"ن..... نہیں تو، وہ تو بہت جلد چلا گیا تھا۔" ڈینی نے بتایا۔

"وہ! تو پھر کہاں گیا؟"

"پ..... پتا نہیں۔" ڈینی پھر لیٹ گیا۔

"ڈینی! اٹھو اور سچ سچ بتاؤ کہ ٹام کہاں ہے؟" جیک نے پانی کی بوتل اٹھا کر اس کے چہرے پر چھینٹے مارتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیلی بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ایما کہہ رہی ہے کہ ٹام سارے راستے کار میں تھا۔"

"ہاں! ڈینی بھی یہی بات کہہ رہا ہے۔" جیک نے

تائید کی۔

"یہ سب ساری رات مستی کرتے رہے ہیں اور اب آنکھ نہیں کھل رہی۔" کیلی نے غصے کا اظہار کیا۔

"ڈینی! دس منٹ میں نیچے ملو!" جیک نے بلند آواز میں کہا تو ڈینی بستر سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا۔

جیک اور کیلی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔ جیک کے موبائل کی گھنٹی بجی، کال ایلن کی تھی۔

"ہیلو!" جیک بولا۔

"جیک! میری جولیا سے بات ہوئی ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ مائیک اور رینا اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہیں اور نام گھر پر نہیں ہے۔"

"ڈینی اور ایوا کہہ رہے ہیں کہ نام ساڑھے بارہ بجے ہی اپنے گھر چلا گیا تھا۔"

"تو پھر وہ کہاں چلا گیا؟" ایلن فکر مند ہونے لگا۔

"شاید کسی اور دوست کے پاس۔ ایسا لگتا ہے کہ رات ان پانچوں نے خوب شراب پی ہے۔ ڈینی اور ایوا ابھی تک مدہوش ہیں۔ شاید نام نشے کی حالت میں گھر جانا نہیں چاہتا ہو گا، اسی لیے کہیں اور رک گیا۔"

"اگر کہیں اور رکنا تھا تو مائیک کے گھر بھی تو رک سکتا تھا نا!"

"وہ ساڑھے بارہ بجے ہی چلا گیا تھا۔ تم پریشان نہ ہو، دو تین گھنٹے تک واپس آجائے گا۔" جیک نے ایلن کو تسلی دی۔

"خدا کرے، ایسا ہی ہو۔" ایلن نے فون رکھ دیا۔

"پاپا! میں دوبارہ سو جاؤں؟" ڈینی نے پوچھا تو جیک نے سر ہلا دیا اور ٹی وی آن کر لیا۔ ٹی وی پر نشر ہوتی .... ایک خبر دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

"اسپرنگ وڈ میں رابرٹ روزاریو نام کا ڈرگ ڈیلر قتل۔ رات ساڑھے تین بجے اس کی لاش ریمنڈ روڈ پر ملی۔"

"کیلی! ریمنڈ روڈ پر قتل۔" جیک کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ..... یہ تو کارل کے گھر کے پاس ہی ہے۔ کل رات تو بچے بھی وہیں تھے۔" کیلی نے ٹی وی پر خبر دیکھتے ہوئے کہا۔

"روزاریو کا قتل..... قتل؟" ڈینی، ایوا کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا اور دونوں کا رنگ زرد پڑنے لگا۔

☆☆☆

"لڑکی! یہ تم ہمیشہ سفید لباس کیوں پہنے لگی ہو؟" رچی نے ماریا سے پوچھا۔ وہ دونوں اس وقت اسکول بریک میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے... بلیک بیری کھا رہے تھے۔

"اسکول کا یونیفارم ہے۔" ماریا نے شاید رچی کے سوال پر غور نہیں کیا تھا۔

"وہ تو مجھے بھی پتا ہے..... لیکن تم گھر پر بھی سفید فراک یا ہلکے رنگوں والا لباس ہی پہنے نظر آتی ہو۔"

"مجھے سفید رنگ پسند ہے نا!"

"سائنس کی ٹیچر کہتی ہے، سفید تو کوئی رنگ ہی نہیں ہوتا۔ رنگ تو صرف تین ہی ہوتے ہیں، سرخ، نیلا اور پیلا۔ تمام رنگ ان تین رنگوں سے مل کر بنتے ہیں۔"

اس دوران سسٹر کیتھرین ان کے پاس آگئی۔ رچی نے اسے بلیک بیری کا باکس دیا، اس نے مسکراتے ہوئے چند دانے اٹھا لیے اور رچی سے پوچھا۔

"رچی! تم ہر اتوار چرچ کیوں نہیں آتے؟ ماریا تو باقاعدگی سے آتی ہے۔"

"وہ اتوار کو فٹ بال کا میچ ہوتا ہے نا! مجھے گراؤنڈ جانا ہوتا ہے۔"

"باقی بچے تو آتے ہیں۔"

"وہ فٹ بال نہیں کھیلتے نا! میں تو اپنی ٹیم کا سینٹر فارورڈ ہوں۔ سسٹر! میں برازیل کے فٹ بالر پیلے جیسا فٹ بالر بننا چاہتا ہوں۔" رچی نے بتایا۔

"پہلے پڑھائی کرو، خدا کی عبادت کرو اور پھر فٹ بال بھی کھیلنا۔" سسٹر کیتھرین نے سمجھایا۔

"وہ سب بھی تو ساتھ ساتھ چلتا ہی ہے لیکن جب کبھی ٹی وی پر برازیل کا میچ آرہا ہو تو پھر میں کچھ اور کر ہی نہیں سکتا۔" رچی نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا برازیل کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کیا بات چل رہی تھی؟" کیتھرین ہر ایک کے ساتھ دوستانہ انداز میں بات کرتی تھی۔ وہ سب بچوں کو اپنا بہن بھائی سمجھتی تھی۔ پڑھائی میں مدد کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی مفید مشورے دیتی تھی۔

"ہم رنگوں کی باتیں کر رہے تھے۔ رچی پوچھ رہا تھا کہ میں زیادہ تر سفید لباس کیوں پہنتی ہوں۔" ماریا نے بتایا۔

"تو تم نے کیا جواب دیا؟" کیتھرین نے پوچھا۔

"یہی کہ سفید رنگ اُجالا اُجالا سا لگتا ہے، آپ بھی تو ہمیشہ یہی رنگ پہنتی ہیں۔"

"میں نن ہوں۔ میرا تو یونیفارم ہے۔ آپ تو ولی بھی رنگ پہن سکتی ہو۔"

"تو آپ کوئی اور رنگ کیوں نہیں پہن سکتیں؟"

"ماریا! یہ ایک لمبی بحث ہے اور ابھی تم باتیں بنانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ تم صرف بارہ سال کی ہو۔ کچھ بڑی ہو جاؤ

تو سب بتادوں گی۔"

"مسز! یہ ابھی سے اتنی بڑی بڑی اور عجیب عجیب باتیں کرتی ہے، بڑی ہو کر نہ جانے کیا کیا کرے گی۔" ربی نے ماریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بچے ہر لڑکی تو ایسی باتیں ہی کرتے ہیں۔" ماریا بولی۔

"ماریا! ایک بات یاد رکھنا، سفید لباس دیکھنے میں تو بہت اچھا لگتا ہے لیکن میلا بھی سب سے جلدی یہی رنگ ہوتا ہے۔ اس لیے اس رنگ کی حفاظت کرنا، کبھی میلا نہ ہونے دینا۔"

"میں تو ابھی بچی ہوں۔ اپنے کپڑے گندے نہیں کرتی۔"

"لباس کے ساتھ ساتھ انسان کا کردار بھی سفید اور اُجلا ہونا چاہیے۔ لباس کا میل دھل سکتا ہے، کردار کا میل بہت مشکل سے صاف ہوتا ہے۔ اب تم بڑی ہو رہی ہو، کچھ عرصے تک بالغ ہو جاؤ گی۔ بلوغت کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا جب تمہیں اس دنیا میں ہر جگہ کیچڑ نظر آئے گی۔ نیک لوگ اپنے آپ کو کیچڑ کی گندی چھینٹوں سے بچا کر رکھتے ہیں۔"

"مسز! میں ہوں نا ماریا کے ساتھ، اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔" ربی فوراً بولا۔

"مسز! کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا۔" ماریا نے اُلجھن ظاہر کی تو کیتھرین بولی۔

"جب بڑی ہو جاؤ گی تو سمجھ جاؤ گی۔"

"مسز! اسے جلدی جلدی بڑے ہونے کا شوق ہے۔" ربی نے ماریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو کیتھرین نے ربی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"انسان کو ذہانت میں بڑا ہونا چاہیے، پھر عمر چاہے کم ہو یا زیادہ، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

مسز کیتھرین چلی گئی تو ربی نے ماریا سے پوچھا۔

"تم دونوں آسان باتیں نہیں کر سکتیں کیا؟"

"زندگی اتنا آسان نہیں ہوتا میرے دوست!"

"مجھے تو سب آسان ہی لگتا ہے۔ صبح اٹھو، اسکول آؤ، چھٹی کو گھر واپس چلے جاؤ، شام کو گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلو اور رات کو کھانا کھا کر سو جاؤ، اس میں مشکل کیا ہے؟" ربی نے مسکراتے ہوئے کہا تو ماریا بولی۔

"وقت آئے گا تو سب سمجھ جاؤ گے۔ چلو! کلاس میں چلتے ہیں، بریک ختم ہونے والی ہے۔"

دونوں اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور کلاس روم کی طرف بڑھے۔ اس وقت ان تینوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ مستقبل میں یہ باتیں سچ ثابت ہونے والی تھیں اور ان تینوں کی زندگی بدل دینے والی تھیں۔

☆☆☆

دن مہینوں سے گزر رہے تھے۔ ماریا اور ربی اب ہائی اسکول میں جا چکے تھے۔ ان کی عمر سولہ سال تھی۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب نوجوان اپنے مستقبل کی راہ چنتے ہیں۔ ربی ایک فٹ بال کلب سے فٹ بال کھیلنے لگا تھا۔ اس کا تھیلی کالی سراہا جاتا تھا۔ ماریا بچپن کی طرح خدا، چرچ اور مسز کیتھرین کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ وہ ابھی بھی اسکول سے فارغ ہونے کے بعد مسز کیتھرین کے کمرے میں چلی جاتی، دونوں ایک ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتے۔ پھر کیتھرین اسے بائبل کا سبق پڑھاتی۔

شام کو ماریا، ربی سے لیور پول پارک میں ملتی۔ اکثر دونوں چہل قدمی کرتے نکل جاتے۔ ربی اسے اپنے فٹ بال میچوں کے بارے میں بتاتا اور ماریا اسے بائبل کا سبق سناتی۔

ربی دل ہی دل میں اب ماریا کو پسند کرنے لگا تھا۔ اب ان کی دوستی صرف دوستی نہیں رہی تھی، اس سے بڑھ کر تھی لیکن ربی نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کی حرکتوں سے ایسا لگتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں ماریا سے محبت کرنے لگا ہے۔ ماریا کو ربی کی کیفیت کا ادراک تھا لیکن نہ تو وہ اس موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی ربی کو محبت کرنے سے روک سکتی تھی۔

"یہ لوکین کا پیار بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس لیے دل ایک ہی بار صرف ایک ہی انسان کو دینا چاہیے۔" ماریا نے ایک دن ربی سے کہا۔

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ جسے دل دینا چاہیے، وہ مل گیا ہے۔" ربی نے پوچھا۔

"اس بات کی گواہی تو دل ہی دے گا نا!"

"اگر دل دھوکا کھا جائے تو؟" ربی کے سوال کا ماریا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اسی لیے دل لگانا ہی نہیں چاہیے۔"

"تو پھر شادی کس سے کریں؟" ربی کا اگلا سوال تیار تھا۔

"جس سے والدین کہیں، بس اسی سے شادی کر لو، خدا تعالیٰ اس رشتے میں برکت ڈال دے گا۔" ماریا نے جواب دیا۔

"اس دور میں والدین کی مرضی کی شادی..... لوگی! کیا بات کرتی ہو؟"

"ہاں تو..... اس میں بُرائی کیا ہے۔ والدین ہمارے لیے اچھا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"والدین اپنے لیے تو اچھا فیصلہ کر نہیں سکے، وہ ہمارے لیے کیسے کریں گے۔" ربی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ وہ ایک شوخ

پر بیٹھ گیا۔

"رچی! تمہارا جو دل کرتا ہے، تم وہی کرو! لیکن اپنے والدین کو اعتماد میں لینے کے بعد۔"

"ماریا! تم کیا بننا چاہتی ہو؟"

"پتا نہیں، ابھی کچھ سوچا نہیں۔ شاید سسٹر کیتھرین کی طرح ایک شفیق استاد یا پھر نرس، مجھے لوگوں کی خدمت کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"میری والدہ بھی ایسی ہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ انسان تو وہ ہے جو اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے جیتا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا وہ یتیم اور غریب بچوں کے لیے ایک رفاہی ادارہ چلا رہی ہیں۔"

"ہاں! تمہاری مما کتنی نیک ہیں، خدا اُن سے بہت خوش ہوگا۔"

"تو کیا خدا میرے پاپا سے خوش نہیں ہوگا؟ ادارہ چلانے کے لیے تمام رقم میرے پاپا کی زرعی زمینوں سے ہی تو آتی ہے۔"

"خدا تو تمہارے پاپا سے بھی بہت خوش ہوگا لیکن مجھے یقین ہے، وہ تم سے ناراض ہوگا۔" ماریا کے چہرے پر رچی کے لیے فکر مندی کے تاثرات تھے۔

"کیوں؟ میں کون سا چوریاں کرتا ہوں۔" رچی مسکرا اٹھا۔

"چوری تو نہیں کرتے لیکن خدا کو یاد بھی تو نہیں کرتے نا!"

"وہ تم کرتی ہو نا! بس اپنے خدا سے میرے لیے بھی دعا مانگ لیا کرو!"

"وہ تو مانگتی ہی ہوں۔" ماریا بڑبڑائی۔

"تو کافی ہے نا!" رچی اٹھ کھڑا ہوا اور ماریا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

اگلے دن بائبل کے سبق سے فارغ ہونے کے بعد ماریا نے کیتھرین سے پوچھا۔

"میں آپ سے ایک بات کہوں؟"

"ہاں بولو!"

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ رچی مجھ میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

"اوہ! وہ تو تمہارا بچپن کا دوست ہے۔ لڑکا اور لڑکی کے درمیان بارہ تیرہ سال کی دوستی میں ایک موڑ ایسا ضرور آتا ہے جب کوئی ایک دوسرے کو دوست سے بڑھ کر سمجھنے لگتا ہے۔"

"اور یہ موڑ ہمارے رشتے میں آچکا ہے۔" ماریا نے بتایا۔

"تم خوش ہو؟" کیتھرین نے پوچھا۔

"پتا نہیں، میں نے کبھی ایسا سوچا نہیں۔" ماریا نے کندھے اچکا کر کہا۔

"کیا تم بھی اُسے دوست سے بڑھ کر سمجھتی ہو؟"

"پتا نہیں۔" ماریا نے نظریں چرائیں اور اپنی ایک کتاب کھول کر بلا مقصد اوراق پلٹنے لگی۔

"تم سولہ سال کی ہو چکی ہو، کچھ ماہ بعد سترہ سال کی ہو جاؤ گی، اب تمہیں اپنے فیصلے سوچ سمجھ کر کرنے ہوں گے۔ جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں ہونا چاہیے۔" کیتھرین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"جی میں سمجھتی ہوں۔"

"ایک اور بات، ہماری روایات کا پاس رکھنا، شادی سے پہلے کسی مرد کے زیادہ قریب جانا اچھا نہیں ہوتا۔"

"میں اپنی حدود سمجھتی ہوں۔"

"مجھے بھی تم سے یہی امید ہے۔" سسٹر کیتھرین نے ماریا کے کندھے پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

اس کے بعد وہ سبق دوہرانے لگیں اور پھر ماریا اپنے گھر چلی گئی۔

☆☆☆

جولیا کو گھر چھوڑ کر انسپکٹر کارل براؤن باہر سے ہی پولیس اسٹیشن چلا گیا۔ جب وہ اپنے دفتر پہنچا سارجنٹ بیکر اور سارجنٹ رونی بالکونی میں کھڑے سگریٹ اور کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اپنے سینئر کو دیکھتے ہی دونوں نے سگریٹ بجھا دیا اور کافی کا آخری گھونٹ بھرا۔

"سردی میں ٹیرس پر کھڑے ہو کر سگریٹ اور کافی — قاتل جوڑی۔" کارل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لیے کافی منگوا دوں؟" بیکر نے پوچھا تو کارل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرے کمرے میں بھجوا دینا اور تم دونوں ابھی تک اپنے گھر نہیں گئے؟"

"بس جانے ہی والے تھے، پھر سوچا کہ آپ سے ملاقات کرنے کے بعد ہی جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میرے کمرے میں آؤ۔" اس نے دونوں کو اشارہ کرتے ہوئے اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ مؤدبانہ انداز میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ بیکر نے آنکھ ہوائے کو کافی کے لیے اشارہ کیا اور بولا۔

"براؤن کے کمرے میں ایک کافی لے آؤ!"

"رابرٹ روزاریو کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں؟" اپنی نشست پر بیٹھنے کے بعد کارل نے پوچھا۔

"وہ اسپرنگ ڈیل میں کافی سالوں سے ہے لیکن پچھلے پانچ چھ ماہ سے زیادہ سرگرم ہے۔ نائٹ کلب اور کالجوں میں

ڈرگز فروخت کرتا ہے۔ یہ ڈرگز کہاں سے لاتا ہے، اس بارے میں ہم ابھی تک کچھ نہیں جانتے۔ دو دو فعہ پکڑا گیا ہے لیکن نہ تو اس کے پاس سے ڈرگز ملتی ہیں اور نہ ہی کوئی گواہ، اس لیے مجبوراً چھوڑنا پڑا۔" بیکر نے بتایا۔

"وہ کس کے لیے کام کرتا ہے؟ ڈرگز کہاں سے لاتا ہے؟"

"یہی تو ہم نہیں جانتے۔ اس کے قتل کی تفتیش کے لیے ہمیں اس کی ذاتی زندگی میں جھانکنا پڑے گا تو ہی کچھ سامنے آئے گا۔"

"اس کا موبائل ریکارڈ نکلواؤ، وہ ضرور اپنے ڈیلر سے فون پر رابطہ کرتا ہوگا۔" کارل نے بیکر کو ہدایت دی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"ہم سیاہ رنگ کی اسٹار یا وین تلاش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔" رونی بولا۔

"رونی! تم کنٹرول روم جا کر کل رات تین سے چار بجے کے درمیان کے سارے سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج نکلواؤ، وہ گاڑی کہیں نہ کہیں سے تو آئی ہوگی اور کہیں نہ کہیں تو گئی ہوگی۔ ایک بار اسٹار یا کا پتا چل جائے، قاتل تک بھی پہنچ جائیں گے۔" کارل پُرجوش انداز میں بولا۔ اسی وقت آفس بوائے کافی کا مگ لیے کمرے میں داخل ہوا اور کارل کی میز پر رکھ کر چلا گیا۔ کارل نے ایک گھونٹ بھرا تو بیکر بولا۔

"ہو سکتا ہے گاڑی چوری کی ہو۔"

"کیا اب تک کسی سیاہ رنگ کی اسٹار یا وین کی چوری کی رپورٹ درج ہوئی؟" کارل نے مگ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے پاس تو نہیں، شاید آس پاس کسی اور تھانے میں درج ہوئی ہو۔"

"بیکر! تم باقی تھانوں میں اسٹار یا کی تصویر بھجواؤ اور پتا کرو کہ کیا ایسی کسی گاڑی کی چوری کی رپورٹ درج ہوئی ہے؟" بیکر نے سر ہلا دیا اور کارل نے اگلا سوال پوچھا۔

"لاش کے پاس سے کچھ ملا؟"

"ایک سونے کا لاکٹ جس پر ٹی لکھا ہوا ہے۔" بیکر نے جواب دیا۔

"سونے کے لاکٹ پر ٹی..... لیکن رابرٹ روڈ ریو کا نام تو آر سے شروع ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے اس کی محبوبہ کا نام ٹی سے شروع ہوتا ہو۔" بیکر نے اندازہ لگایا۔

"یا شاید بچوں کا۔" رونی بولا۔

"یاد آیا، ہمیں دوبارہ اسی جگہ جانا ہوگا۔ گاڑی کے ٹائروں کے نشانات اٹھانے ہیں اور اس جگہ کو غور سے دیکھنا ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو ٹھیک طرح جائزہ نہیں لیا تھا۔" بیکر بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے، چلو اب تک شاید فرانزک والے کچھ بتا دیں۔" کارل اپنی کار میں اور وہ دونوں اپنی جیپ میں ریمنڈ روڈ پر پہنچے۔

"شکر ہے اب دھوپ نکل آئی ہے، کل رات تو شدید سردی تھی۔" رونی نے بیکر کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ بیکر نے اسے نظر انداز کیا اور کارل کی طرف دیکھ کر بولا۔

"براؤن! لاش یہاں تھی۔"

فرانزک ٹیم لاش کے اردگرد سفید چاک سے حاشیہ لگا چکے تھے۔

"یہاں سڑک پر موٹے ٹائروں کے نشان نظر تو آ رہے ہیں۔ یہ نشان اٹھاؤ اور فرانزک میں بھجوا دو!" کارل نے ایک کانسٹیبل سے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"فٹ پاتھ تو بالکل صاف ہے، کچھ نظر نہیں آ رہا۔" کارل نے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس وہ ایک لاکٹ ہی ملا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔"

"یعنی وین اس طرف سے آئی، یہاں آ کر رکی۔ اس میں سے کم از کم دو افراد باہر نکلے، انہوں نے لاش نکال کر پھینکی اور فوراً نکل گئے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک منٹ ٹھہرے ہوں گے۔ فٹ پاتھ پر جوتوں کے نشان بھی نظر آئیں گے وہ بھی اٹھا لو!"

"لیکن براؤن! جوتوں کے نشان سے کیسے پتا چلے گا۔ پولیس والے بھی لاش تک گئے اور کل بوا دن نہ جانے کتنے افراد یہاں سے گزرے ہوں گے۔" بیکر کو حیرت ہوئی۔

"پیدل چلنے والوں کے جوتوں کے نشان تو بہت سے راستے میں ہوں گے۔ پولیس والوں کے نشان بھی ارد گرد نظر آئیں گے لیکن جو صرف اسی جگہ نظر آئیں، وہ بہت کم ہوں گے اور وہی قاتل کے جوتوں کے نشان ہوں گے۔" کارل نے پُرجوش انداز میں کہا تو دونوں نے کارل براؤن کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔

جلد ہی انہیں ایسے دو نشان مل گئے۔ اس کے بعد بیکر اور رونی اپنے اپنے گھر چلے گئے، کانسٹیبل ٹائروں اور جوتوں کے نشان لے کر فرانزک لیب چلے گئے اور کارل اپنے گھر چلا گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو جولیا اسے دیکھتے ہی بولی۔ "ہیلن کا فون آیا تھا۔ نام کل رات سے غائب ہے۔"

"غائب..... کیسے؟"

"کل رات مائیک، رینا، ڈینی، ایوا اور نام مائیک کی سالگرہ منا رہے تھے۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے نام اپنے گھر

چلا گیا لیکن گھر نہیں پہنچا۔"

"ہاں! انہوں نے پارٹی کرنی تھی، اس بات کا تو مجھے پتا تھا۔ مائیک یا رینا کیا کہتے ہیں؟"

"وہ نشے میں دھت سو رہے ہیں۔ کل رات ان سب نے بہت ہلا گلا کیا اور شراب پی۔ کیلی کے گھر وہ دونوں سو رہے ہیں اور یہاں ہمارے بچے۔"

"اور پانچواں بچہ غائب ہے۔ یہ تو تشویش ناک بات ہے۔ ایک ہی رات میں قتل کی واردات اور ایک لڑکا غائب۔"

"وہ بھی ہمارے گھر کے آس پاس ہی۔ لاش کے بارے میں کیا پتا چلا؟" جولیا نے پوچھا۔

"کسی روزار یونامی آدمی کی لاش ہے۔ وہ ڈرگ ڈیلر تھا۔"

"پھر تو کسی مافیا والے نے دشمنی میں مار ڈالا ہوگا؟"

"ہاں شاید! لیکن مافیا والا کوئی سامنے بھی تو آئے نا! یہاں ایسے جرائم نہیں ہوتے۔" کارل نے بتایا اور صوفے پر بیٹھ کر ٹانگ اٹاری اور ایلن کا نمبر ملایا۔ سلسلہ ملتے ہی بولا۔

"ٹام کا موبائل نمبر دو! میں لاسٹ لوکیشن نکلواتا ہوں۔"

"نمبر واٹس ایپ کر رہا ہوں۔" ایلن نے جواب دیا۔

"کیا ٹام پہلے بھی رات بھر گھر سے باہر رہا ہے؟"

"نہیں، وہ زیادہ تر تمہارے یا جیک کے گھر ہی تو جاتا ہے۔ ہمیشہ بتا کر جاتا ہے اور وقت پر گھر واپس آجاتا ہے۔"

"پھر اب ایسا کیوں ہوا؟" کارل کو تشویش ہوئی۔

"پتا نہیں، اچھا! میں نے ابھی ابھی خبر سنی ہے، تمہارے گھر کے پاس لاش ملی ہے؟" ایلن نے جیسے تصدیق چاہی۔

"ہاں ایک ڈرگ ڈیلر کی لاش ہے۔ ہم اسی کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"کارل! کیا اس قتل اور ٹام کی گمشدگی کا آپس میں تعلق ہو سکتا ہے؟" ایلن نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔

"ایلن! کیا ہو گیا ہے تمہیں، ہمارے بچے ایسے نہیں ہیں۔ ہاں میں مانتا ہوں کہ جوان ہیں، کل رات شراب پیتے رہے لیکن کسی ڈرگ ڈیلر سے ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" کارل کو ایلن کی بات پر غصہ آنے لگا۔

"ہاں تمہاری بات درست ہے، میرے دماغ میں ویسے ہی خیال آگیا تھا۔ تم اپنے بچوں سے پوچھو نا! وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ ٹام کہاں گیا۔"

"ہاں! میں ابھی پوچھتا ہوں۔" کارل نے کال کاٹ دی۔

"کارل! مجھے خون کے دھبے ملے ہیں۔" جولیا کی بات سنتے ہی کارل ہکا بکا رہ گیا۔

"کہاں؟"

"اوپر لاؤنج میں۔ کل یہ لوگ وہیں تھے۔" جولیا نے بتایا تو کارل فوراً زینے کی طرف بھاگا۔ جولیا اس کے پیچھے چل دی۔

"یہ دیکھو، میز کے کنارے پر سرخ نشان ہے۔ مجھے خون ہی لگ رہا ہے۔" جولیا نے بتایا تو کارل غور سے دیکھنے لگا۔

"ہاں خون ہی ہے۔ تم دونوں کو اٹھاؤ!" کارل کو غصہ آنے لگا تھا۔ جولیا فوراً مائیک کے کمرے کی طرف بھاگی۔ دو منٹ بعد وہ آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ جولیا پھر رینا کے کمرے میں گئی اور اسے بھی اٹھا کر لے آئی۔

"ٹام کل یہاں سے کتنے بجے گیا تھا؟" کارل نے بلند آواز میں پوچھا تو دونوں سہم گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"تقریباً ساڑھے بارہ بجے یا شاید پونے ایک۔۔۔" مائیک نے بتایا۔

"اور ڈینی اور ایلیا کب گئے تھے؟"

"پونے تین بجے یا شاید تین بجے تک۔" رینا نے جواب دیا۔

"ٹام گھر نہیں پہنچا، اس کا موبائل بھی بند ہے۔" کارل نے بتایا تو وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"لیکن وہ تو بہت پہلے ہی چلا گیا تھا۔ اس کا ڈینی سے جھگڑا ہو گیا تھا، اس لیے ناراض ہو کر چلا گیا۔" مائیک نے بتایا۔

"جھگڑا۔۔۔ کس بات پر؟" جولیا نے پوچھا۔

ایسے ہی مذاق مذاق میں۔۔۔ کل شام پورا وقت ٹام ڈینی کو ستاتا رہا۔ پھر جب ہم نے کیک کاٹا تو ایک دوسرے کے چہرے پر کیک لگانے لگے۔ جب ڈینی، ٹام کے چہرے پر کیک لگا رہا تھا تو وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور نیچے گر گیا۔ ٹام کو لگا جیسے ڈینی نے اسے جان بوجھ کر دھکا دیا ہے۔ اس نے اٹھ کر ڈینی کو بھی دھکا دیا تو وہ گر گیا اور اس کا ماتھا اس میز کے کونے سے جا ٹکرایا۔" مائیک نے بتایا۔

"لیکن پاپا! اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی، میں نے پلاسٹر لگا دیا تھا۔" رینا نے بتایا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"بس پھر دونوں ایک دوسرے کو گالیاں بکنے لگے۔ ٹام نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی، وہ اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا اور پھر وہ مجھے بھی دھکا دیتا ہوا چلا گیا۔"

"اس کے بعد ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" رینا نے مائیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

"کیا وہ اپنا موبائل ساتھ لے کر گیا تھا؟" کارل نے پوچھا۔

"ہاں شاید، ہمیں تو اس کا موبائل نظر نہیں آیا۔"

"تم دونوں کچھ چھپا تو نہیں رہے نا؟" کارل نے ان دونوں کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور پھر رینا بولی۔

"ہم کیوں کچھ چھپائیں گے؟"

"میں سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھوں گا۔" کارل بولا۔

"کارل یہ کیا ہو رہا ہے، پہلے لاش اور اب یہ نام کی گمشدگی۔" جولیا نے سر پکڑ لیا۔

"لل..... لاش..... کس کی لاش؟" مائیک اور رینا کا چہرہ زرد پڑ گیا اور ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"جارج کے گھر کے سامنے کسی ڈرگ ڈیلر روزاریو کی لاش ملی ہے۔" کارل نے بتایا تو دونوں چلا اٹھے۔

"لل..... لاش..... روزاریو کی؟"

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" کارل کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"نن..... نہیں۔ ہم کیوں کسی ٹھگ کو جانیں گے۔"

"تو اس کا نام سن کر چونک کیوں اٹھے؟" کارل کو دال میں کچھ کالا لگا۔ مائیک گھبرا گیا لیکن پھر ہمت کرتے ہوئے بولا۔

"اسکول میں کسی سے سنا تھا کہ روزاریو نام کا آدمی کوکین وغیرہ فروخت کرتا ہے، وہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس کا عادی بنا رہا ہے۔ ہمیں اس سے بچنے کے لیے کہا گیا تھا۔"

"اوہ! ٹھیک ہے۔ اچھا ہوا مر گیا۔ ایسے لوگوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔" کارل مطمئن ہو گیا اور ان دونوں کی جان میں جان آئی۔

"میں ناشتا بناتی ہوں۔" جولیا کچن میں چلی گئی۔

"مجھے سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنی ہے۔" کارل نے کہا اور لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ایک کیمرا مین گیٹ پر تھا، دوسرا کیمرا لان میں، تیسرا کیمرا برآمدے میں اور چوتھا کیمرا گیراج کو فوکس بند کر رہا تھا۔ کیمروں کی فوٹیج ان کے بیان کی تائید کرتی تھی۔ بارہ بج کر پینتیس منٹ پر نام گھر سے باہر نکل گیا تھا اور صبح تک دوبارہ واپس نہیں آیا۔ ڈینی اور ایوا دو بج کر پچاس منٹ پر گھر سے نکلے تھے۔

"بچوں کی بات درست ہے، نام تو چلا گیا تھا۔" کارل نے جولیا کے قریب جا کر کہا۔ وہ انڈے فرائی کر رہی تھی۔

"تو پھر کہاں گیا؟" جولیا نے کارل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تلاش کرنا پڑے گا، اب میں اپنی خوب صورت بیوی کے سامنے اس کچن میں کھڑا ہو کر تو اس معمے کو حل نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر ناشتا تیار ہے۔ آپ ناشتا کریں اور نام کو تلاش کریں۔ ایلن بہت پریشان ہے۔ میری فون پر بات ہوئی ہے۔"

"پریشان تو ہو گی ہی، میں ایلن کو فون کرتا ہوں۔" کارل بولا اور ایلن کو فون کر کے تفصیل بتا دی۔ وہ مزید پریشان ہو گیا۔

ان چاروں نے مل کر ناشتا کیا اور پھر کارل پولیس اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

صبح کے دس بج رہے تھے۔ آج دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ جیک، ایلن کے گھر کے ٹیرس پر موجود تھا اور وہ دونوں سردیوں کی دھوپ سے محظوظ ہو رہے تھے۔ ایلن، نام کی گمشدگی کی وجہ سے کافی پریشان نظر آ رہا تھا اور جیک اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یار ایلن! ایسے پریشان نہ ہو، اس عمر میں بچے اکثر ایسی حرکات کرتے ہیں۔ والدین کو بتائے بغیر دوستوں کے ساتھ گھومنے چلے جانا، ایڈونچر کے لیے اچانک غائب ہو جانا یا پھر اپنی کوئی بات منوانے کے لیے والدین پر دباؤ ڈالنے کی خاطر خود ہی روپوش ہو جانا۔"

"نام کے دوست تو یہیں ہیں اور وہ ایسے تھرڈ کلاس ایڈونچر نہیں کرتا۔ ہاں! تمہاری تیسری بات درست لگتی ہے۔" ایلن نے بتایا۔

"تو گویا وہ تم پر دباؤ ڈالنا چاہ رہا ہے؟"

"ہاں شاید! دیکھو تم جانتے ہو، میرے والد زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ وہ چھوٹی عمر میں ہی دادا جان کی چھوٹی سی دوکان سنبھالنے لگے تھے۔ میں بھی اسکول کے بعد پاپا کا ہاتھ بٹانے لگا اور زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔ ہم دونوں باپ بیٹا نے خوب محنت کی اور آج ترقی کرتے کرتے ہم اسپرنگ ووڈ کے سب سے بڑے گروسری اسٹور کے مالک ہیں۔" ایلن نے بتایا۔

"ہاں! یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ نام اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور ڈاکٹر بنے اور اگر ڈاکٹر نہیں بن سکتا تو کم از کم اپنا اسٹور سنبھالے لیکن..... لیکن نہ تو وہ پڑھائی کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی اسٹور میں کام کرنا چاہتا ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ کہتا ہے کہ پڑھائی میں وہ اتنا تیز نہیں کہ ڈاکٹر بن سکے اور اسے اسٹور میں بیٹھ کر انڈے، بریڈ، مکھن اور جام بیچنے کا کوئی شوق نہیں۔" ایلن کی بات سن کر جیک مسکرایا اور بولا۔

"سولہ سترہ سال کی عمر میں کسے انڈے، بریڈ بیچنے کا شوق ہوتا ہے؟"

"میں پندرہ سال کی عمر سے پاپا کے ساتھ کام کر رہا تھا۔"

"وہ بیس پچیس سال پرانا وقت تھا۔ اُس وقت ہمارے پاس تفریح کے نام پر کچھ خاص نہیں ہوتا تھا۔"

"ہاں! آج کے بچے اپنی ہی ایک نئی دنیا بسائے بیٹھے ہیں۔ نام کو گلوکاری کا شوق ہے، کہتا ہے سنگر بنوں گا۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا کہ پہلے پڑھائی پر توجہ دو، پھر جو مرضی کرنا لیکن وہ میری سنتا ہی کہاں ہے۔ خود کو مائیکل جیکسن سمجھنے لگا ہے۔" آخری جملہ ایلن نے منہ بنا کر کہا۔

"تو شاید اسی لیے وہ کہیں چلا گیا۔ دیکھ لینا دو چار دن کے بعد آجائے گا۔"

"خدا کرے، ایسا ہی ہو۔"

"ایلن! ہم انسانوں کی زندگی بہت ہی غیر یقینی ہوتی ہے۔ بظاہر کچھ نظر آتے ہیں لیکن ہمارے دل میں کیا چل رہا ہوتا ہے، یہ صرف ہم ہی جانتے ہیں۔"

"ہاں! تمہاری بات درست ہے۔"

"اب دیکھو! کل ہمیں پتا چلا کہ پاپا مرنے سے دس دن پہلے نیوزی لینڈ گئے تھے۔" اس کے بعد جیک نے گوکل ارتھ والی بات بتادی۔

"شاید کسی کام سے چلے گئے ہوں۔ تم نے ڈارون میں موجود اپنے منیجر سے بات کی؟"

"فی الحال تو نہیں لیکن میں اس سے ضرور پوچھوں گا۔" جیک نے جواب دیا۔

"کتنی عجیب بات ہے نا، تمہیں اپنے مرحوم والد کے بارے میں جاننا ہے کہ وہ نیوزی لینڈ کیوں گئے اور مجھے یہ جاننا ہے کہ میرا بیٹا کل رات کہاں چلا گیا۔"

"ایک بات بتاؤ! نام کے پاس کتنے پیسے ہوں گے؟" جیک نے ایک خیال آنے پر پوچھا۔

"پتا نہیں، میں ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں ہزار ڈالرز جمع کروا دیتا ہوں اور وہ دوبارہ پیسے نہیں مانگتا۔"

"اگر وہ خود کہیں گیا ہے تو ضرور اسے پیسوں کی ضرورت ہوگی، اس نے ہوٹل کا بل ادا کیا ہوگا یا پھر بس یا ٹرین میں سفر کرنے کے لیے ٹکٹ خریدا ہوگا۔ اس کی بینک اسٹیٹمنٹ دیکھنی چاہیے۔" جیک کی بات سن کر ایلن سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"ہاں! تمہاری بات درست ہے لیکن مجھے اس کے لیپ ٹاپ اور اکاؤنٹ کا پاس ورڈ نہیں پتا۔"

"تمہارے سامنے اتنا بڑا سائبر سیکیورٹی انجینئر کھڑا ہے اور تم 'پاسورڈ نہیں پتا' جیسی فضول باتیں کر رہے ہو، اس کا لیپ ٹاپ لے کر آؤ!" جیک مسکرا دیا تو ایلن سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اسی کے کمرے میں چلتے ہیں۔"

وہ دونوں نام کے کمرے میں گئے۔ اس کے کمرے کی حالت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کسی بے پروا ٹین ایجر کی ہونی چاہیے۔ کتابیں اور کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ ایک کونے میں گٹار پڑا ہوا تھا، دوسرے کونے میں پیانو۔ نام کا لیپ ٹاپ میز پر موجود تھا۔ جیک کرسی پر بیٹھا اور لیپ ٹاپ آن کر کے کی بورڈ کے بٹن دبانے لگا۔

"ایلن! اگر نام کا لیپ ٹاپ یہاں موجود ہے تو یہ تشویش والی بات ہے کیونکہ اگر وہ اپنی مرضی سے کچھ دن کے لیے غائب ہوتا ہے تو لیپ ٹاپ ساتھ ضرور لے کر جاتا۔"

"وہ لیپ ٹاپ اتنا استعمال نہیں کرتا ہے۔ شاید اسی لیے ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔"

"ہیلن کو بلانا ذرا!" جیک اچانک بولا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"بلاؤ تو سہی۔" جیک نے زور دیتے ہوئے کہا تو ایلن اٹھ کر چلا گیا۔ ایک منٹ بعد ہیلن کمرے میں داخل ہوئی تو اسے دیکھ کر جیک بولا۔

"نام کل رات سے لاپتا ہے، اس کا نمبر بند ہے۔ بچوں کے بیان کے مطابق وہ ساڑھے بارہ بجے کارل کے گھر سے چلا گیا تھا۔ دس گھنٹے گزر چکے ہیں، اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے، موبائل بھی بند ہے۔ ہم اس خیال کے تحت کام کر رہے ہیں کہ نام خود ہی کہیں چلا گیا۔ اگر وہ خود ہی کہیں گیا ہے تو شاید اپنے کپڑے یا ضروری چیزیں ساتھ لے جائے گا۔ ہیلن! تم اس کی الماری دیکھو ذرا!"

ہیلن، نام کی الماری کی طرف بڑھی اور جیک لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہیلن بولی۔

"اس کے تمام کپڑے، جیکٹ، جوتے وغیرہ تو یہیں ہیں۔ موبائل چارجر بھی یہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پلاننگ کے تحت غائب نہیں ہوا، ضرور اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔" جیک بولا تو ایلن اور ہیلن پریشان ہو گئے۔

"کیا ہمیں اسپتالوں میں دیکھنا چاہیے؟" ایلن نے ہمت کرتے ہوئے پوچھا۔

"کارل کو بتا دیا ہے نا! وہ ضرور نام کی تلاش میں ہو گا۔" جیک نے جواب دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایلن کو مخاطب کیا۔

"کیم جون کو تم نے نام کے اکاؤنٹ میں ایک ہزار

ڈالرز ٹرانسفر کیے تھے۔ آج بائیس جون ہے، پرسوں تک اس کے اکاؤنٹ میں چھ سو ڈالرز تھے، پھر کل شام اس نے اے ٹی ایم سے پانچ سو ڈالر کیش نکلوایا۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سو ڈالرز ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ پانچ سو ڈالرز کس کے لیے نکلوائے گئے؟" جیک نے ایلن کی طرف دیکھ کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شاید مائیک کے لیے کوئی تحفہ خریدنا ہو، آج اس کی سالگرہ ہے، کل رات سالگرہ کی پارٹی ہی تو تھی۔" ایلن نے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔ مائیک سے پوچھنا پڑے گا کہ اسے کیا تحفہ ملا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی اور کام کے لیے نکلوائے ہوں۔ کچھ خریدنے کے لیے یا پھر کہیں گھومنے پھرنے کے لیے۔ ان کے امتحانات ختم ہو گئے ہیں، ایسے میں اکثر طلبا گھومنے پھرنے جاتے ہیں۔" ایلن نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں! یہ بھی ممکن ہے۔" جیک نے اس کی تائید کی۔

"جیک! میرا بیٹا خیریت سے تو ہوگا نا! مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔" ایلن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ایلن! تم پریشان نہ ہو، چھ سو ڈالرز اچھی خاصی رقم ہوتی ہے۔ تام تین چار دن آرام سے گزار سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بس تم لوگوں کو تنگ کرنے کے لیے کچھ دن کے لیے غائب ہو گیا ہے تاکہ اپنی بات منوا سکے اور تم اسے میڈیکل کالج میں نہ بھیجو!"

"کاش! ایسا ہی ہو اور دو تین دن میں وہ واپس آ جائے۔" ایلن نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" جیک نے ان سے اجازت لی اور گھر چلا گیا۔

گھر جا کر اس نے ڈارون میں ان کے مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے والے افریقی تھوبانی کو فون ملایا۔

"ہیلو تھوبانی! مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" جیک نے کال ملتے ہی کہا۔

"یس مسٹر فرگوسن! کیا بات ہے؟"

"پچھلے سال اپریل کے آخری ہفتے میں پاپا ڈارون آئے تھے اور تقریباً ایک ہفتہ رہے تھے۔ ان کے واپس آنے کے ایک ہفتے بعد ہی ان کی موت ہو گئی تھی۔ تمہیں یاد ہے نا!"

"جی مسٹر فرگوسن! مجھے سب یاد ہے، یہ بات بھولنے والی نہیں۔"

"پاپا پچیس اپریل کو ڈارون گئے تھے اور تیس اپریل کو واپس آئے تھے۔ ایک بات بتاؤ، کیا ان پانچ دنوں میں پاپا تمہارے ساتھ ڈارون ہی رہے یا کہیں گئے تھے؟"

"وہ تین دن کے لیے کہیں گئے تھے۔ میں نے پوچھا تو جواب نہیں دیا اور بولے کہ کسی سے ذکر مت کرنا۔"

"کہاں گئے تھے؟"

"نہیں پتا لیکن جب واپس آئے تھے تو کافی پریشان تھے۔"

"کچھ بتایا کہ کیوں پریشان ہیں؟"

"نہیں کچھ خاص نہیں لیکن ایک بات یاد آ رہی ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ انسان ہر چیز سے پیچھا چھڑا سکتا ہے لیکن اپنے ماضی سے نہیں۔" تھوبانی نے بتایا۔

"ماضی....."

"ہاں! وہ کہہ رہے تھے کہ ماضی کہنے کو پرانا وقت ہے لیکن وہ موجودہ وقت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور کبھی بھی فنا نہیں ہوتا، ایک نہ ایک دن ماضی کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے ماضی کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔"

"اتنی گہری باتیں....." جیک چونک اٹھا۔ عموماً چرواہے ایسی گہری فلسفیانہ باتیں نہیں کرتا تھا۔

"ہاں! ان کے الفاظ کچھ ایسے ہی تھے۔"

"اس کے علاوہ کچھ اور یاد ہے؟"

"خاص نہیں۔" تھوبانی بولا۔

"پھر جب انہیں قتل کیا گیا تو تم نے یہ بات کیوں نہیں بتائی؟" جیک نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تو انہوں نے منع کیا تھا اور دوسرا میں بلاوجہ پولیس کے چکروں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مسٹر فرگوسن! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے لیکن میں کیا کرتا؟" تھوبانی کی آواز بھرا گئی۔

"خیر..... جو ہونا تھا، ہو چکا، اگر تمہیں کوئی اور بات یاد آئے تو مجھے ضرور بتانا۔" جیک نے فون رکھ دیا۔ اسی وقت کیلی وہاں آ گئی۔ جیک نے اسے تھوبانی سے کی گئی گفتگو بتا دی۔

"کیلی! پاپا کے ماضی میں ایسا کیا تھا کہ انہوں نے اپنی اولاد سے چھپا کر رکھا۔"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" کیلی نے کندھے اچکا کر کہا۔

"کیا مجھے انکل جوزف سے بات کرنی چاہیے؟" جیک نے کیلی سے پوچھا تو وہ بولی۔

"میں نے کل بات کی تھی، وہ بھی نہیں جانتے کہ پاپا نیوزی لینڈ کیوں گئے تھے۔" کیلی نے نظر چراتے ہوئے کہا۔ اپنے شوہر سے جھوٹ بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے، اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔

11:10

"تمہیں یقین ہے کہ انکل جوزف کچھ نہیں جانتے؟" جیک نے کیلی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ کچھ دیر وہ جیک کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور اسے جوزف کی بات یاد آئی۔

"سچائی سامنے آگئی تو یہ جیک کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"کیلی! کیا سوچ رہی ہو؟" جیک نے اسے جھنجوڑا تو اسے ہوش آیا اور بولی۔

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ انکل جوزف اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ ہم سے جھوٹ کیوں بولیں گے؟"

"ہاں! وہ ہم سے جھوٹ کیوں بولیں گے۔ مجھے کسی اور طریقے سے اس راز سے پردہ اٹھانا ہوگا۔" جیک بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"جیک! تم نہیں جانتے، اگر اس راز سے پردہ اٹھ گیا تو حقیقت بہت بھیانک ہوگی۔" کیلی بڑبڑائی۔

☆☆☆

ماریا اور رچی سترہ سال کے ہو چکے تھے اور دونوں اسکول پاس کر چکے تھے۔ ماریا نے اب رچی سے ملنا کم کر دیا تھا۔ رچی نے وجہ پوچھی تو ماریا بولی۔

"اب ہم بڑے ہو گئے ہیں، ہمیں اپنے کیریئر کی طرف توجہ دینی چاہیے۔"

"وہ تو دے ہی رہے ہیں۔ میں چائلڈ ایجوکیشن میں داخلہ لے رہا ہوں۔ فٹ بال بھی کھیل رہا ہوں اور پاپا کی زمینیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اب اور کیا کروں؟"

"ہاں! لیکن میری ترجیحات کچھ اور ہیں۔"

"کیا ہیں تمہاری ترجیحات؟"

"مجھے ان چیزوں سے زیادہ خدا سے دل لگانے میں دلچسپی ہے۔"

"وہ تو تم پچھلے بارہ سال سے لگا رہی ہو۔ اس میں نیا کیا ہے؟" رچی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ میں نئے آنے والے بچوں کو تعلیم دوں، انہیں خدا کی بڑائی کے بارے میں بتاؤں، انہیں خدا سے جوڑوں۔"

"ہاں تو میری طرح تم بھی چائلڈ ایجوکیشن میں داخلہ لے لو، اسکول کی طرح ہم کالج بھی ایک ساتھ جائیں گے اور پھر....." رچی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اور پھر کیا؟" ماریا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ رچی کیا کہنے والا ہے، وہ پچھلے دو سال سے جانتی تھی کہ رچی ایک نہ ایک دن اس سے ایسی بات ضرور کہے گا۔

"اس کے بعد..... کہنا ضروری ہے کیا؟ تم میرے دل کی کیفیت نہیں جانتیں کیا؟" رچی نے ماریا کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ گھبرا گئی۔

"رچی! ہم دونوں ایک دوسرے کے دل کی کیفیت تو جانتے ہیں لیکن....."

"لیکن کیا ماریا؟"

"م..... میں شادی نہیں کر سکتی۔" ماریا نے نظریں چرا کر کہا۔

"کک..... کیوں؟" رچی کو حیرت ہوئی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ دل کی کیفیت بیان نہیں کی جاتی، محسوس کی جاتی ہے۔

"م..... میں سسٹر کیتھرین کی طرح نن بننا چاہتی ہوں اور نن یا بشپ شادی نہیں کیا کرتے۔"

"کک..... کیوں؟" رچی اتنا تو جانتا تھا کہ ماریا کو خدا سے خاص لگاؤ ہے لیکن اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ماریا نن بھی بن سکتی ہے۔

"اس کیوں کا کیا جواب دوں؟ پوری دنیا میں ہر سال عیسائی اور کیتھولک خواتین نن بنتی ہیں۔"

"ہاں بنتی ہیں لیکن تم کیوں؟" رچی یہ بات سن کر پریشان ہو گیا تھا۔

"تو میں کیوں نہیں؟ کیا مجھے خدا سے محبت نہیں ہے یا مجھ میں نن بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔" ماریا نے بہت پیار سے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت رچی کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن نن شادی نہیں کرتیں، رنگین لباس نہیں پہنتیں۔ اپنی فیملی سے زیادہ نہیں ملتیں۔ ان کی زندگی بہت سادہ ہوتی ہے۔"

"مجھے سادگی پسند ہے۔"

"دیکھو ماریا! مجھے تمہارے فیصلے پر اعتراض نہیں ہے لیکن میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ماریا! تم جانتی ہو نا! میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔" رچی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا نے اپنے بیگ سے رومال نکالا اور رچی کے آنسو صاف کیے۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

"اگر تمہارے گھر والے نہیں مانے تو؟" اچانک رچی کو خیال آیا اور پوچھ بیٹھا۔

"وہ جانتے ہیں، دونوں بہت خوش ہیں بلکہ پاپا تو خود یہی چاہتے ہیں۔"

"تو پتا فیصلہ نہیں بدلو گی۔" رچی نے التجائی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، ماریا نے نظریں پھیر لیں اور بولی۔
"نہیں! میں سسٹر کیتھرین کو بھی بتا چکی ہوں۔"

☆☆☆

ماریا، سسٹر کیتھرین کے کمرے میں بیٹھی بائبل کا سبق پڑھ رہی تھی۔ اچانک اس نے بائبل بند کر دی۔
"سسٹر! آپ ہم سب کے بارے میں جانتی ہیں، ہمارے والدین سے بھی ملتی ہیں لیکن ہم آپ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔"
"میرے بارے میں جان کر کیا کرو گی؟ تم سب کے سامنے ہوں، میرے دن رات اسی چرچ اور اسکول میں گزرتے ہیں۔ میں تو ایک کھلی کتاب ہوں۔" کیتھرین مسکرا دی۔
"ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کہاں کی رہنے والی ہیں، اس چرچ میں آنے سے پہلے کہاں تھیں، آپ کے والدین کہاں ہیں اور نن کیوں بنیں؟"
"ارے باپ رے! اتنے سارے سوال؟" کیتھرین مسکرا دی۔
"سوال زیادہ تو ہیں لیکن مشکل نہیں۔"
"میں نیو کاسل میں پیدا ہوئی تھی، وہیں تعلیم حاصل کی، پھر نن بننے کا خیال آیا تو یہاں آ گئی۔ سڈنی بڑا شہر ہے نا! بس اس لیے..... اب آپ سب کے سامنے ہوں۔" اس نے بتایا۔
"آپ کے والدین کیا کرتے ہیں؟"
"پاپا گاڑیوں کی مرمت کرتے ہیں، مما ہاؤس وائف ہیں۔"
"انہیں کبھی یہاں دیکھا نہیں۔"
"سال میں ایک آدھ بار میں نیو کاسل چلی جاتی ہوں۔ دو تین دن رہ کر واپس آ جاتی ہوں۔ اب تو یہاں بارہ سال سے زائد وقت ہو گیا۔ جب تم پہلی بار چرچ آئی تھیں نا! تب میرا بھی یہاں پہلا سال تھا۔"
"تو آپ وہیں کسی اسکول میں نوکری کیوں نہیں کر لیتیں؟ اپنے والدین سے اکثر ملتی رہتیں۔"
"ماریا! تم جانتی ہو نا! نن بننے کا مقصد خود کو خدا تعالیٰ کی ذات کے لیے مختص کر دینا ہے۔ پھر یہ دنیا کی رنگینیاں اور رشتے داریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔"
"ہاں! جانتی ہوں، کل شام یہی بات میں نے رچی سے بھی کہی تھی۔"
"پھر اس نے کیا کہا؟"
"رونے لگا۔ اُسے میں نے پہلی بار اس حالت میں دیکھا۔"
"تم اس سے محبت کرتی ہو کیا؟" کیتھرین نے ماریا کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"ہاں! لیکن خدا سے زیادہ نہیں۔"
"خدا سے زیادہ محبت کا حق دار تو کوئی بھی نہیں ہے۔"
"سسٹر! میں چاہتی ہوں کہ رچی میرا دوست رہے۔ وہ اپنی زندگی گزارے اور میں اپنی زندگی گزاروں۔ ہمارے درمیان ایک اچھی دوستی کا رشتہ رہے۔"
"نن بن کر کسی مرد سے دوستی....." کیتھرین نے آنکھیں دکھائیں تو ماریا شرما گئی۔
"صرف دوستوں والی دوستی....."
"چار ماہ بعد تم اٹھارہ سال کی ہو جاؤ گی، تب ہی باقاعدہ نن بن سکتی ہو۔ ابھی تو والدین اور دوستوں کو وقت دو!" سسٹر کیتھرین نے بتایا۔
"وہ تو دیتی ہی ہوں۔ ابھی گھر جا کر پاپا کے ساتھ گردسری کرنے جاؤں گی، پھر شام کو رچی کے ساتھ چہل قدمی کروں گی اور رات کو ڈنر کے برتن دھونے میں مما کی مدد کروں گی۔" ماریا نے چہکتے ہوئے کہا۔
"خدا تمہیں ہمیشہ ایسے ہی خوش رکھے، آمین!"
"اور آپ کو بھی۔" سترہ سالہ ماریا اپنی بتیس سالہ استاد کے گلے لگ گئی۔

اس کے بعد کئی بار رچی نے ماریا سے بات کی، اظہارِ محبت بھی کیا لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ ماریا اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی اور وہ دریا کے دو الگ الگ کنارے ہیں۔ وہ ایک ساتھ چل تو سکتے ہیں لیکن مل نہیں سکتے۔

جب ماریا اٹھارہ سال کی ہوئی تو وہ باقاعدہ نن بن گئی اور رچی اپنی پڑھائی اور والد کے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ ہاں! ماریا کے نن بننے کا ایک اثر ضرور ہوا، اب رچی بھی ہر اتوار چرچ جانے لگا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ انسپکٹر کارل براؤن کے کمرے میں سارجنٹ راجر بیکر اور سارجنٹ ایڈم رونی بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے میز پر رابرٹ روزاریو کی آٹوپسی رپورٹ اور کال ریکارڈ پڑے ہوئے تھے۔ وہ تینوں ابھی ابھی روزاریو کے فلیٹ کی تلاشی لے کر آئے تھے۔
"براؤن! فلیٹ کی تلاشی لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، وہاں کچھ ملا ہی نہیں۔" بیکر بولا۔
"تلاشی لینے کا فائدہ اس لیے نہیں ہوا کہ پہلے ہی کوئی یہ کام کر چکا تھا۔ ہمیں نہ تو روزاریو کا لیپ ٹاپ ملا اور نہ ہی لاش کے پاس موبائل۔ ایسا لگتا ہے جس کسی نے اسے مارا، وہ

پہلے ہی تلاشی لے چکا تھا اور اپنے کام کی چیز اٹھا چکا تھا۔"

"دیکھتے ہیں، آٹوپسی رپورٹ کیا کہتی ہے؟" کارل بڑبڑایا اور رپورٹ اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"موت رات ڈھائی بجے کے قریب ہوئی۔ قتل سینے میں اعشاریہ پینتالیس بور کے پستول سے دو گولیاں مار کر کیا گیا اور مارنے سے پہلے کافی تشدد کیا گیا۔ خون میں کوکین ملی ہے۔"

"منشیات فروخت کرنے والے کے خون سے کوکین نہیں ملے گی تو کیا شہد ملے گا؟" بیکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات مجھے کھٹک رہی ہے۔" کارل نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"وہ کیا؟"

"پچھلے سال رچرڈ فرگوسن کو بھی شاید اعشاریہ پینتالیس بور کے پستول سے ہی قتل کیا گیا تھا۔" کارل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاید، اس کی آٹوپسی رپورٹ دیکھنی پڑے گی۔" بیکر نے تائید کی۔

"رونی! تم ڈاکٹر رومانو سے کہہ کر فرگوسن کی آٹوپسی رپورٹ نکلواؤ!"

"ٹھیک ہے۔" رونی نے سر ہلا دیا اور کمرے سے باہر نکل کر ڈاکٹر رومانو کو فون ملانے لگا۔

"اب کال ریکارڈ دیکھتے ہیں۔" رونی کے جانے کے بعد کارل نے موبائل ریکارڈ اٹھا لیا اور پھر ایک نمبر دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔ یہ بات بیکر نے بھی محسوس کی لیکن اظہار نہیں کیا۔

"تم دونوں کال ریکارڈ دیکھ چکے ہو نا؟"

"ہاں! ہمیں کچھ خاص محسوس نہیں ہوا۔ روزاریو بہت کم فون استعمال کرتا تھا۔ ایک دن میں شاید ہی اسے کوئی کال آتی ہو۔"

"ہو سکتا ہے، اس کے پاس دوسرا نمبر بھی ہو۔"

"ہمارے ریکارڈ میں اس کا یہی ایک نمبر ہے۔ اب اس کا موبائل تو ہمیں ملا نہیں کہ چیک کر سکتے۔"

"اس کے آئی ڈی کارڈ سے پتا چلایا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی اور سم ہے یا نہیں۔" بیکر نے رائے دی تو کارل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اگر سم اس کے اپنے نام پر ہو تو..... عموماً ایسے لوگ اپنے نام پر رجسٹرڈ سم غیر قانونی کاموں کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ اسٹار یا وین کا کچھ پتا چلا؟"

"ابھی تک نہیں۔ ہم نے آس پاس کے کئی کیمرے چیک کیے لیکن اسٹار یا غائب ہو گئی۔"

"وہ کار ہے یا اڑن طشتری جو اڑ گئی اور فضا میں غائب ہو گئی۔" کارل مسکرایا تو بیکر نے بھی قہقہہ لگایا۔

"جو بھی ہے، غائب ہے۔"

"تو پھر ریسنڈرو روڈ کے ہر گیراج کو چیک کرو۔"

اسی وقت رونی کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ "ڈاکٹر رومانو نے تصدیق کر دی ہے، رچرڈ فرگوسن کو بھی اعشاریہ پینتالیس بور کے پستول سے ہی قتل کیا گیا تھا۔"

"رومانو سے کہو کہ دونوں گولیوں کا بالسٹک ٹیسٹ (Ballistic Test) کروائے۔ ہو سکتا ہے دونوں گولیاں ایک ہی پستول سے چلی ہوں۔" کارل نے رونی سے کہا تو اس نے سر ہلایا اور رومانو کو ہدایت دینے لگا۔

"براؤن! تمہیں کیا لگتا ہے، روزاریو اور فرگوسن کے قتل میں کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟"

"بظاہر تو ایسا نہیں لگتا لیکن اگر دونوں کو ایک ہی پستول سے قتل کیا گیا ہے تو یہ تشویش والی بات ہو گی۔"

"ہاں! یہی میں سوچ رہا ہوں۔ رچرڈ فرگوسن اور رابرٹ روزاریو میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فرگوسن جیسا شفیق انسان پورے شہر میں اور کوئی نہیں اور دوسری طرف یہ شرابی، جواری، ڈرگ ڈیلر رابرٹ روزاریو۔" بیکر نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

"لیکن بیکر! تمہاری تفتیش کے مطابق تو فرگوسن غلطی سے مارا گیا، قاتل کسی اور کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔" کارل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں شاید ایسا ہی ہوا تھا۔"

"ڈاکٹر رومانو کو ہدایات دے دی گئی ہیں۔ کل صبح تک رپورٹ مل جائے گی۔" رونی نے بتایا۔

"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" بیکر نے پوچھا۔

"تم میں سے ایک آدمی اسٹار یا تلاش کرے اور دوسرا یہ پتا لگوائے کہ روزاریو آج کل کس کس سے مل رہا تھا اور کیا خاص کام کر رہا تھا۔ روزاریو کو ہم صرف چھ ماہ سے ہی جانتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ کہاں تھا، کیا کرتا تھا، کہاں رہتا تھا، یہ تمام تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔" کارل نے بتایا۔

"ہم جانتے ہیں کہ وہ اکیلا ہی یہ کام کرتا تھا۔ وہ کسی سے ڈرگز لیتا اور اسکول کالج کے علاوہ اور کس کس کو فروخت کرتا، یہ ہم آج تک نہیں جان پائے۔"

"اسکول کالج کا کوئی بھی طالب علم اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوا، بلکہ کوئی مانتا ہی نہیں کہ وہ منشیات استعمال کرتا ہے۔"

"براؤن! ایسی بات بھلا کبھی کوئی قبول کرے گا کیا؟"

"بیکر! اگر ابھی بھی ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو یقیناً چرڈ فرگوسن کی طرح اس بار بھی یہی کہنا پڑے گا کہ قاتل غلطی سے روزاریو کو مار گیا۔" کارل نے طنز کا تیر چلاتے ہوئے بیکر کی طرف دیکھا۔

"اب ہر بار غلطی نہیں ہوتی۔" بیکر آنکھیں جھکا کر بولا۔

"اس بار ہونی بھی نہیں چاہیے۔" کارل نے غصے کا اظہار کیا تو وہ دونوں خاموش رہے۔

"اور نام کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟" کارل نے اگلا سوال پوچھا۔

"اس کا کال ریکارڈ بھی نکلوایا ہے۔ اس کی لاسٹ لوکیشن آپ کے گھر کے آس پاس ہی ہے۔ ساڑھے تین بجے اس کا نمبر بند ہو گیا تھا۔ یہ دوسرے لفافے میں نام کا موبائل ریکارڈ ہے۔" بیکر نے ایک دوسرے لفافے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں چلے گئے اور بالکونی میں جا کر سگریٹ سلگا لیے۔ ان کے جانے کے بعد کارل نے فوراً روزاریو کا کال ریکارڈ نکالا اور ایک نمبر کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اپنی تسلی کے لیے اس نے اپنے موبائل میں وہ نمبر ڈائل کیا اور نتیجہ اس کی امید کے مطابق تھا۔

"اُف! اب روزاریو اور یہ رابطے میں کیوں تھے؟" اس نے غصے سے میز پر ایک زوردار مُکا مارتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے نام کا کال ریکارڈ نکالا اور اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

"اوہ میرے خدایا! یہ لڑکے کیا کر رہے ہیں؟" کارل نے اپنا سر پکڑ لیا۔

☆☆☆

ماریو، روزاریو کا لیپ ٹاپ لیے ایک کمپیوٹر ہیکر فرینک کے پاس بیٹھا تھا۔ فرینک نے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ تو کھول دیا تھا لیکن اندر خالی فولڈرز دیکھ کر وہ مایوس ہو گیا۔

"نہیں بھئی! کوئی ایسی فائل نہیں ہے جو تمہارے کام کی ہو۔" فرینک نے نفی میں سر ہلایا اور "لانگ بیچ" کا پیکٹ اٹھا کر ایک سگریٹ سلگا لیا۔ ماریو نے بھی پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور پھر ایک لمبا کش لینے کے بعد بولا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ شاید فائلیں ہڈن ہوں۔"

"کچھ بھی ہڈن نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ یہ لیپ ٹاپ صرف فلمیں دیکھنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ ہارڈ ڈسک میں اس کی چند تصویروں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"ان تصویروں کا میں کیا کروں گا، ایسی تصویریں آج کل دن میں دس بار فیس بک، انسٹاگرام وغیرہ پر اَپ لوڈ کی جاتی ہیں۔" ماریو نے منہ بنا کر کہا۔

"ایک کام ہو سکتا ہے۔ یہ اسکائپ استعمال کرتا تھا۔ اس کی چیٹ ہسٹری نکالی جا سکتی ہے۔"

"آج کل بھی اسکائپ پر چیٹ ہوتی ہے؟ لوگ تو واٹس ایپ پر میسج کرتے ہیں۔"

"واٹس ایپ کا نمبر ٹریک کرنا ایک منٹ کا کام ہے۔ اسکائپ پر آپ کوئی بھی آئی ڈی بنا سکتے ہیں۔ اس لیے کئی لوگ اپنی شناخت چھپانے کے لیے اسکائپ اور اس جیسی ایپلی کیشنز استعمال کرتے ہیں۔" فرینک نے بتایا اور دھواں اُڑانے لگا۔ اس کے ہاتھ کی بورڈ پر چلنے لگے اور کچھ دیر بعد وہ بولا۔

"روزاریو اس بندے سے چیٹ کرتا تھا۔ تمام معلومات اسی کو پہنچائی جاتی تھیں۔ یہ میسج پڑھو۔ 'بورس کی ویڈیو کی حفاظت کرنا، وہ مجھ تک پہنچ سکتا ہے لیکن تم تک نہیں۔'"

"اوہ! یہی تو مجھے چاہیے تھا۔" ماریو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟"

"روزاریو، بورس کو بلیک میل کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ بورس یہ ویڈیو حاصل کرتا، روزاریو مارا گیا۔ اب وہ پریشان ہے کہ ویڈیو کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسپرنگ وُڈ میں کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔" ماریو نے بتایا اور جیکٹ کی جیب سے چیونگم نکال کر چبانے لگا۔

"بلیک میل کیوں کر رہا تھا؟" فرینک نے پوچھا۔

"فرینک! تم بھی کمال کرتے ہو اگر تمہیں بتا دیا تو کیا پتا تم بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا چاہو اور خود اسے بلیک میل کرنے لگو۔" ماریو مسکرانے لگا اور چیونگم کا ایک ببل بنایا۔

"مجھے ابھی مزید جینا ہے، تمہارے ان بڑے بڑے سیاہ ہاتھوں سے اپنی گردن ترسوانے کا کوئی شوق نہیں۔" فرینک نے بھی مسکرا کر کہا۔

"اچھا! اسکائپ پر اور کس کس سے بات ہوتی رہی ہے؟"

"تین اور لوگ بھی ہیں لیکن چیٹ ڈیلیٹ ہو چکی ہے۔ شاید اس بندے کی چیٹ ابھی تک ڈیلیٹ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ویسے بھی تمہارے کام کی بات صرف اسی چیٹ میں ہے۔"

"ٹھیک ہے، کیا نام ہے اس کا؟"

"ڈینی فرگوسن، آئی ڈی اسی نام سے ہے۔"

"فرگوسن..... کہیں یہ جیک فرگوسن کا بیٹا تو نہیں؟ وہ جو کلب میں باسکٹ بال کھیلتا ہے۔"

"ہاں شاید، سرنیم تو وہی ہے!" فرینک نے کندھے

اچکا کر کہا۔
"پھر تو کوئی مسئلہ نہیں، اسے آرام سے اٹھالوں گا۔" ماریو نے بے پروا انداز میں کہا اور سگریٹ کا دھواں اڑانے لگا۔

☆☆☆

لنچ کے بعد جیک اپنے دفتر چلا گیا۔ ایلن بھی اس کے ساتھ تھا۔ ویسے تو اس کا دفتر ہفتہ اور اتوار کو بند ہوتا تھا لیکن اگر کوئی ضروری کام ہو تو وہ دفتر چلا جاتا تھا۔ آج بھی وہ یکسوئی کے ساتھ ایک کام کرنا چاہتا تھا۔

اس نے سب سے پہلے سائبر سیل میں کام کرنے والے اپنے ایک دوست کو رچرڈ فرگوسن کا نمبر دیا اور بولا۔
"مجھے پچھلے سال اپریل کا کال ریکارڈ چاہیے۔"

کچھ دیر بعد اسے کال ریکارڈ مل گیا۔ اب اسے آخری پانچ تاریخوں میں کسی ایسے نمبر کی تلاش تھی جو اس کے لیے اہم ہو۔ جلد ہی اسے ایک نیوزی لینڈ کا نمبر مل گیا۔

"ایلن! یہ دیکھو! پاپا کو چھبیس اپریل کی صبح سات بج کر بارہ منٹ پر نیوزی لینڈ کے ایک نمبر سے کال موصول ہوئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان تقریباً دس منٹ بات ہوئی ہے۔ اور پاپا شام کی فلائٹ سے ہی کرائس چرچ چلے گئے۔"

"اس کا مطلب ہے، جس کسی نے بھی انکل کو فون کیا، اس نے انہیں کرائس چرچ آنے کی دعوت دی، انہوں نے فوراً ہامی بھر لی، ٹکٹ خریدا اور کرائس چرچ پہنچ گئے۔" ایلن نے اندازہ لگایا۔

"ہاں! ایسا ہی ہوا ہے۔ میں نے آج پاپا کی بینک اسٹیٹمنٹ دیکھی تھی۔ انہوں نے ٹریول ایجنٹ کو ادائیگی کی، کرائس چرچ میں ہوٹل کا بل ادا کیا اور چند دوسرے اخراجات کیے۔"

"یہ شک تو نکل گیا کہ انکل رچرڈ نیوزی لینڈ گئے تھے یا نہیں۔ اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ وہاں گئے اور دو تین دن قیام بھی کیا۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ انکل وہاں کس سے ملنے گئے اور کیوں گئے۔"

"اس بات کا جواب تو یہی شخص دے سکتا ہے جس نے انہیں فون کیا۔ یہ نمبر نیوزی لینڈ کا ہے، ورنہ میں اس کی تفصیلات ابھی نکال لیتا۔"

"تمہارا کوئی ایسا دوست جو نیوزی لینڈ میں ہو؟" ایلن نے بھویں اچکا کر پوچھا تو جیک سوچ میں ڈوب گیا اور کچھ لمحوں بعد بولا۔

"ایک دوست میرے ساتھ یہاں کام کرتا تھا۔ اس کا نام کارلون ہے۔ چار پانچ سال پہلے وہ نیوزی لینڈ منتقل ہو گیا۔ اس سے بات کی جا سکتی ہے۔ شاید مدد کر دے۔"

"کیا وہ تمہارے رابطے میں ہے؟"
"ہاں! کبھی کبھار فیس بک اور انسٹاگرام پر ہیلو ہائے ہو جاتی ہے۔" جیک نے جواب دیا۔
"تو اس سے بات کرو! شاید کام بن جائے۔" ایلن نے کہا۔
"ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔"
"اتنی دیر تک میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔" ایلن اسٹاف کچن میں چلا گیا اور جیک، کارلون کو فون ملانے لگا۔
"ہیلو کارلون!"
"ارے جیک تم..... اتنے دنوں بعد یاد کیا، خیریت ہے؟"
"مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"
"کیسی مدد؟"
"ایک نمبر بھیج رہا ہوں، اس کی تفصیلات چاہئیں۔"
"نمبر بولو!" اس کا انداز ایسا تھا جیسے کیسینو کے ملازم جواریوں کو نمبر بولنے کے لیے کہتے ہیں۔
جیک نے نمبر بتایا تو دو منٹ بعد ہی کارلون بولا۔
"یہ نمبر کسی کیتھرین ٹیلر کے نام ہے لیکن نمبر بند ہے۔"
"اوہ! عورت....."
"ہاں کیتھرین تو عورتوں کا نام ہی ہوتا ہے، کسی مرد کا تو آج تک نہیں سنا۔"
"یار! اتنا تو میں یہاں بھی بیٹھ کر پتا چلا سکتا تھا، مجھے مزید تفصیلات چاہئیں۔"
"مزید کیا جاننا چاہتے ہو؟ فی الحال یہ نمبر بند ہے۔ میں یا تم وقتاً فوقتاً کال کرتے رہیں گے، اگر نمبر آن ہوا تو بات ہو جائے گی۔" کارلون نے پوچھا۔
"یہ کہاں کی رہنے والی ہے؟"
"ایولون پارک، کرائس چرچ۔" یہ سنتے ہی جیک چونک اٹھا۔
"اوہ! پاپا بھی یہیں نظر آئے تھے۔" جیک بڑبڑایا۔
"معاملہ کیا ہے؟" کارلون نے متجسس ہو کر پوچھا۔
جیک نے سوچا کہ اگر اسے بتا دوں تو شاید مدد کر سکے۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے سب بتا دیا۔
"یار! میں تو اوک لینڈ میں رہتا ہوں۔ اگر کرائس چرچ ہوتا تو کیتھرین ٹیلر سے خود ملاقات کر لیتا۔"
"تمہارا کوئی ایسا دوست جو یہ کام کر سکے؟"
"ایسے کوئی راضی نہیں ہوگا۔ کوئی کبھی کسی انجان عورت سے ملاقات کیوں کرنا چاہے گا؟ تمہیں ہی کچھ سوچنا ہوگا۔" کارلون نے انکار کر دیا۔

"یار! پھر ایک کام کروا کیا تم کیتھرین ٹیلر کا اپریل 2023ء کا کال ریکارڈ نکال سکتے ہو؟"

"ارے بھئی ایسا آسان کام نہیں ہے۔ میں پولیس میں نہیں ہوں۔"

"جانتا ہوں..... لیکن مجھے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ وہ سڈنی یا آسٹریلیا میں کس کس کو جانتی ہے، شاید کوئی ایسا بندہ ہو جو مجھے اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔"

"اچھا، میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح ریکارڈ نکلوا سکوں۔"

"شکریہ! میں تمہارا انتظار کروں گا۔" جیک نے فون رکھ دیا اور ایلن کافی کے دو مگ لے کر آ گیا۔

جیک نے ایلن کو کارلون سے ہوئی گفتگو بتا دی۔

"جیک! کیا تم نے اپنے والد کا کال ریکارڈ نکلوا کر کیتھرین ٹیلر کا نمبر تلاش کیا ہے؟ کیا یہ اکثر کال کرتی تھی یا صرف ایک بار کی؟" ایلن نے پوچھا اور اپنا مگ اٹھا کر کافی کا گھونٹ بھرا۔

"جتنا ریکارڈ میرے سامنے آیا ہے، اس کے مطابق تو صرف ایک بار۔ پاپا کے کال ریکارڈ میں نیوزی لینڈ سے کوئی کال موصول نہیں ہوئی۔"

"یہ بہت حیرت کی بات ہے، ایک عورت انکل کو صرف ایک بار فون کرتی ہے اور وہ اس سے ملنے دوڑے چلے جاتے ہیں۔" ایلن نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں! اچھا نام کا کچھ پتا چلا؟"

"پتا نہیں یار! نہ تو اس کا نمبر آن ہوا نہ ہی کسی اور جگہ سے اطلاع ملی۔ کارل پتا نہیں کیا کر رہا ہے۔ اس نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کہا۔"

"قتل کا کیس گمشدگی کے کیس سے بہت بڑا ہوتا ہے میرے دوست!"

"گمشدگی بھی ایک نوجوان لڑکے کی..... اسے کوئی سنجیدہ ہی نہیں لیتا۔" ایلن نے منہ بنایا۔

"نام کا کال ریکارڈ نکلواتا ہوں، دیکھتے ہیں وہ کس سے رابطے میں تھا۔" جیک کو اچانک خیال آیا۔

"ویسے تو یہ کام کارل کو کرنا چاہیے..... لیکن..... پتا نہیں، تمہیں جو مناسب لگے۔" ایلن کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔ جیک نے نام کا نمبر سائبر سیل والے دوست کو دے دیا۔

"وہ ایک گھنٹے تک کال ریکارڈ بھیج دے گا۔" جیک نے بتایا۔

"ہاں اب نام کے کال ریکارڈ کا انتظار کرو اور کیتھرین ٹیلر کے ریکارڈ کا بھی۔ لگتا ہے آج کل پولیس یہ موبائل کال اور لوکیشن رپورٹ سے ہی کیس حل کر لیتی ہے۔" ایلن بولا۔

"ہاں! موبائل ہمارے جسم کا حصہ ہے، اس لیے کسی شخص کو تلاش کرنے کے لیے موبائل ریکارڈ اور سی سی ٹی وی فوٹیج سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔" جیک نے بتایا۔

"اس وقت ہماری کیفیت بھی عجیب سی ہے۔ تمہیں اپنے مرحوم والد کا ماضی جاننا ہے اور مجھے اپنے بیٹے کا حال..... پتا نہیں وہ اس وقت کہاں اور کس حالت میں ہوگا۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ نیوزی لینڈ کا سفر اور پاپا کا قتل..... کیا ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے۔"

"کوشش تو کر رہے ہیں، امید ہے جلد ہی پتا چل جائے گا۔" ایلن نے اپنی کافی کا آخری گھونٹ بھرا اور کاغذی کپ کوڑے دان میں پھینک دیا۔

☆☆☆

کارل براؤن ساڑھے تین بجے اپنے گھر پہنچا اور مائیک کو آوازیں دینے لگا۔

"دونوں بہن بھائی ڈینی کے گھر گئے ہیں۔" جولیا نے جواب دیا۔

"جولیا! تم نہیں جانتیں تمہارے بیٹے نے کیا کیا ہے، شاید وہ پھنسنے والا ہے اور میں بھی اسے بچا نہیں پاؤں گا۔" کارل نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے جولیا سے کہا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"کک..... کیا ہوا؟"

"چلو! جیک کی طرف چلتے ہیں۔ اب ان سب سے روبرو بات ہوگی۔ یہ معاملہ بہت خطرناک ہے۔" کارل نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ جولیا بھی اس کے پیچھے ہو لی۔

پانچ منٹ بعد وہ جیک کے گھر کے لاؤنج میں جمع تھے۔ وہاں ڈینی، ایوا، مائیک اور ربیکا کے علاوہ جیک، ایلن اور کیلی بھی موجود تھے۔ جیک اور ایلن بھی ابھی ابھی دفتر سے واپس آئے تھے اور کافی پریشان لگ رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے، آپ تینوں مردوں کے رنگ کیوں اڑے ہوئے ہیں؟" کیلی نے ان تینوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو کارل نے مائیک کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"کل رات ہمارے گھر میں کیا کیا ہوا تھا، صاف صاف بتا دو اور نہ تم چاروں بری طرح پھنس جاؤ گے۔"

یہ سنتے ہی ان چاروں کا رنگ اڑ گیا اور جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

ssories.com

"کک..... کچھ نہیں، بس ہم نے پارٹی کی، وہسکی پی اور سگریٹ بھی۔" مائیک نے جواب دیا۔

"تم لوگ روزاریو کو جانتے ہو؟" کارل نے مائیک کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نام سنا ہے، کبھی دیکھا نہیں۔"

"تو کل تم نے اسے فون منہ دکھائی کے لیے کیا تھا؟" کارل چلّا اٹھا اور وہ سب کانپ گئے۔

"م..... میں نے....." مائیک، ایلن کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس کی طرف کیا دیکھ رہے ہو، میرے سوال کا جواب دو! اس وقت تمہارے سامنے تمہارا باپ نہیں انسپکٹر کارل براؤن کھڑا ہے۔ چاروں سچ سچ سب بتا دو ورنہ بہت بُرا ہو گا۔" کارل نے آنکھیں دکھائیں۔

"سب..... پاپا! کل ہم نے....." رینا بولی اور مائیک کی طرف دیکھنے لگی۔

"کل کیا؟"

"پاپا! کل ہم نے ڈرگز لی تھیں۔ ٹام اور مائیک ہی روزاریو سے لے کر آئے تھے۔" رینا نے سچ بتانے میں ہی عافیت جانی اور یہ سنتے ہی ان کے والدین ہکا بکا رہ گئے۔

"اوہ میرے خدایا! پولیس والے کے گھر ساری رات ڈرگز چلتی رہی۔ اگر یہ بات پھیل جائے تو میں اسپرنگ وڈ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔" کارل کو ایک دھچکا لگا۔

"کارل! رینا کی بات ٹھیک ہے، میں نے ٹام کا کال ریکارڈ نکلوایا ہے، وہ باقاعدہ روزاریو کے رابطے میں تھا۔" جیک نے بتایا۔ ایلن بھی ان حالات میں پریشان تھا۔ ایک تو اس کا بیٹا غائب تھا اور دوسرا یہ ایک نیا انکشاف۔"

"اب تم چاروں صاف صاف بتا دو کہ حقیقت کیا ہے اور ٹام کہاں ہے؟" کیلی کو بھی غصہ آنے لگا۔

"ٹام تو ساڑھے بارہ بجے چلا گیا تھا۔ آپ نے سی سی ٹی وی میں دیکھا ہے۔" مائیک بولا۔

"لیکن اس کا موبائل صبح ساڑھے تین بجے تک اسی علاقے میں آن تھا۔ میں بھی ٹام کا کال ریکارڈ اور لوکیشن نکلوا چکا ہوں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا ہوا۔" کارل نے بتایا۔ اسے شاید جیک اور ایلن کا تفتیش کرنا پسند نہیں آیا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ آس پاس ہی کہیں ہو۔" ایوا بولی۔

"مائیک! میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتاؤ!" کارل کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"پاپا! ہم نے سچ بتا دیا ہے۔ ہاں! میں مانتا ہوں کہ ہم نے روزاریو سے کوکین لی لیکن یہ ٹام کا ہی آئیڈیا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار روزاریو سے مل چکا ہے اور..... اور شاید وہ نشہ بھی کرتا ہے۔" مائیک نے بتایا تو ایلن کے دل پر بجلی گری اور وہ صوفے پر گر گیا۔ جیک نے اسے تسلی دی اور بولا۔

"پریشان نہ ہو، وہ مل جائے تو ہم اسے سمجھا لیں گے۔ ٹام کو کچھ نہیں ہو گا۔"

"تم لوگ نہیں جانتے میں نے کیسے روزاریو کے کال ریکارڈ والی بات چھپائی ہے۔ اگر بیکر یا کسی اور کو پتا چل گیا کہ وہ ہمارے بچوں کے ساتھ رابطے میں تھا تو طوفان آ جائے گا۔ ہم سب کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" کارل بولا۔

"کارل! اس عمر میں بچے غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ ان پر غصہ کرنے کے بجائے معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کرو!" جولیا، کارل کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

"وہی کر رہا ہوں۔ جب تک معاملہ میرے ہاتھ میں ہے، میں سنبھالتا رہوں گا لیکن اگر کسی اور کو اس بات کی بھنک لگ گئی تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"بچو! ابھی بھی وقت ہے، اگر تم مزید کچھ جانتے ہو تو بتا دو!" جیک نے ان چاروں سے کہا۔

"جتنا پتا تھا، بتا دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے ٹام کہاں ہے اور ہم روزاریو کو بھی نہیں جانتے تھے۔ صرف ٹام اس سے مسلسل رابطے میں تھا۔" مائیک نے بتایا۔

"ایلن! کیا تم اپنے بیٹے پر نظر نہیں رکھ سکتے تھے؟ تمہارا بیٹا ڈرگ ڈیلرز کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

"کارل! یہ مت بھولو کہ کل رات تمہارا گھر اسی کھیل کا میدان بنا ہوا تھا۔ تمہارے بچوں نے ہی ٹام کو اکسایا ہو گا۔ دوسروں کی اولاد پر انگلی اٹھانا بہت آسان ہے، اپنی اولاد پر توجہ دو!" ایلن بھی غصے میں آ گیا۔

"میرے بچے ایسے نہیں ہیں۔ تمہارے آوارہ بیٹے نے ہی انہیں ورغلایا ہے۔" کارل بھی چلّا اٹھا۔

"کارل اور ایلن! کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو؟ بچوں کی طرح لڑ رہے ہو۔ جب چالیس بیالیس سال کے مردوں کا یہ حال ہے تو سترہ اٹھارہ سال کے بچوں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔" جیک نے بلند آواز میں دونوں کو سنا دیا۔

"جیک درست کہہ رہا ہے۔ یہ وقت آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کے سر الزام تھوپنے کا نہیں ہے۔" کیلی بولی۔

"جیک! تم اپنے بچوں سے اکیلے میں بات کرو اور میں اپنے بچوں سے بات کرتا ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" جیک نے سر ہلایا۔

"مائیک اور رینا! کار میں بیٹھو!" کارل نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"ہم بھی چلتے ہیں۔" کارل نے جیک کی طرف دیکھا اور وہ بھی باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کارل اور اس کی فیملی کے جانے کے بعد جیک اور ایلن لان میں جا کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت جیک کے موبائل پر کارلون کا میسج آیا۔

"کیتھرین ٹیلر کا کال ریکارڈ نکال لیا ہے۔ شاید اس کا نمبر پچھلے سال دسمبر میں بند ہو گیا تھا۔ دسمبر کے بعد کوئی کال موصول نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی کو کوئی کال کی گئی۔ تمہیں ریکارڈ بھیج رہا ہوں۔"

"ایلن! کیتھرین ٹیلر کا کال ریکارڈ مل گیا ہے۔" جیک نے بتایا اور پی ڈی ایف فائل کھول لی۔ اس میں کئی نمبر تھے، زیادہ تر نمبر نیوزی لینڈ کے ہی تھے لیکن دو نمبر آسٹریلیا کے بھی تھے۔ ان میں سے ایک نمبر پر تین دفعہ مختصر بات ہوئی تھی اور دوسرے نمبر پر صرف ایک بار۔ جیک نے ایلن کو بتایا تو وہ بولا۔

"جیک! تمہیں یہ سب ٹھیک لگ رہا ہے؟"

"مطلب؟" جیک اس کی بات نہیں سمجھ سکا۔

"ایسے لوگوں کی ذاتی زندگی میں جھانکنا، ان کے کال ریکارڈ نکالنا۔"

"ایلن! تم جانتے ہو کہ میں یہ صرف پاپا کے لیے کر رہا ہوں۔ مجھے کسی کی ذاتی زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پاپا ایسا کیا راز سینے میں چھپائے چلے گئے اور ان کی موت کی اصل وجہ کیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں تمہاری نیت ٹھیک ہے لیکن اگر..... اگر کوئی ہماری ذاتی زندگی میں مداخلت کرے تو ہم پسند نہیں کریں گے۔"

"میرا ماضی اور زندگی سب کے سامنے ہے۔ میں نے کبھی اپنا کوئی راز نہیں چھپایا۔"

"کبھی کبھی ہم جسے حقیقت سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ صرف ایک دھوکا ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہو۔ مجھے دونوں نمبر نوٹ کرنے دو!" جیک نے نمبرز اپنے موبائل میں محفوظ کیے اور سوچنے لگا۔

"اب کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ ان نمبرز پر کال کروں یا ان کا ایڈریس نکلوا کر خود ملاقات کروں۔"

"تمہیں ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں کا تعلق انکل رچرڈ سے ہو سکتا ہے؟"

"کیا پتا؟" جیک نے کندھے اچکائے۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں کیتھرین ٹیلر کے جاننے والے ہوں اور انکل سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

"ہاں ممکن ہے لیکن میں دونوں نمبر چیک ضرور کروں گا۔"

"کیلی کو پتا ہے کہ تم یہ سب کر رہے ہو؟" ایلن کی بات سن کر جیک مسکرا دیا اور بولا۔

"نہیں، مجھے لگتا ہے وہ نہیں چاہتی کہ میں یہ کام کروں۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور رویہ مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"کوئی بھی سمجھ دار انسان پسند نہیں کرے گا کہ اس کے مرحوم والد، سسر یا دوست کی ذاتی زندگی ایسے پرکھی جائے۔" ایلن نے جواب دیا تو جیک مسکرا دیا لیکن کچھ نہیں بولا۔ پھر اس نے ایک ویب سائٹ کھولی اور دونوں نمبر لکھ کر ان کی تفصیل نکال لی۔

"یار ایلن! ایک نمبر تو البرٹ گینی کے نام ہے جو بلیک ٹاؤن کا رہائشی ہے اور دوسرا نمبر کسی خاتون ڈیلا کیرون کا ہے جو برسبین کے قریب کسی قصبے میں رہتی ہے۔ وہاں جانا تو ممکن نہیں۔ مگر بلیک ٹاؤن یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا دور ہوگا۔"

"ہاں تقریباً!" ایلن بولا۔

"کیا کہتے ہو، اس البرٹ گینی سے ملاقات ہو جائے؟"

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ ایسے کیسے البرٹ گینی سے ملاقات کی جائے گی اور اس سے کیا کہو گے؟" ایلن کو جیک کی بات سن کر حیرت ہوئی۔

"تھوڑا جھوٹ بولنا پڑے گا۔" جیک نے جواب دیا۔

"کیا جھوٹ بولو گے؟" ایلن نے پوچھا تو جیک سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"یہ سوچنا پڑے گا۔"

"تم کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"میں یہی پوچھوں گا کہ کیا وہ رچرڈ فرگوسن کو جانتے ہیں۔"

"وہ پوچھیں گے کہ تم کون اور یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں جواب دوں گا کہ ان کی پرانی ڈائری میں آپ کا نام اور ایڈریس ملا ہے۔ انہیں ایک سال پہلے پُراسرار طریقے سے قتل کر دیا گیا تھا، میں اسی سلسلے میں آیا ہوں کہ شاید آپ جانتے ہوں۔"

"سوچ لو..... کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔" ایلن نے کہا۔

"اگر البرٹ گیلی میرے والد کو جانتا ہوگا تو گھبرا جائے گا، رنگ اڑ جائے گا یا ان کا نام سن کر مسکرا دے گا اور اگر وہ انہیں نہ جانتا ہوا تو اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل نہیں ہوں گے۔"

"ہاں! اب سمجھ آیا۔ تم واقعی کافی ہوشیار ہو۔" ایلن نے جیک کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ابھی چار بج رہے ہیں، بلیک ٹاؤن پینتالیس منٹ تک پہنچ جائیں گے۔" جیک کھڑا ہو گیا۔

"تم واقعی جانا چاہ رہے ہو؟" ایلن کو جیک کے اس انداز پر حیرت ہو رہی تھی۔

"تو کیا پچھلے پندرہ منٹ سے میں تمہیں کسی فلم کی کہانی سنا رہا تھا؟"

"پتا نہیں تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے میرا بیٹا نہیں مل رہا اور تم پتا نہیں کن چکروں میں الجھے ہوئے ہو۔"

"اسے بھی تو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں نا!"

"دوسرا کل میری ٹیم رگبی کا میچ ہار گئی اور میں بھی دس ہزار ڈالر ہار گیا۔" ایلن نے منہ بنایا۔

"تم نے ابھی تک سٹہ کھیلنا چھوڑا نہیں ہے کیا؟" جیک نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"چھوڑ چکا ہوں، بس کبھی کبھار قسمت آزما لیتا ہوں۔"

ایلن نے اپنے دائیں ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کبھی کبھی اسے خود بھی اپنی اس منحوس عادت پر افسوس ہوتا تھا۔

"اب دس ہزار ڈالر کا نقصان ہو گیا، خوش ہو جاؤ!" جیک نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"کیا خوش ہو جاؤں دوست! میری بیماری کی رپورٹس بھی ٹھیک نہیں آئیں۔" ایلن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"شاید ہائی پاس کرنا پڑے۔" ایلن نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی رو پڑے گا۔

"ہمت نہ ہارو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جیک نے اس کے گلے لگ کر تسلی دی۔ اسی وقت ایلن کے موبائل پر کارل کا فون آیا۔

"ہیلو ایلن! ہمیں نام کا موبائل ملا ہے، میرے گھر آ جاؤ!"

"کیا!" ایلن کے دل کی دھڑکن تھم گئی۔

"ہاں! ہمارے گھر کے پیچھے جو جنگل ہے، وہاں اس کا موبائل ملا ہے۔" کارل نے جواب دیا تو ایلن نے فوراً جیک کو کہا۔

"کارل کے گھر چلو! نام کا موبائل ملا ہے۔"

☆☆☆

ماریو، جیک کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ چار بج چکے تھے۔ اس نے پہلے جیک کو نیلی اوڈی کار میں باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ گرے سری اسٹور والا ایلن بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے کچھ دیر بعد ڈینی نیلی ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر پہنے کندھے پر میرون بیگ لٹکائے باہر نکلا۔ ڈینی ایپر رگبی کلب کی طرف سے باسکٹ بال کھیلتا تھا۔ ہر ہفتے اور اتوار کی شام پانچ بجے سے آٹھ بجے تک اس کی پریکٹس ہوتی تھی۔ کلب گھر سے دس منٹ پیدل کی مسافت پر تھا۔ وہ ہمیشہ پیدل ہی کلب جایا کرتا تھا۔

یہ بات ماریو جانتا تھا۔ وہ اسے دو تین بار کلب میں دیکھ چکا تھا۔ اسی لیے وہ چار بجے سے پہلے ہی جیک کے گھر کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں کسی کو اغوا کرنا مشکل کام تھا، کوئی بھی دیکھ سکتا تھا لیکن راستے میں ایک سنسان گلی تھی جہاں نہ تو گھر تھے اور نہ ہی کوئی موجود ہوتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جب ڈینی اس گلی سے گزرے گا، وہ اسے اغوا کر لے گا۔

سوا چار بجے ڈینی گھر سے باہر نکلا اور کلب کی طرف چلنے لگا۔ ماریو نے کار اسٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ اس کا تعاقب کرنے لگا۔ جیسے ہی ڈینی اس گلی میں داخل ہوا، ماریو نے کار کی رفتار بڑھائی اور ڈینی کے قریب جا کر روک دی۔ وہ کار سے باہر نکلا اور بولا۔

"نوجوان! ایک مدد کرو گے؟ یہ راستہ سمجھا دو!" ماریو نے کاغذ کا ایک ٹکڑا ڈینی کو پکڑایا اور اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ مارا۔ ڈینی اپنے حواس کھو بیٹھا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریو نے فوراً اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا، خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور کار چلا دی۔

"چلو بھئی! یہ مرحلہ تو حل ہوا، اب دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔" ماریو بڑبڑایا اور بیک مرر سے بے ہوش ڈینی کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

پانچ سال مزید گزر گئے۔ اب ماریا کو سب سسٹر میری کے نام سے پکارتے تھے اور رچی، رچرڈ فرگوسن بن چکا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے ہی رفاہی اسکول میں پڑھانے لگا اور ساتھ ساتھ اسکو فیلڈ میں موجود اپنی آبائی زمینوں کی دیکھ بھال بھی کرنے لگا۔

سسٹر کیتھرین ٹیلر اب میڈم کیتھرین ٹیلر بن چکی تھی۔ وہ اسکول کی وائس پرنسپل تھی اور چرچ کے انتظامی امور بھی وہی

دیکھ رہی تھی۔ ماریا اور کیتھرین اب بھی ہر جگہ ایک ساتھ دیکھی جاتیں۔ اکثر لوگ دونوں کو سگی بہنیں سمجھتے تھے۔ ماریا کی زندگی اب بھی پہلے کی طرح ہی گزر رہی تھی۔ صبح اسکول میں بچوں کو پڑھانا اور باقی وقت چرچ میں گزارنا۔ ہر اتوار کو اس کے والدین اور رہبی چرچ میں آتے اور عبادت کے بعد ماریا سے گپ شپ لگاتے۔ لیور پول کے رہائشی ماریا کو بہت پسند کرتے تھے۔ جیسے سسٹر کیتھرین کسی زمانے میں چھوٹے بچوں کی آئیڈیل ہوا کرتی تھی اب بچے ماریا سے متاثر ہوتے تھے۔

ہر کوئی اپنے اپنے مسائل لے کر سسٹر میری یعنی ماریا سے ملنے کا خواہش مند رہتا تھا۔ وہ ہر ایک کے مسئلے کو بہت غور سے سنتی اور خدا اور بائبل کی تعلیمات کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرتی۔

یہ سن 1979ء کی بات ہے۔ ایک دن شام کے وقت کیتھرین اور ماریا بالکونی میں بیٹھی ڈرائی فروٹ کھا رہی تھیں۔

"ماریا! ایک بات پوچھوں؟" کیتھرین نے کاجو کا ایک دانہ اٹھاتے ہوئے ماریا سے پوچھا۔ وہ آسمان پر موجود ستاروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اپنا نام سن کر چونکی اور کیتھرین کی طرف دیکھا۔

"جی میڈم!" اب سب کیتھرین کو میڈم پکارتے تھے۔

"تم خوش تو ہو نا؟" اوکانیو

"ہاں! بہت خوش، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟" ماریا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تم چرچ سے باہر کی دنیا مس تو نہیں کرتیں نا؟"

"نہیں میڈم! آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں؟" ماریا کو حیرت ہوئی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ کہیں تم میری وجہ سے نن تو نہیں بنیں؟"

"نہیں ایسا بالکل نہیں ہے۔ میں تو بچپن سے ہی نن بننا چاہتی تھی۔ جو اطمینان اور سکون مجھے چرچ میں ملتا تھا، وہ گھر یا اسکول میں نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی اور پھر صرف اور صرف آخرت باقی رہے گی۔ اب اگر میں آخرت پر یقین رکھوں تو مجھے خدا کے احکامات اور یسوع مسیح کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔"

"لیکن اس کے لیے نن بننا تو ضروری نہیں ہے۔ تم عام زندگی گزارتے ہوئے بھی ایسا کر سکتی تھیں۔" کیتھرین نے جواب دیا۔

"ہاں! لیکن دنیا کی رنگین بھول بھلیوں میں خدا کی یاد کھو جاتی ہے۔ ہم اپنے اصل رب کو بھولنے لگتے ہیں اور دنیا کو ہی اپنا رب ماننے لگتے ہیں۔" ماریا نے آسمان کی طرف

ایک سادہ طبع نوجوان کی کہانی..... جو نامساعد حالات کی طنابیں گرفت میں رکھنا جانتا تھا۔

وادی مہران کے ایک دور دراز خطے سے جس کا تعلق تھا.....

ایک پراسرار واقعے نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا

جس میں محبت کی دیوانگی بھی ہے اور نفرتوں وعداوتوں کے دہکتے انگارے بھی۔

بہت جلد... سسپنس کے صفحات کی زینت

دیکھتے ہوئے کہا۔
"چرچ میں تو ہر کوئی خدا کو یاد کرتا ہے، کمال تو ہے میخانے میں خدا کا نام لیا جائے۔" کیتھرین کی بات سن کر ماریا کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی۔
"میخانے میں جانا ہی کیوں ہے؟ جب چرچ کا راستہ صاف ہے تو قدم کیوں ڈگمگائیں؟"
"قدم اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔"
"انہیں اپنے قدموں پر کنٹرول نہیں ہوگا۔ آپ جانتی ہیں میں پچھلے ایک سال سے رچی سے نہیں ملی۔"
"لیکن وہ ہر اتوار چرچ میں نظر آتا ہے۔"
"ہاں! اور وہ مجھ سے ملاقات کا خواہش مند بھی ہے لیکن میں ملنے سے انکار کر دیتی ہوں۔"
"ایسا کیوں؟"
"کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے بھول کر کسی اور کو اپنے دل میں بسا لے۔ اس کے سامنے ساری زندگی ہے۔ اسے شادی کرنی چاہیے، اپنی فیملی بنانی چاہیے۔"
"میں نے سنا ہے کہ وہ جلد شادی کرنے والا ہے۔"
"کیا واقعی!" ماریا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
"ہاں! کچھ دن پہلے وہ مجھے بازار میں ایک لڑکی کے ساتھ ملا تھا۔ اچھی اور پیاری لڑکی تھی وہ۔ رچی نے بتایا تھا کہ اگلے سال وہ شادی کر رہے ہیں۔" کیتھرین نے بتایا تو ماریا خوش ہوگئی۔
"اچھی بات ہے، میری دعائیں ہمیشہ رچی کے ساتھ رہیں گی۔ خدا اسے ہمیشہ خوش رکھے، آمین!" ماریا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔
"آمین!" کیتھرین نے بھی آسمان کی طرف دیکھ کر آمین کہا اور دل سے رچی کو دعائیں دینے لگی۔
"وہ لڑکی کون ہے؟ کیا لیورپول کی ہی ہے؟"
"ہاں شاید! رچی نے اس کا نام بھی بتایا تھا۔ ذرا مجھے یاد کرنے دو!" کیتھرین دماغ پر زور دینے لگی اور پھر بولی۔
"ہاں یاد آیا، اس کا نام اسٹیفی تھا۔"
☆☆☆
رچی اور اسٹیفی پہلی بار ایک نائٹ کلب میں ملے تھے۔ جب سے رچی نے اسکول میں پڑھانا شروع کیا تھا، اس نے نائٹ کلب اور ایسی پارٹیوں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ استاد کا ایک خاص مقام ہے، وہ ایک نسل کی تربیت کرتا تھا۔ اگر خود ہی ایسی موج مستیوں میں لگا رہے گا تو بچوں کی تربیت کیسے کر پائے گا۔ دوسرا کیتھرین اور ماریا کے بیانات کا اثر بھی تھا۔
وہ پچھلے پانچ سال سے ہر اتوار چرچ جاتا، عبادت کرتا اور وہاں ماریا کو بھی دیکھتا۔ پہلے تو دونوں بات چیت کرتے تھے لیکن اب اس نے محسوس کیا تھا کہ ماریا اسے فکر انداز کرنے لگی تھی۔
اس دن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دوست جوزف اسے نائٹ کلب لے گیا اور بولا۔
"یار رچی! تو بھی کتنا خشک انسان بن گیا ہے، کلب اور پارٹی وغیرہ سب چھوڑ دیا۔"
"جوزف! آج کل میں اپنے کیریئر پر توجہ دے رہا ہوں۔"
"ہاں تو دن میں کیریئر پر توجہ دو اور رات کو ہمارے ساتھ مستی کرو!" جوزف نے وہسکی کا گلاس رچی کو دیتے ہوئے کہا۔ اس نے گلاس پکڑا اور ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں اسے اسٹیفی نظر آئی وہ بھی ایک میز پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ رچی کو یہ کچھ عجیب لگا اور وہ اسی کی میز پر جا کر بیٹھ گیا۔
"تم یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" رچی نے پوچھا تو وہ مسکرا دی اور بولی۔
"تم بھی تو اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔"
"ہاں! مجھے یہ شور شرابہ زیادہ پسند نہیں ہے۔ بس یہ گلاس ختم کروں گا اور چلا جاؤں گا۔"
"میں بھی ایسی ہی ہوں۔ مجھے بھی یہ سب پسند نہیں۔"
"تو پھر ہم دونوں کہیں باہر چلیں؟"
"ہاں ضرور!"
وہ دونوں کلب سے باہر نکل کر لیورپول کی سڑکوں پر چہل قدمی کرتے رہے اور ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے بارے میں بتاتے رہے۔ اسٹیفی، رچی کے اسکول کے قریب ہی ایک بینک میں کام کرتی تھی۔
اس دن کے بعد اکثر رچی اسکول سے فارغ ہونے کے بعد اسٹیفی کے دفتر چلا جاتا اور اسے اپنی کار میں گھماتا پھراتا۔ ماریا کے بعد یہ دوسری لڑکی تھی جو رچی کو پسند آئی تھی۔ دونوں گھنٹوں باتیں کرتے۔ دونوں کی پسند ناپسند بھی ایک جیسی ہی تھی۔ رچی کے والدین میں کوئی بھی بات مشترک نہیں تھی، اسی وجہ سے وہ خوشگوار ازدواجی زندگی نہ گزار سکے۔ رچی کے لیے شادی شدہ جوڑے کے لیے عادات اور ترجیحات کا مشترک ہونا بہت ضروری تھا اور یہ چیز اسے اسٹیفی میں ملی تھی۔
ایک سال بعد اس نے اسٹیفی سے اظہارِ محبت کر دیا۔

"اسٹیفی! ایسا لگتا ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"میں بھی کچھ ایسا ہی سوچتی ہوں۔" اسٹیفنی نے شرماتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہم شادی کر سکتے ہیں؟" رچی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو اسٹیفی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

جیک اور ایلن، کارل کے گھر پہنچے، وہ اور چند پولیس والے گھر کے باہر ہی کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ ان کے قریب آیا اور بولا۔

"تم جانتے ہو کہ اس لین کے گھروں کے پیچھے خالی پلاٹ اور بے شمار درخت ہیں، جنہیں ہم چھوٹا جنگل کہتے ہیں۔"

"ہاں! ٹام کا موبائل کہاں سے ملا؟"

"اسی جگہ سے، آؤ میرے ساتھ!" کارل نے ایلن کو ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

"ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ٹام ساڑھے بارہ بجے میرے گھر سے نکلا اور بجائے اپنے گھر جاتا، وہ کہیں اور چلا گیا یا شاید یہیں کہیں آس پاس بیٹھا رہا۔"

"لیکن وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"کیونکہ وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ گھر جا کر اپنے والدین کا سامنا کر سکتا۔" کارل نے بتایا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" ایلن کو کارل کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے مائیک اور رینا نے بتایا۔ افسوس کہ میرے بچوں کی حالت بھی ٹام سے مختلف نہیں تھی۔"

"دیکھو! یہ وقت ایک دوسرے کے بچوں کو الزام تراشی کا نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کل رات پانچوں نے ہی غلط کام کیا اور سبھی اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں فی الحال ٹام کو تلاش کرنا ہے۔"

"ہم کوشش کر تو رہے ہیں۔ ہمیں ایک اور چیز بھی ملی تھی۔ کارل نے بیکر کو اشارہ کیا، اس نے پلاسٹک کی تھیلی اسے پکڑا دی۔

"کل رات روزاریو کی لاش کے پاس ہمیں یہ لاکٹ ملا تھا۔ اس پر 'ٹی' لکھا ہوا ہے، کیا یہ ٹام کا ہے؟" کارل نے لاکٹ ایلن کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ لاکٹ کو غور سے دیکھنے لگا اور بولا۔

"ہاں ہاں! شاید اسی کا ہے۔" ایلن کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ٹریڈ کلی کے لیے دو کانسٹیبل تمہارے گھر بھیج رہا ہوں، وہ ٹام کے کمرے سے اس کے فنگر پرنٹس اٹھائیں گے تاکہ لاکٹ سے ملے ہوئے پرنٹس میچ کیے جا سکیں اور اس کا ٹوتھ برش بھی۔"

"ٹوتھ برش..... وہ کس لیے؟"

"ہمیں موبائل کے پاس خون کے چند قطرے بھی ملے ہیں۔ خون کا سیمپل اٹھا لیا گیا ہے۔"

"خون..... کس کا خون؟" ایلن چلایا۔

"پتا نہیں فی الحال ٹام کا ڈی این اے لیں گے تو ہی پتا چل سکے گا کہ وہ خون ٹام کا ہے یا کسی اور کا۔"

"ٹھیک ہے، جو تمہیں بہتر لگے وہ کرو، مجھے بس میرا بیٹا لوٹا دو! اس کی ماں کی حالت بہت خراب ہے، وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔" ایلن نے اپنے آنسو صاف کیے اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

کارل نے جیک کو اشارہ کیا اور ایلن سے کچھ فاصلے پر لے گیا۔

"مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے، ایلن کے لیے خوشی کی خبر نہیں ہے۔" کارل نے جیک کو بتایا۔

"کیا مطلب؟ کیسی گڑبڑ؟"

"ٹام اور روزاریو کافی عرصے سے رابطے میں تھے۔ روزاریو کا نام چھ ماہ پہلے سامنے آیا لیکن وہ ٹام کو ایک سال سے جانتا تھا۔ اب روزاریو مر گیا اور ٹام غائب ہے۔ مجھے لگتا ہے ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"تم سمجھتے ہو کہ ٹام نے روزاریو کو قتل کیا اور فرار ہو گیا؟" جیک نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ روزاریو کو تقریباً ڈیڑھ بجے قتل کیا گیا ہے۔ ٹام کو ساڑھے بارہ بجے کے بعد دیکھا نہیں گیا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے جس نے روزاریو کو قتل کیا، اسی نے ٹام کا اغوا کر لیا یا اسے بھی مار کر کہیں اور پھینک دیا۔"

"کارل! تم اتنی خوف ناک بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" جیک نے حیرت ظاہر کی۔

"جانتے ہو ٹام کے موبائل سے آخری فون کسے کیا گیا؟" کارل نے پوچھا تو جیک نے اپنے موبائل میں موجود ٹام کا کال ریکارڈ نکالا اور بولا۔

"اوہ! پولیس ہیلپ لائن..... میں نے پہلے اس پر غور نہیں کیا۔ کارل! کیا وہ مدد چاہتا تھا؟"

"ہاں شاید! ٹام کے موبائل سے آخری کال رات تین بج کر ستائیس منٹ پر کی گئی۔ اس نے ہیلو ہی کیا تھا کہ فون بند ہو گیا۔ شاید اسی وقت اس کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی تھی۔"

"تو ہیلپ لائن والوں نے کوئی ایکشن نہیں لیا؟"

"ویک اینڈ ناٹ پر پورے سڈنی سے ہزاروں ایسی کالز آتی ہیں۔ ویسے بھی نمبر بند ہو گیا تو فون کرنے والے کو کہاں تلاش کرتے؟ اسی لیے کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔" کارل نے بتایا۔

"یہ تو معاملہ سنگین ہو گیا ہے۔ ابھی تک تو میں ایلن کو یہ کہہ کر تسلی دے رہا تھا کہ نام خود ہی کہیں چلا گیا ہے لیکن اب ایسا لگ رہا ہے کہ یا تو اسے اغوا کیا گیا ہے یا پھر....." جیک نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مجھے بھی یہی ڈر ہے۔" کارل نے جیک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کہیں ایلن کچھ چھپا تو نہیں رہا؟" کارل نے جیک سے پوچھا۔

"کیا پتا؟ یہاں ہر شخص کے سینے میں کتنے راز دفن ہیں، کوئی نہیں جانتا۔ تمہیں اُسے یہ سب بتا دینا چاہیے۔"

"ہاں یہی سوچ رہا ہوں۔" کارل بولا اور ایلن کے پاس جا کر اسے سب بتا دیا۔

"کارل! میرا بیٹا خطرے میں ہے۔ تمہیں میری مدد کرنی چاہیے۔"

"میں تمہاری مدد ہی تو کر رہا ہوں، اسی لیے یہ سب جان سکا ہوں۔ ہم اپنی تفتیش کا دائرہ مزید بڑھا رہے ہیں۔ فکر نہ کرو، نام جلد مل جائے گا۔" کارل نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"زندہ حالت میں ٹھیک تھا کہ....." ایلن نے کارل کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"فکر نہ کرو ایلن! سب ٹھیک ہو جائے گا اور نام جلد مل جائے گا۔" جیک نے اسے تسلی دی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا اپنا بیٹا ڈینی، ماریو کے ہاتھوں اغوا ہو چکا ہے اور کس کرب سے گزر رہا ہے۔

☆☆☆

جیسے ہی ڈینی کی آنکھ کھلی اس نے خود کو کرسی پر بندھا ہوا پایا۔ پہلے تو اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کہاں ہے پھر دماغ پر زور دیا تو سب یاد آ گیا۔ اس کمرے میں فرنیچر کے نام پر دو کرسیاں ایک میز اور ایک چھوٹی سی الماری تھی۔ اس نے زور لگا کر رسیوں سے آزاد ہونا چاہا لیکن ناکام رہا۔ خالی کمرے میں اسے سردی کی شدت کا احساس ہوا اور وہ کانپنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی لیکن اب جیکٹ اس کے جسم پر نہیں تھی۔

"کوئی ہے..... کوئی ہے؟" وہ چلانے لگا تو پانچ منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور جینز ٹی شرٹ پہنا ہوا ساڑھے چھ فٹ لمبا ایک سیاہ فام نظر آیا۔

"ہاں بھئی باسکٹ بال چیمپئن! ہوش آ گیا؟"

"کون ہو تم اور مجھے کیوں اغوا کیا ہے؟"

"میں کون ہوں؟ اچھا سوال ہے اور اغوا کیوں کیا ہے یہ بہت ہی اچھا سوال ہے۔ مجھے پسند آیا۔" ماریو نے چیونگم کا ببل بنایا۔

"کیا چاہتے ہو؟" ڈینی نے پوچھا۔

"دیکھو ڈینی! میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے بس وہ ویڈیو دے دو! پھر تم آزاد ہو۔"

"کون سی ویڈیو؟" ڈینی کو کچھ نہیں آیا۔

"وہی جو روزاریو نے تمہیں بھیجی تھی۔"

"روزاریو..... وہ مجھے ویڈیو کیوں دے گا؟ میں تو اسے کبھی ملا بھی نہیں۔"

"بُری بات میرے دوست! جھوٹ بولنا بُری بات۔ اگر سچ نہیں بولو گے تو سردی سے مارے جاؤ گے۔ سچ بولو، میں تمہیں جیکٹ دے دوں گا۔" ماریو نے اپنی جیکٹ سے پستول نکال کر ڈینی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ کل روزاریو، مائیک کے گھر آیا تھا لیکن ٹام اور مائیک سے ہی ملا، میں تو گھر کے اندر ہی تھا۔"

"میں کل کی بات نہیں کر رہا، پرانی بات کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم کافی عرصے سے روزاریو کے ساتھ کام کر رہے ہو۔"

"میں ایک عام سا لڑکا ہوں۔ ہائی اسکول میں پڑھتا ہوں، باسکٹ بال کھیلتا ہوں اور ناول پڑھتا ہوں۔ نہ تو کسی ڈرگ ڈیلر سے میرا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی میں کسی ویڈیو کے بارے میں جانتا ہوں۔" ڈینی چلا کر بولا تو ماریو نے اس کے منہ پر ایک زوردار مُکا دے مارا۔ اس کے ہونٹوں سے خون نکلنے لگا۔

"اب کچھ یاد آیا؟" ماریو نے پوچھا تو ڈینی نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ماریو نے ایک اور مُکا اس کے منہ پر مارا اور باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ کمرے میں واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔ اس نے میز کھینچ کر ڈینی کے سامنے کیا اور اس پر لیپ ٹاپ رکھ کر بولا۔

"یہ روزاریو کا لیپ ٹاپ ہے۔ اس میں اسکائپ چیٹ ہے۔ اس نے تمہیں میسج کیا تھا کہ بورس کی ویڈیو سنبھال کر رکھنا۔ اب تم صاف صاف بتا رہے ہو کہ دوسرے گال پر بھی مُکا کھانا چاہتے ہو؟"

ڈینی پریشان پڑھنے لگا اور پھر ہکلاتے ہوئے بولا۔
"یہ..... یہ چیٹ میں نے نہیں کی۔"
"لیکن آئی ڈی تمہارے نام پر ہے۔"
"یہ کوئی بڑی بات نہیں، میں ابھی کرسٹینو رونالڈو یا لیون میسی کے نام کا آئی ڈی بنا دیتا ہوں۔ اسکائپ پر کوئی بھی کسی بھی نام کی آئی ڈی بنا سکتا ہے اور کیا میں پاگل ہوں کہ اگر مجھے کچھ غیر قانونی کرنا ہو تو اپنے اصل نام پر آئی ڈی بناؤں گا؟ لوگ تو اپنے آفیشل فیس بک اور انسٹاگرام اکاؤنٹ اپنے اصل نام سے نہیں بناتے، پھر میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں...؟" ڈینی نے ماریو کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"اوہ! تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی نے تمہارا نام استعمال کیا۔"
"ہاں! تم چاہو تو میرا موبائل دیکھ لو! میرے پاس نہ تو اسکائپ اکاؤنٹ ہے اور نہ ہی کوئی آئی ڈی۔"
"تمہارا موبائل دیکھ چکا ہوں۔ خیر..... ایپ تو کبھی بھی ان انسٹال کی جا سکتی ہے۔"
"دیکھو! میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو، کیا چاہتے ہو، کس کے لیے کام کر رہے ہو لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میں وہ شخص نہیں جس کی تمہیں تلاش ہے۔"
"تو پھر وہ شخص کیسے ملے گا؟"
"م..... مجھے کیا پتا؟ مجھے چھوڑ دو اور گھر جانے دو! ویسے ہی کل رات سے ہم سب بہت پریشان ہیں۔"
"تمہاری پریشانیوں سے مجھے کیا لینا دینا۔ مجھے بس میری مطلوبہ ویڈیو چاہیے۔"
"اس کا آئی پی ایڈریس ٹریک کرو! پتا چل جائے گا کہ اس آئی ڈی کے پیچھے کون ہے۔" ڈینی بولا تو ماریو سوچ میں ڈوب گیا۔
"ہاں! بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ میں اب یہی کرتا ہوں۔"
"تو مجھے چھوڑ دو! مجھے گھر جانے دو!"
"تاکہ تم پولیس کو جا کر میرے بارے میں سب بتا دو کہ میں نے تمہیں اغوا کیا ہے۔" ماریو مسکرایا اور چیونگم کا ببل بنایا۔
"نہیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" ڈینی نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔ اب اتفاق سے تم یہاں قید ہو، یعنی میں تمہیں اغوا کر چکا ہوں۔ اس اغوا کا کیا فائدہ جس میں تاوان نہ لیا جائے۔"
"کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"تم رچرڈ فرگوسن کے بیٹے ہو اور جیک فرگوسن کے

آوکانیو

بیٹے ہو۔ تمہارے باپ دادا نے کافی پیسہ کمایا ہے۔ اگر چالیس پچاس ہزار ڈالرز مجھے مل بھی جائے تو تمہارے باپ کو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔"
"اب تم میرا تاوان وصول کرو گے؟"
"ہاں! سوچ تو یہی رہا ہوں۔" ماریو، ڈینی کے سامنے میز کے کنارے پر بیٹھ گیا۔
"پکڑے جاؤ گے۔ ابھی مجھے چھوڑ دو، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ چاہے تو میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسی گلی میں چھوڑ آؤ، جہاں سے تم نے مجھے اٹھایا تھا۔ میں تمہارا نام نہیں جانتا، کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔"
"میں یہ خطرہ کیوں مول لوں؟ اور اگر خطرہ مول لینا ہی ہے تو کم از کم اس کی قیمت پچاس ہزار ڈالرز تو ہو۔"
"مجھے چھوڑ دو، میں پاپا سے کہہ کر تمہیں دس ہزار ڈالرز دلوا دیتا ہوں۔"
"تمہارا باپ دس ہزار ڈالرز نہیں، دس سال کے لیے جیل بھجوا دے گا۔" ماریو قہقہہ لگاتا ہوا کمرے سے چلا گیا اور ڈینی اسے آوازیں دیتا رہ گیا۔

☆☆☆

شام کے سات بج رہے تھے۔ جیک کی اوڈی بلیک ٹاؤن کی طرف رواں دواں تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا ایلن اس پر خار کھائے بیٹھا تھا۔
"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ کیوں ہوں؟" ایلن نے تلملا کر کہا۔ جیک نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پھر ونڈ اسکرین کی طرف دیکھ کر بولا۔
"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"
"میں اپنے بیٹے کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ کارل اتنی خوف ناک باتیں بتا رہا ہے اور میں اسے تلاش کرنے کے بجائے تمہارے ساتھ اس البرٹ گینی سے ملنے جا رہا ہوں۔"
"دیکھو ایلن! کارل اور اس کی ٹیم ٹام کی کھوج میں ہیں۔ ایسے میں تم اکیلے کیا کر سکتے ہو؟ جیسے ہی کوئی خبر ملے گی پتا چل جائے گا۔ اب تم چاہتے ہو کہ تم اپنے گھر جا کر اپنی بیوی اور باپ کے ساتھ مل کر ٹام کو یاد کرو اور آنسو بہاؤ، یہ وقت جذباتی ہونے کا نہیں ہے۔"
"اور تم جو جذبات کی رو میں بہک کر البرٹ گینی سے ملنے جا رہے ہو، وہ کیا ہے؟" ایلن کے اس سوال کا جیک کے پاس جواب نہیں تھا۔
"فی الحال میرے پاس اس بات کا جواب نہیں ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں، انسان کی کوشش کبھی رائگاں نہیں جاتی۔"

"تو یہ کوشش ہم نام کو تلاش کرنے کے لیے بھی تو کر سکتے ہیں۔"

"ضرور کر سکتے ہیں۔ اگر کل صبح تک نام کا کچھ پتا نہ چلا تو میں تمہارے ساتھ اسے تلاش کروں گا۔" جیک نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

دس منٹ بعد وہ البرٹ گینی کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ جیک نے گھنٹی بجائی تو ایک انڈونیشین آدمی نے دروازہ کھولا۔ وہ دبلا پتا اور چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔

"جی کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔ وہ ان کی طرف اس انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ دونوں چندہ مانگنے آئے ہوں۔

"ہمیں مسٹر رابرٹ گینی سے ملنا ہے۔" اسی وقت پیچھے سے کسی مرد کی کمزور آواز سنائی دی۔

"ابراہیم! کون ہے؟"

"دو مرد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" ابراہیم نے پیچھے مڑ کر بتایا۔

"کون ہیں وہ؟" قدموں کی آواز سنائی دی۔

ان کے سامنے ایک ستر بہتر سالہ بزرگ کھڑا تھا۔ اس کے سر کے تمام بال سفید تھے اور چہرہ جھریوں زدہ تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کا نائٹ ڈریس پہنا ہوا تھا۔

"میں ہی البرٹ گینی ہوں، آپ کون؟" اس نے پوچھا اور دونوں کو حیرت سے دیکھا۔ دونوں کی شکلیں اس کے لیے جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔

"میں جیک فرگوسن ہوں اور یہ میرا دوست ایلن ایڈورسن۔" ان دونوں کے نام سن کر گینی چونک اٹھا۔

"تو میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"کیا آپ رچرڈ فرگوسن کو جانتے ہیں؟" جیک نے اچانک پوچھا تو گینی کی آنکھیں پھیل گئیں اور چہرہ زرد پڑنے لگا۔

"ہاں! وہ تو پچھلے سال فوت ہو گیا تھا نا!" البرٹ گینی کا انداز ایسا تھا جیسے اسے اپنی یادداشت پر یقین نہ ہو۔

"جی ہاں! مجھے اسی سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" جیک بولا تو اس نے سر ہلا دیا اور انہیں لاؤنج میں بٹھا دیا۔ کمرے کا تمام فرنیچر پرانا تھا لیکن صاف اور خوب صورت تھا۔ کھڑکی پر بھورے رنگ کے پردے لگے ہوئے تھے، قالین اور صوفوں کا رنگ میرون تھا۔ کمرے میں آتش دان بھی تھا۔ گینی آتش دان کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور ان دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کچھ لینا پسند کریں گے؟" ابراہیم نے پوچھا تو دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ کچن میں چلا گیا۔ ابراہیم کے جانے کے بعد گینی نے پوچھا۔

"کیا تم پولیس میں ہو؟ جہاں تک مجھے یاد ہے رچرڈ کا بیٹا پولیس میں تو نہیں تھا۔"

"نہیں، میں آئی ٹی انجینئر ہوں۔ آپ پاپا کو کیسے جانتے ہیں؟"

"پرانی شناسائی ہے۔ میری اسکاٹ لینڈ اور وائن یارڈ میں کچھ زرعی زمینیں ہیں۔ اسی سلسلے میں کبھی کبھار رچرڈ سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ تم نے بتایا نہیں کہ کیا جاننا چاہتے ہو اور میرا پتا کیسے ملا؟"

"دراصل پاپا کو قتل ہوئے ایک سال سے زائد گزر گیا لیکن آج تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ انہیں کس نے اور کیوں قتل کیا۔ میں اسی کھوج میں ہوں۔"

"تم یہاں کیسے پہنچے؟" گینی نے سوال پوچھا تو جیک نے ایلن کی طرف دیکھا اور پھر گلا صاف کرنے لگا۔

"آپ کا نام اور موبائل نمبر مجھے پاپا کی ڈائری میں نظر آیا۔ یہ نام میرے لیے نیا تھا، اسی لیے موبائل نمبر سے پتا نکلوایا اور یہاں آ گیا۔" جیک نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بول کر گول مول جواب دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ گینی اس جواب سے مطمئن ہوا یا نہیں۔

"تو اسپرنگ وُڈ سے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، تم فون بھی کر سکتے تھے۔"

"میں نے فون پر بات کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"

"مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور کیا جاننا چاہتے ہو؟" البرٹ گینی کے چہرے کے تاثرات سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

"صرف یہی جاننے کہ پاپا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ کوئی ایسی بات جو ہماری مدد کر سکے۔"

"دیکھو بیٹا! میں پہلے ایک یتیم خانے میں نوکری کرتا تھا۔ دس سال پہلے وہاں سے ریٹائرڈ ہو گیا اور کچھ زرعی زمین خرید لی۔ رچرڈ سال میں دو تین بار میرے یتیم خانے کا چکر لگاتا تھا اور ذہین بچوں کو اپنے ساتھ اسپرنگ وُڈ لے جاتا تھا جہاں وہ انہیں تعلیم دلواتا اور کامیاب انسان بناتا تھا۔"

"یہ بات تو میں جانتا ہوں۔ پاپا اپنے اسکول کے لیے مختلف یتیم خانوں سے ذہین بچے لے کر آتے تھے۔" جیک نے تائید کی۔

''بس اسی وقت رچرڈ سے دوستی ہوئی پھر اسکو فیلڈ میں کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تھی۔ اب اسے کس نے قتل کیا، کیوں قتل کیا، میں کیا جانوں؟''

''پاپا کے ماضی کی کوئی ایسی بات جو آپ جانتے ہوں اور ہم نہ جانتے ہوں!''

''رچرڈ سے میری ملاقات یا بات چار چھ ماہ بعد ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ میرا روزانہ کا یارانہ نہیں تھا جو وہ مجھے اپنا رازداں بناتا۔ جتنا میں جانتا تھا، بتا چکا ہوں۔ اب میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کرو، میں بوڑھا ہوں اور گھر میں ملازم کے ساتھ اکیلا رہتا ہوں۔ یہ میرے آرام کا وقت ہے۔'' کینی نے وال کلاک پر وقت دیکھا، ساڑھے سات بج رہے تھے۔

''کیا پاپا کا کوئی جاننے والا نیوزی لینڈ میں رہتا ہے؟'' جیک کے اچانک اس سوال پر کینی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور وہ بلک جھپکائے بغیر جیک کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''دروازہ اس طرف ہے۔'' جیک نے ایلین کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور پھر جیک نے پلٹ کر ایک جملہ ادا کیا۔

''آپ کے اس رویے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ کیتھرین ٹیلر کو بھی جانتے ہیں۔''

''میں اسے جانتا ہوں یا نہیں، تمہارا اس بات سے کوئی لینا دینا نہیں۔''

''میں اپنا وزیٹنگ کارڈ یہاں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر آپ کو کچھ یاد آئے یا میری مدد کرنا چاہیں تو ضرور رابطہ کیجیے گا۔'' جیک نے شیلف پر اپنا کارڈ رکھ دیا اور دونوں گھر سے باہر نکل گئے۔ کینی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا دروازے تک گیا اور تالا لگا دیا۔ پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک میسج ٹائپ کرنے لگا۔

''جیک یہاں آیا تھا۔ اسے کیتھرین ٹیلر کا پتا چل چکا ہے۔ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ اب تم دیکھ لو اسے کیسے سنبھالنا ہے۔''

پھر اس نے میسج بھیجنے کے بجائے کال کرنا مناسب خیال کیا اور نمبر ملا لیا۔

☆☆☆

''اب یہ منظر فون پر تو نظر نہیں آ سکتا تھا! اسی لیے میں یہاں تک آیا۔''

''لیکن اب اس سے کیا ثابت ہوگا؟'' ایلین نے پوچھا۔

''یہی کہ البرٹ کینی کچھ چھپا رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ پاپا نیوزی لینڈ گئے تھے، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کیتھرین ٹیلر کون ہے۔ شاید وہ یہ بھی جانتا ہے کہ پاپا اس سے ملنے کیوں گئے تھے۔''

''جیک! میں سوچ رہا ہوں کہ شاید کیتھرین ٹیلر انکل کی پرانی محبوبہ تھی۔ کسی طرح اس نے البرٹ کینی سے رابطہ کیا اور انکل کا نمبر لے کر بات کی۔ دونوں کی پرانی یادیں تازہ ہو گئیں اور انکل اس سے ملنے چلے گئے۔'' ایلین نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''یہ بھی ممکن ہے لیکن پھر اگلا سوال، واپس آنے کے پانچ دن بعد قتل کیوں ہو گئے۔''

''اب یہ ایک دوسرا معاملہ ہے، یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے اور منصوبے کے تحت بھی۔''

''مجھے منصوبہ سازی کی بُو آ رہی ہے۔'' جیک ہارمانے والوں میں سے نہیں تھا۔

''آتی رہے، مجھے کیا۔ مجھے تو اپنے بیٹے کی فکر ہے۔'' ایلین رنجیدہ ہو گیا اور سگریٹ سلگا لیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسپرنگ وُڈ پہنچ گئے اور گھر جانے کے بجائے جیک نے کار اسی کیفے کے سامنے کھڑی کر دی جہاں رچرڈ قتل ہوا تھا۔

''اب تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟''

''آؤ! کیفے کے مالک سے بات کرتے ہیں۔'' جیک نے ایلین کا ہاتھ تھاما اور باہر کھینچنے لگا۔

''ارے بھائی! میں اپنی طرف کے دروازے سے باہر آ جاتا ہوں، مجھے ایسے کیوں کھینچ رہے ہو؟'' ایلین کی بات سن کر جیک مسکرا دیا۔

وہ کیفے میں داخل ہوئے۔ آج ہفتے کی شام تھی اور رات کے نو بج رہے تھے۔ اس وقت کافی شاپ اور کیفے میں رش کم اور نائٹ کلب اور بار میں زیادہ بھیڑ ہوتی ہے، اسی لیے کیفے میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

کیفے کے مالک کا نام برائٹ تھا۔ اس نے ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''خوش آمدید! اس طرف آ جائیں۔''

جیک بھی مسکراتا ہوا میز کی طرف بڑھا اور ایلین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وہ ایکسپریسو پلیز۔" جیک نے آرڈر دے دیا۔

"ہم یہاں کافی پینے آئے ہیں کیا؟" ایلن نے سرگوشی کی۔

"اب کیفے آگئے ہیں تو کافی پینے میں کیا ہرج ہے۔" جیک نے بے پروا انداز میں کہا۔

"پتا نہیں ٹام نے کچھ کھایا پیا ہوگا یا نہیں!" ایلن بڑبڑایا۔

"بے فکر رہو، اسے کچھ نہیں ہوگا۔" جیک نے ایلن کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی۔ کچھ دیر بعد ان کی کافی آگئی اور دونوں کافی پینے لگے۔

کافی پینے کے بعد جیک، برائٹ کے قریب گیا اور بل ادا کرنے کے بعد بولا۔

"میرا نام جیک فرگوسن ہے۔"

"میں جانتا ہوں، آپ رچرڈ فرگوسن کے بیٹے ہیں اور آپ کے ساتھی ایلن کو کون نہیں جانتا، ہمارے کیفے کا اکثر سامان انہی کے اسٹور سے آتا ہے۔"

"کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟ میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو؟" برائٹ نے پوچھا۔

"جب میرے پاپا کو گولی لگی، وہ تمہارے کیفے کے باہر کافی پی رہے تھے۔ اچانک ان کے ماتھے پر گولی لگی اور بھگدڑ مچ گئی۔"

"ہاں تو؟ یہ بات تو سب جانتے ہیں۔ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟" برائٹ نے بھویں اُچکا کر پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کیا تم نے ایسا کچھ دیکھا جو اُن کے قاتل کو تلاش کرنے میں میری مدد کر سکے؟"

"جیک! کیا تم پولیس میں ہو؟"

"نہیں، لیکن میں یہ سب جاننا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر فرگوسن کے قتل کے ایک سال بعد؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ہاں! ایسے ہی۔"

"دیکھو! اُس وقت پولیس کو بھی میں نے یہی بیان دیا تھا کہ میں کیا کوئی بھی نہیں جانتا، گولی کس نے چلائی اور مسٹر فرگوسن کیوں قتل ہوئے۔ ویسے بھی میں کیفے کے اندر کاؤنٹر پر موجود ہوتا ہوں، باہر فٹ پاتھ پر نہیں۔"

"اس وقت تمہارا کوئی ویٹر جو باہر ہو۔"

"جیک! باقی گاہک انتظار کر رہے ہیں، مجھے انہیں بھی دیکھنا ہے۔" برائٹ نے اسے نظر انداز کیا اور کیفے میں داخل ہونے والے ایک جوڑے کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔ ایلن نے جیک کا ہاتھ تھاما اور اسے باہر لے آیا۔

"شوق پورا ہو گیا یا ابھی مزید عزت کروانے کا ارادہ ہے؟" ایلن نے اس سے پوچھا تو اس کیفے کے باہر کھڑے ہو کر دائیں بائیں اور سامنے دیکھنے لگا۔

"پاپا! یہاں بیٹھے تھے اور گولی ان کے ماتھے پر دائیں آنکھ کے اوپر اس جگہ لگی۔ فرانزک رپورٹ کے مطابق گولی تقریباً پینتالیس ڈگری زاویے سے چلائی گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے قاتل اس سفید عمارت میں چھپا ہوگا۔ اس نے گولی چلائی اور فرار ہو گیا۔ اس عمارت کا ایک دروازہ پچھلی سڑک پر کھلتا ہے۔ ضرور اس کا کوئی ساتھی وہاں پہلے سے موجود ہوگا جو کسی گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ پولیس آتی یا لوگوں کو کچھ سمجھ آتا، وہ فرار ہو گئے۔"

"ہاں! پولیس نے بھی یہی رائے قائم کی تھی۔" ایلن نے تائید کی۔

"اگر پاپا کا سر تین انچ بھی بائیں طرف ہوتا تو انہیں گولی نہ لگتی... اور ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کو لگ جاتی۔" جیک رک رک کر بولا۔

"ہاں شاید!"

"تو کیا یہ ممکن ہے کہ قاتل انہیں نہیں، پچھلے آدمی کو مارنا چاہتا ہو اور نشانہ خطا ہو گیا ہو۔" جیک کی بات سن کر ایلن مسکرا دیا اور بولا۔

"میرا خیال ہے کل صبح تمہیں کسی ماہر نفسیات سے ملنا چاہیے۔ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں، پولیس نے بھی کیس اسی لیے بند کر دیا تھا کہ گولی غلطی سے لگی۔"

"سوال اب یہ ہے کہ ان کے پیچھے کون بیٹھا ہوا تھا؟ قاتل کسے مارنا چاہتا تھا اور اگر اس دن وہ شخص بچ گیا تو کیا دوبارہ کبھی اس پر حملہ ہوا؟ کیونکہ اسپیرنگ ہوٹل میں تو اس کے بعد کوئی اور [illegible] اور نہ ہی کسی پر حملہ ہونے کی خبر ملی۔"

"اب یہ کیسے پتا چلے گا کہ ان کے پیچھے کون بیٹھا ہوا تھا؟" ایلن نے پوچھا۔

"سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج سے۔"

"پولیس نے اس وقت فوٹیج دیکھ لی تھیں لیکن کچھ خاص نظر نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی اتنی پرانی فوٹیج کون سنبھال کر رکھتا ہے؟"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ اگر ہم اُس وقت میں واپس لوٹ جائیں تو سب دیکھ سکتے ہیں۔"

"ابھی تو چلو گاڑی میں بیٹھو، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور مجھے سردی لگ رہی ہے۔" ایلن نے اپنے دونوں ہاتھوں

کی ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے کہا۔ اسی وقت جیک کے کان میں کسی نے سرگوشی کی۔

"مجھے پانچ منٹ بعد اگلے چوک پر بینک کے سامنے ملو!"

جیک نے حیرت سے اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ کوئی انڈین یا پاکستانی لڑکا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور جیک کو آنکھ ماری۔ اس نے ارد گرد دیکھا، کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ پھر اس نے ایلن کو اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔

"یہ لڑکا کون ہے اور کیا کہہ گیا ہے؟"

"کہہ رہا تھا کہ اگلے چوک پر ملو!" جیک نے بتایا اور وہ آگے بڑھنے لگے۔

پانچ منٹ بعد وہ تینوں اندھیرے میں کھڑے تھے۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" جیک نے پوچھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا اور بولا۔

"مجھے چھوڑو! صرف یہ بتاؤ کہ ویڈیو چاہیے؟"

"کون سی ویڈیو؟"

"جس کی تمہیں تلاش ہے۔"

"سی سی ٹی وی فوٹیج؟" جیک نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"سی سی ٹی وی فوٹیج کی کوالٹی اچھی نہیں ہوتی میں تمہیں ڈی ایس ایل آر کیمرے کی ویڈیو دے سکتا ہوں۔ تمہارے والد میری آنکھوں کے سامنے قتل ہوئے تھے اور میں نے ویڈیو بھی بنائی تھی۔"

"کیوں مذاق کرتے ہو لڑکے؟ جاؤ اپنا کام کرو!" جیک نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"مذاق نہیں کر رہا۔ جس دن تمہارے والد قتل ہوئے، میرا یہاں پہلا دن تھا۔ میں برائٹ کے ساتھ والے کیفے میں کام کرتا ہوں۔ میں بازار کی ویڈیو بنا رہا تھا تاکہ اپنے گھر والوں کو دکھا سکوں، اسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور بھگدڑ مچ گئی۔ میں بھی بھیڑ کا حصہ بن گیا۔ بعد میں مجھے پتا آیا کہ میرے کیمرے نے کافی کچھ ریکارڈ کر لیا ہے۔" لڑکے نے بتایا۔

"تو تم نے اس وقت پولیس کو کیوں نہیں بتایا؟"

"کیونکہ میں آسٹریلیا میں غیر قانونی طور پر رہ رہا ہوں۔ میرے ویزے کی [illegible] دو سال پہلے ہی ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے میں پولیس کے چکروں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اوہ اچھا ٹھیک ہے، مجھے ویڈیو بھیج دو!"

"پہلے پانچ ہزار ڈالر نکالو!" لڑکے نے مطالبہ کیا تو ان دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"پانچ ہزار ڈالر..... ابھی دو ہاتھ دوں گا اور پولیس کو بلا لوں گا، پھر جیل میں پولیس سے لیتے رہنا پانچ ہزار ڈالر۔" جیک نے اسے آنکھیں دکھائیں تو لڑکے نے کندھے اچکا کر کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی! ویڈیو بھی نہیں ملے گی۔"

"ٹھیک ہے، میں تین ہزار دینے کے لیے تیار ہوں لیکن پہلے ویڈیو دکھاؤ!" جیک بولا۔

"وہ سامنے اے ٹی ایم ہے، وہاں کا چکر لگا آؤ، میں ویڈیو نکالتا ہوں۔" لڑکے نے جیک کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جیک نے ایلن کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم اس کے پاس رہو، میں پیسے نکال کر لاتا ہوں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اس کے پاس کچھ ہے؟ مجھے فراڈ لگتا ہے۔"

"ویڈیو دیکھے بغیر پیسے نہیں دوں گا۔" جیک بولا تو لڑکے نے کہا۔

"ٹھیک ہے، پہلے ایک جھلک دیکھ لو!" لڑکے نے موبائل نکالا اور ایک ویڈیو چلا دی۔ ویڈیو میں رچرڈ فرگوسن کیفے کے باہر کرسی پر بیٹھا رہا تھا۔

"یقین آ گیا کہ میرے پاس ویڈیو ہے؟" لڑکا بولا تو جیک سر ہلاتا ہوا اے ٹی ایم میں چلا گیا۔

دو منٹ بعد وہ واپس آیا، پیسے اُسے پکڑائے اور اس نے ویڈیو جیک کو واٹس ایپ کر دی۔

"کار میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔" جیک نے ویڈیو محفوظ کی اور ایلن کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی اوڈی تک لے گیا۔ کار میں بیٹھ کر جیک نے ویڈیو چلا دی۔ ویڈیو صرف دو منٹ طویل تھی۔ پہلے تو کیفے کے ارد گرد کے مناظر تھے۔ پھر کیمرا رچرڈ فرگوسن پر آیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہی رہا تھا کہ اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور رچرڈ فرگوسن نیچے گر گیا۔ گولی کی آواز سن کر سڑک پر بھگدڑ مچ گئی۔

"[illegible] دیکھو..... یا یا کے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے۔"

[illegible] کی دھڑکن جیک کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کی [illegible] میرا تھن میں دوڑنے لگی۔

"کک..... کون؟"

"ڈرگ ڈیلر رابرٹ روزاریو....."

"کیا کہا روزاریو....." ایلن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں اوہی روزاریو جسے کل رات قتل کر دیا گیا۔"

ماضی سے وابستہ چہروں کی تلاش و جستجو کا سفر ابھی جاری ہے۔ آخری حصہ اگلے ماہ پڑھیں

چالاک

مظہر حسین

کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے پانی کے عمیق دخمیں کے مانند ہوتے ہیں... اپنی جگہ مضبوط... پُرسکوت... مگر اچانک ہی اس ٹھہرے پانی میں ہلچل بپا ہو جاتی ہے... ماضی سے جُڑے ایک واقعے نے ان دونوں کی زندگی کو ہلا ڈالا... چالاک مجرم نے ایسا تانا بانا بُنا کہ ان کے اختیار میں کچھ نہ رہا...

شاطر مجرم کی کھوج میں قانون کے محافظوں کی بروقت کارروائی و تفتیش

پولیس کمشنر بل گرانٹ اپنی مخصوص بھاری آواز میں بولا۔ "اسٹیلن پولیس ہیڈکوارٹرز کی فائلوں میں ہزاروں کیس پڑے ہیں مگر جس پر میری نظر پڑی، اس کا نمبر تھا 99-36۔ وہی..... پورٹر کیس۔

سارا معاملہ شہر سے ذرا باہر ایک چھوٹے سے کتے پالنے والے مرکز سے شروع ہوا تھا۔ مالک تھا، پورٹر۔"

موسم بہار کی برسات کی صبح تھی۔ وہی شکا گو جیسے جھینگے، نہ بارش نہ خشک..... جب ایک 1932 ماڈل کی جیپ نما

گاڑی پارٹر کے دروازے پر آ کر رکی۔ وہ آدمی اترے۔ کوٹ کے کالر اٹھے ہوئے تھے۔

"آپ مسٹر پارٹر ہیں؟"

"جی، میں ہی ہوں پارٹر۔"

"میرا نام ہے بس اور یہ جناب لانگرڈ ہیں۔"

پارٹر نے ذرا اچنبھے سے دونوں کو اندر بلایا۔ لانگرڈ کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو سیدھی بات کم اور اشارے زیادہ کرتی ہے۔

بس نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"اچھا خاصا کاروبار بنایا ہوا ہے تم نے پارٹر۔"

پارٹر فوراً فخر سے بول اٹھا۔ "الحمدللہ، پورے علاقے کے سب سے اچھے کتے میرے پاس ہیں۔ ابھی تو ائر ڈیل نسل کے بچے بھی ہوئے ہیں۔ چاہیں تو مناسب قیمت میں دے دوں۔"

بس ہنسا۔ "نہیں۔ میں اپنی پگڑیاں اٹھائیں۔" اتفاق دیکھیے پارٹر..... ہمارے پاس بھی تھوڑی بہت اطلاعات ہیں اور اس کی تمہیں قیمت بتانے آئے ہیں۔"

پارٹر چونکا۔ "کیا مطلب؟"

"پچاس ہزار۔ اور سمجھ لو، یہ ہم تم پر احسان کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کی قیمت دس ہزار روز اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے۔"

پارٹر نے ہونٹ کاٹ کر پوچھا۔ "آپ لوگ سچ کیا رہے ہیں؟"

لانگرڈ نے خشک آواز میں کہا۔ "جیسا ہم نے کہا تھا..... معلومات۔"

پارٹر کے ماتھے پر قمقمیں ابھر آئیں۔ "مجھے ایسی کوئی بات نہیں پتا جس کی قیمت پچاس ہزار ہو۔"

بس نے ہلکا سا طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "ہاں..... لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں تم نہیں چاہتے کہ لوگ جانیں۔"

پارٹر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ مذاق ہے؟"

لانگرڈ کی نظر جمی رہی۔ "تمہاری بیوی کو یہ مذاق نہیں لگے گا۔"

پارٹر کی آواز پھٹ گئی۔ "بیوی؟ میری بیوی کا..... میں کیا کام؟"

بس نے آہستہ سے کہا۔ "بہت کچھ، پارٹر صاحب..... بہت کچھ۔"

پارٹر کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم رک گئے۔ بس نے ہاتھ کی پشت سے ٹوپی جمائی اور اطمینان سے بولا۔ "یار، کچھ گھٹیا سا نہیں..... بلکہ بہت ہی گھٹیا قسم کا بلیک میلر ہے یہ۔"

پارٹر کے اندر کوئی چیز کسک کر رہ گئی۔

"مسٹر پارٹر، ذرا احتیاط سے۔" لانگرڈ نے ایسے کہا جیسے وہ کوئی نصیحت کر رہا ہو مگر اس کی آنکھوں میں سانپ جیسی چمک ہوئی تھی۔

بس نے جھک کر بات مکمل کی۔ "دیکھو پارٹر..... ہم دونوں ریکس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ آدھی رات سے پہلے آ جانا۔ ہمارے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلے گا۔"

وہ لمحہ بھر رک کر مسکرایا..... وہی مسکراہٹ جو جیبیں ٹٹولتی ہے۔

"پچاس ہزار۔"

پارٹر نے جیسے اپنی جیب ٹٹولی۔ "میرے پاس اتنے پیسے نہیں، اور ہوتے تو بھی تم لوگوں کو نہ دیتا۔"

لانگرڈ نے گردن ٹیڑھی کی۔ "ارے تمہارے پاس نہیں..... بیگم صاحبہ کے پاس تو ہیں نا؟ پچاس ہزار۔ اپنے نام پر لے لینا۔ اور یہ سوچ لینا کہ ہم لیں گے ضرور۔"

☆☆☆

پارٹر گھر آ کے خاموش بیٹھا تھا۔ تین پیالے قہوہ پی کر اس نے ہمت مجتمع کی کہ بیوی سے بات کرے۔

"جنی....." اس نے ہولے سے پکارا۔

"جی، ایرک؟"

"میں نے تمہارے ماضی کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا"

جنی ذرا چونکی، پھر دھیرے سے بولی۔ "ہاں، ایرک، ہم نے تو ہمیشہ یہی طے کیا تھا کہ گزرے وقت کو کبھی یاد نہیں کریں گے..... مگر اب کیا ہوا؟"

پارٹر کا حلق خشک تھا۔ "مجھے کچھ پوچھنا پڑے گا۔"

"پوچھو۔"

"لانگرڈ..... اور بس..... یہ نام تمہیں کچھ یاد دلاتے ہیں؟"

جنی ایک دم ٹھٹک گئی، پھر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا۔

"بس، لانگرڈ؟ نہیں۔ ایرک یہ سب تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کچھ ہے؟" اس کی آواز میں معمولی سی لرزش تھی۔

جنی تڑپ کر بولی۔ "تمہیں میری بات پر شک ہے؟"

"شک نہیں، جنی..... بس..... حالات نے مجبور کر دیا ہے۔ وہ دونوں پیسے مانگ رہے ہیں۔ بہت پیسے۔ تمہارے

ساری جمع پونجی۔"

"کس خوشی میں؟"

پورٹر نے آہ بھری۔ "بلیک میل۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر جنی نے جیسے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

"میں جیل میں رہ چکی ہوں۔ یہ تمہیں نہیں بتایا تھا۔ سوچا تھا نئی جگہ نیا نام رکھ کر سب بھول جاؤں گی۔"

پورٹر کی آنکھ جھپکی۔ "تو پھر یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"پولیس لائن اپ میں میری تصویر ہے۔ برسوں سے کوشش کر رہی ہوں کہ کسی طرح ہاتھ آجائے۔ مگر نہیں ملی... اب وہ یہی تصویر..... یہی چیز... مہنگی قیمت پر بیچ رہے ہیں۔"

پورٹر کے چہرے پر ایک لمحے کو غصہ اور پھر بے بسی چھا گئی۔

"مجھے معلوم ہے وہ کہاں ٹھہرے ہیں۔ میں جا کر سیدھی بات کروں گا۔"

جنی نے فوراً کہا۔ "ایسے لوگ سیدھی بات نہیں سنتے۔"

"تو پھر غلط طریقے سے بات سنا دیں گے"۔ پورٹر کی قلید میں دروازے پر کھڑے کسی نے گلا صاف کیا۔

"جی مسز پورٹر.....؟ میں برتن اٹھالوں؟"

یہ ملڈریڈ تھی..... گھر کی ملازمہ۔ پریشان رہنے میں ماہر۔

جنی چونک کر پلٹی۔ "ملڈریڈ! تم کب سے دروازے میں کھڑی ہو؟"

"بس ایک پل ہوا ہے میڈم۔"

پورٹر نے آنکھیں سکیڑیں۔ "تم نے کچھ سنا تو نہیں؟"

"نہیں مسٹر پورٹر!" اس نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

اس کی آواز اتنی معصوم کہ شک پکے آم کی طرح نرم پڑ گیا۔

"ایک لفظ بھی نہیں۔ بالکل [illegible]

لیکن ملڈریڈ کو نہ [illegible] جو سی بات کو کان سے سنے۔

یہاں ایک سال سے کام کر رہی تھی، مگر چالاکی میں سالوں کی پکی۔

صرف نوے منٹ کے اندر ہی وہ شہر کے تھانے میں بیٹھ کر کمشنر کے سامنے پوری رام کہانی دہرا رہی تھی۔

"اور جناب کمشنر..... ان کے نام ہیں بلس اور لانکرڈ۔"

باہر پولیس اسٹیشن کا گرما گرمی والا شور تھا، مگر ملڈریڈ نے کرسی پر کمر سیدھی کی، سانس لی۔ اس کی چغلی والی باتیں یوں لگ رہی تھیں جیسے کسی راز کی گٹھری کھول رہی ہو۔

"جی کمشنر..... میں نے پورٹر کو یہ کہتے سنا کہ وہ دونوں آدمیوں کو مار ڈالے گا۔"

کمشنر نے سر اٹھایا۔ "ایسے ہی کہہ دیا ہوگا؟"

"نہیں..... اتنے صاف لفظوں میں تو نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہی تھا۔" وہ کچھ دیر انگلیاں مروڑتی رہی۔ "انہوں نے کہا تھا کہ اگر وہ لوگ سیدھی بات نہ سمجھیں تو..... تو وہ معاملہ خود نمٹالے گا۔"

کمشنر نے آہستہ سا "ہوں" کہا۔

ملڈریڈ نے گھبرا کر کہا۔ "میں تو ڈر کے مارے کمرے میں داخل ہوتے ہی کوئی اور بات چھیڑ بیٹھی۔ انہوں نے پوچھا بھی کہ کچھ سنا تو نہیں؟ میں نے فوراً کہہ دیا۔ نہیں جی، ایک لفظ بھی نہیں۔"

کمشنر نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔ "جھوٹ کیوں بولا؟"

ملڈریڈ نے کندھے اچکائے۔ "زیادہ جاننا خطرناک ہوتا ہے، صاحب۔"

کمشنر نے اپنی ہنسی دبائی۔ "اچھا، اب یہ باتیں اپنے پاس ہی رکھو۔ میں تم سے خود رابطہ کروں گا۔"

"مجھ پر بھروسا کیجیے کمشنر، میں سیدھی سیدھی آپ کے پاس ہی آئی ہوں۔ یہی زیادہ محفوظ لگا تھا۔"

کمشنر نے مونچھ کو ہلکا سا سیدھا کیا۔ "اصل محفوظ بات یہ ہے کہ دروازوں کے پیچھے کھڑے ہو کر کان نہ لگائے جائیں، مس کونرز۔"

ملڈریڈ لاجواب ہو گئی۔

"جی۔"

"جائیے۔ خود آپ سے رابطہ کروں گا۔"

☆☆☆

"کیا حکم ہے؟" بیجو نے اندر آتے ہی پوچھا۔

"ہاں، بیجو۔ شہر کے ہر ہوٹل سے ایک بات معلوم کروائو۔" کمشنر نے فائل بند کی۔

"نام ہیں بلس اور لانکرڈ۔"

بیجو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بلس..... لانکرڈ.....

ٹھیک ہے۔" پھر مسکراہٹ دبا نہ سکا۔
"ویسے کشنر..... وہ بُری تو نہیں تھی، ہے نا؟"
کشنر نے چونک کر دیکھا۔ "کون؟"
"ارے وہی..... ابھی جو گئی ہے۔"
کشنر نے حیرت سے کہا۔ "سچ پوچھو تو میں نے تو غور ہی نہیں کیا۔"
بچو ہنسا۔ "کشنر صاحب، ذرا آرام سے، آخر کار آپ بھی تو انسان ہیں۔"
کشنر نے فائل بند کرتے ہوئے کہا، "آرام تو دوں گا..... مگر پہلے یہ نوکری کی پیچیدگیاں سمجھ لوں۔ کبھی کبھی تو یہ لگتا ہے کہ مریخ میں رہنا کہیں زیادہ آسان تھا۔ وہاں صرف فوجی سختیاں برداشت کرنی ہوتی تھیں اور خطرات سے بچنا تھا۔ مگر یہاں..... یہاں ہر چہرے کے پیچھے ایک الگ کہانی چھپی ہوئی ہے۔"
بچو نے ہنس کر کہا۔ "مگر کچھ لطف بھی ہے اس کام میں۔"
کشنر نے دروازے کی طرف دیکھا۔ "ہاں..... ایک لطف تو باہر انتظار کر رہا ہے۔"
"کون؟" بچو نے آنکھ دبائی۔
"کرائم سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ کی وہ لڑکی..... لبی ٹائلر۔"
دروازہ کھلا۔
"آیئے، مس ٹائلر۔"
"شکریہ سارجنٹ۔ صبح بخیر کشنر۔"
"صبح بخیر۔ بیٹھیں۔"
کشنر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ کی فضا کیسی ہے آج کل؟"
لبی نے مسکرا کر کہا۔ "اتنی اچھی کہ آپ کو یہ بتا سکتی ہوں کہ وہ لڑکی..... جسے آپ نے ابھی رخصت کیا ہے، پوری کی پوری جذباتی ہیجان میں مبتلا ہے۔"
کشنر نے حیرت سے پوچھا۔ "اس کا کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ اس کی باتوں پر بھروسا نہ کریں۔ ایسے لوگ باتیں بڑھا بھی دیتے ہیں اور گھٹا بھی دیتے ہیں۔"
کشنر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔
"مگر اس نے تو کوئی ایسی کہانی نہیں سنائی ہے کہ مسٹر پورٹر دو آدمیوں کو قتل کرنے کی دھمکی دے رہے تھے جو اس کی بیوی کو بلیک میل کر رہے ہیں۔"
لبی نے کہا۔ "میں مسٹر پورٹر اور ان کی بیوی کو جانتی ہوں۔ میں نے اپنا نسلی کتا انہی سے لیا تھا۔ ان دونوں میں تو چیونٹی بھی مارنے کی ہمت نہیں۔ قتل؟ ان کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ میرا خیال ہے شاید یہ بلیک میلر نام کی چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو۔"
اتنے میں سارجنٹ اندر آیا۔
"معاف کیجیے مس ٹائلر..... سر، ایک شخص رالف لانگفرڈ، ریکس ہوٹل میں ملا ہے۔ روم نمبر 908۔"
کشنر نے فائل بند کی اور مسکرا کر لبی سے پوچھا۔ "تو مس ٹائلر..... کیا خیال ہے؟ چلیں؟ ایک غیر موجود بلیک میلر کو حقیقت میں دیکھنے؟"

☆☆☆

کشنر بل گرانٹ اور لبی ٹائلر ریکس ہوٹل پہنچے، وہاں ریسپشن پر پوچھ گچھ ہوئی تو پتا چلا لانگفرڈ کمرے میں ہے۔
انہوں نے دو سیڑھیاں چڑھیں اور دروازے پر پہنچ کے ہولے سے دستک دی۔
"لانگفرڈ؟ دروازہ کھولیے۔ بات کرنی ہے۔"
لبی نے ہینڈل گھمایا۔
"کھلا ہے۔ آیئے۔" کمرا ساکت تھا۔ کھڑکی کے باہر ہلکی ہوا، اندر تاش کے پتوں کی نرم سی خشخش سنائی دے رہی تھی۔
لبی دھیرے سے بولی۔ "وہ رہا..... میز پر بیٹھا۔"
بل نے قریب ہو کر دیکھا۔ "معاف کیجیے گا سر، آپ کی تنہائی میں خلل پڑا۔" پھر اچانک اس کی آواز بدل گئی۔ تنی، گھٹی گھٹی سی اور سنجیدہ۔
لبی نے چونک کر دیکھا۔ "کیا ہوا؟"
بل نے نظریں جھکا دیں۔ "چہرہ دیکھو، لبی..... مسٹر لانگفرڈ مر چکے ہیں۔"
کرسی پر الٹا ہوا بدن آہستہ سے بائیں جانب کو لڑھکا۔ کان کے نیچے باریک سا سوراخ اور کمرے میں ہلکی سی بو بسی تھی۔
لبی نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "کتنا خوفناک ہے۔"
بل نے کہا سیدھی کی، پھر تیزی سے کمرا الٹ پلٹنے لگا۔ "ملازمہ نے جو بتایا تھا، سیدھی بات ہے۔ کوئی تصویر..... جو ہونا چاہیے... خانہ پری نہیں۔ کوئی خط، کوئی ثبوت۔ مسز پورٹر پر تھوپ رہے تھے۔"
لبی نے پلٹ کر کہا۔ "اگر کسی نے قتل کیا ہے تو وہ ثبوت ساتھ لے گیا ہوگا، بل۔"
"ضروری نہیں۔ گھبراہٹ میں لوگ اکثر اصل چیز چھوڑ

جانے لگی۔"
لبی نے دروازے کھولیں۔ کاغذوں کی بو، ایک آدھ رسید، پرانی سگریٹ کی ڈبیا۔
"میز..... یا شاید بیگ..... یا بستر کے پاس والی الماری۔ ذرا دیکھو ادھر۔"
لبی نے آہستگی سے وارڈروب کا ہینڈل گھمایا۔
دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ یوں کھلا جیسے برسوں کی خاموشی ٹوٹ رہی ہو۔
وہ بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ "ڈپارٹمنٹ کے ڈاکٹر فرما رہے تھے کہ مسٹر اور مسز پورٹر کا طور طریقہ قاتلوں جیسا نہیں۔ ایسا لوگ کہتے ہیں....."
بل نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی بات کاٹی۔ "تو ڈاکٹر صاحب کو لکھ بھیجنا کہ دوبارہ دماغ استعمال کریں۔ اور پہلے یہ تو دیکھو کہ دروازے کے پیچھے کون کھڑا ہے؟"
لبی کے قدم زمین سے جیسے چپک گئے۔ آنکھیں پھیل گئیں۔
سانس حلق میں اٹک گئی۔ الماری کے اندر سے مسز پورٹر نمودار ہوئیں۔ چہرہ برف کی طرح سفید، ہاتھوں میں لرزش سی اور نگاہوں میں ایسا ٹوٹا ہوا اعتماد جیسے آدمی اچانک سمجھ لے کہ دنیا اس کے خلاف کسی خاموش سازش پر آمادہ ہے۔
وہ لڑکھڑاتی آواز میں بولی۔ "میں..... میں بے قصور ہوں..... خدا کی قسم! میں تو..... میں تو بس ڈر کے مارے چھپ گئی تھی۔"

☆☆☆

تین منٹ بعد ہیڈ کوارٹرز کی چہل پہل میں کمشنر کی آواز سنائی دی۔ "ہاں بچو، جب تک میں خود نہ کہوں، کوئی مجھے اسٹرب نہیں کرے۔"
کمرا بند ہوا۔ کاغذوں کی سرسراہٹ تھمی، جیسے اس بات کا انتظار ہو کہ اگلا دروازہ کس پر کھلے گا۔

☆☆☆

کمرے میں کمشنر کسی فائل میں غرق تھا، تھوڑی دیر بعد کمشنر نے پنسل بند کی اور کہا۔ "چلیے مسز پورٹر، اب سارا حال صاف صاف سنا دیجیے۔"
وہ پہلو بدل کر بولی، آواز میں گھبراہٹ کی ہلکی سی تہہ تھی۔ "کمشنر گرانٹ، میں دو بار بتا چکی ہوں۔ میں ریمس ہوٹل میں لانگ سلانگ فرڈ کے کمرے میں گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھا تھا.....
"اور پھر؟" کمشنر نے قدرے ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔
"پھر..... دروازے پر آپ اور مس ہاٹلر کی آہٹ آئی۔ میں گھبرا گئی اور جھٹ سے الماری میں چھپ گئی۔"
"کیوں؟"
"مجھے لگا میری موجودگی ہی مجھے مجرم بنا دے گی۔"
کمشنر نے مسکرا کر قلم میز پر رکھا۔ "مسز پورٹر، آپ کے گھر میں خادماؤں کا معمولی سا مسئلہ ہے۔"
"خادمہ؟ کیا مطلب؟ وہی ملازمہ ایک سال سے ہے ہمارے پاس..... ملڈرڈ کونرز۔ بہت بھلی لڑکی ہے۔"
"نام بھی وہی ہے اور آج ٹھیک گیارہ بجے سے چند منٹ پہلے وہ میرے دفتر میں آ کر بتا گئی کہ آپ اور آپ کے شوہر پر دو افراد لانگ فرڈ اور بلس..... بلیک میلنگ کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔"
وہ چونکی۔ "اس نے..... اس نے واقعی کہا؟"
"اور یہ بھی کہ آپ کے شوہر نے کہا کہ اگر وہ لوگ سیدھی بات نہ سمجھیں تو معاملہ وہ خود نمٹا لیں گے۔"
وہاں خاموشی اتر آئی۔ مسز پورٹر کی نظریں زمین پر رہیں، مگر دل شاید کہیں گم ہو گیا تھا۔
کمشنر نے آہستہ سے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کے شوہر آپ سے پہلے ریمس ہوٹل پہنچ گئے ہوں؟ بعد میں آپ نے لانگ فرڈ کو مردہ دیکھا..... کیونکہ انہیں آپ کے شوہر نے مارا ڈالا؟"
وہ جیسے کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "نہیں۔ ناممکن۔"
"کیوں؟"
"کیونکہ..... میں نے قتل کیا ہے۔"
کمشنر نے کاغذ آگے سرکایا۔ "اس بیان پر دستخط کریں گی؟"
"جی۔"
"ہتھیار کہاں گیا؟"
"کھڑکی سے نیچے صحن میں پھینک دیا تھا۔ ہوٹل ریمس کے آنگن میں۔"
اتنے میں انٹرکام بجا۔ "جی، مجھ بول رہا ہوں، کمشنر....."
"مد نہ کہا تھا مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے!"
میں —
"مسٹر پورٹر نے —
"نہیں، ٹھہاؤ۔ میں نے ابھی ان کی نبض — لیا ہے۔"

☆☆☆

"اور سر..... راجرز نے مسز پورٹر سے بھی اقبالِ جرم لے لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں لانگرڈ کو انہوں نے مارا ہے۔"

تبھی دروازہ کھلا۔

"کمشنر گرانٹ....."

"ایرک! تم یہاں؟" مسز پورٹر بول اٹھی۔

ایرک پورٹر نے کپڑوں کی شکنیں سیدھی کیں۔

"میں آج گیارہ بج کر پانچ منٹ پر لانگرڈ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔"

"کمشنر، ان کی بات مت مانیے گا۔" جنی کی آواز روہانسی ہوگئی۔

"فائدہ نہیں، جنی۔ یہ میں نے کیا ہے۔"

"جھوٹ ہے! قاتل میں ہوں..... میں!"

کمرے کی فضا میں ایک عجیب سا تناؤ آ گیا..... جیسے دونوں ایک دوسرے کی ڈھال بننے پر تلے ہوں۔

کمشنر نے کرسی سے ٹیک ہٹائی۔

"مسز پورٹر، ذرا سنبھلیے۔ ابھی کسی کو قاتل قرار نہیں دیا گیا۔ کارروائی کے لیے کسی ایک کو روکنا ہوگا اور وہ آپ کے شوہر بھی ہو سکتے ہیں۔ بیجو، انہیں لے جاؤ۔"

☆☆☆

دوپہر کی دھوپ کھڑکی کے شیشوں پر رینگ رہی تھی۔

"لنچ کر لو، بل۔" لبی بولی۔

"بھوک نہیں۔" کمشنر نے فائل بند کی۔

"ناشتا زیادہ ہو گیا تھا یا شاید اعترافات بہت زیادہ ہو گئے۔ سچ کون بول رہا ہے..... سمجھ نہیں آ رہا۔"

"کچھ بھی تو ہو سکتا ہے..... دونوں سے کوئی بھی نہیں؟" لبی نے آہستگی سے کہا۔

"ممکن ہے۔ مگر ایک حقیقت ہے کہ مسز پورٹر موقع واردات پر تھیں اور ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔"

"چھوڑا تو نہیں، بل۔" وہ تھوڑی سی مسکرائی۔ "پیچھا تو ہو ہی رہا ہے نا؟"

"ہو رہا ہے اور جب تک ہتھیار نہیں ملتا، ہم حتمی بات نہیں کر سکتے۔"

"پتا کیا ہتھیار کہاں ہوگا؟"

"ان کا کہنا ہے لانگرڈ کے کمرے کی کھڑکی سے صحن میں پھینکا تھا۔ بیجو نے لوگوں کو بھیج دیا ہے۔ دیکھیے کیا ہاتھ آتا ہے۔"

"اور اگر پستول مل گیا؟" کمشنر کی آواز گلوگیر تھی۔

"تو پھر مسز پورٹر آزاد..... اور ان کی بیگمانہ..."

دروازہ آہستگی سے کھلا۔

"کمشنر....." بیجو اندر آیا، کپ میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"کافی لیں گے؟"

کمشنر نے کپ دیکھا۔ پھر کھڑکی کے باہر۔

"ہاں بیجو..... لاؤ۔"

"سچ بھی کبھی کافی کی طرح ہوتا ہے..... دیر سے کڑوا ہے، مگر کپ میں آ کر اپنی خوشبو نہیں چھپا پاتا۔"

کمشنر نے کرسی کی پشتی دبائی۔ "نہیں..... ابھی کافی کی گولی بھی چل سکتی ہے۔ سر پھٹا جا رہا ہے۔"

بیجو نے ہونٹ اچکائے۔ "اب کیا ہوا؟"

"ابھی لڑکوں کی رپورٹ آئی ہے۔" کمشنر نے فائل کھولی۔ "ریکس ہوٹل کا اندرونی صحن یاد ہے؟ وہی جس کا لوہے کا دروازہ صبح چھ بجے بند کر دیا جاتا ہے۔ چھ کے بعد جو چیز بھی وہاں پھینکی جائے گی..... وہ وہیں کی وہیں ملے گی۔"

"تو.....؟"

"تو لڑکوں نے پورا صحن چھان مارا۔ ہر کونہ، ہر جھاڑی، ہر پائپ کے نیچے۔"

بیجو نے سانس روک کر پوچھا۔ "اور؟"

"پستول نہیں ملا۔"

لبی نے بھویں چڑھا لیں۔ "یعنی.....؟"

"یعنی مسز پورٹر نے غلط بیانی کی ہے۔" کمشنر نے آہستہ کہا۔

"وہ اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔"

لبی نے غور سے دیکھا۔

"تو آپ سمجھتے ہیں قاتل مسز پورٹر ہے؟"

کمشنر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "مجھے لگتا ہے" اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے، لبی۔ شاید اسے لگا کہ اگر اس نے کچھ نہ کیا تو جنی خود جا کر لانگرڈ کو ختم کر آئے گی۔ اور وہ اس سے پہلے معاملہ نمٹا دینا چاہتا تھا۔"

ویٹر پاس آیا۔ "کمشنر، فون ہے۔"

"لاؤ بھائی۔" بل نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو....."

دوسری طرف سے ایک عجلت بھری، نسوانی آواز آئی۔

"میں مسز پورٹر ہوں۔ کمشنر، میرے شوہر کو فوراً رہا کیجیے۔"

"مسز پورٹر، یہ سب پہلے ہو چکا ہے۔"

"نہیں! ایک بات ابھی تک نہیں ہوئی۔ لانگرڈ کا قتل

کس وقت ہوا تھا؟"

"دس بج کر تیس سے لے کر گیارہ بجے کے چند منٹ بعد تک۔ زیادہ سے کم۔"

"بہت خوب۔" آواز میں چبھتا ہوا سا استہزا آ گیا۔ "اب فوراً چیمبر آف کامرس میں جج ہارلے کو فون کیجیے۔ وہ بتائیں گے کہ میرا شوہر صبح نو بجے سے دوپہر تک ان کے کمرے میں بیٹھا تھا۔"

کمشنر ایک لمحے کو چپ رہ گیا پھر ریسیور رکھ کر دھیرے سے بولا۔ "بجو ..... پورٹر کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ثبوت بالکل فٹ..... بالکل نئے جوتے کی طرح۔"

لبی مسکرا کر بولی۔ "اب دیکھیے..... پہلے بیوی قاتل، پھر شوہر قاتل، پھر اچانک دونوں بے قصور..... ہمارے پاس پکڑنے کو اب کوئی نہیں۔"

کمشنر نے جھنجلا کر میز کے گرد چکر لگانا شروع کیا۔

"ایک منٹ میں پورا کھیل الٹ گیا۔" اس نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"باہر جا کر چہل قدمی کر لیجیے۔" لبی نے کہا۔ "آپ کے قدموں کو سکون چاہیے۔"

کمشنر رُک کر بولا۔ "جانتی ہو، مجھے حیرت بالکل نہیں۔"

"حیرت کیوں ہو بھلا؟" لبی نے کندھے اچکائے۔

"جو افراد ایک دوسرے کو بچانے کے لیے خود پر قتل کا الزام ڈال رہے ہوں..... وہ اصل قاتل کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"تو پھر کس پر شک کریں؟" کمشنر نے پیشانی مسلی۔

لبی نے تھوڑا سا جواب دیا۔ "اسی پر جو حقیقت میں مجرم قسم کا آدمی تھا۔ یعنی بلس۔ لانگمر ڈ کا یار۔ جسے کسی نے گنتی میں ہی نہیں لیا۔"

کمشنر نے چونک کر کہا۔ "میں تو ساڑھے گیارہ سے اپنی ٹیم کو اسے ڈھونڈنے پر لگائے ہوئے ہوں۔"

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

بجو نے اندر آ کر کہا۔ "کمشنر..... اندازہ لگائیں کون آیا ہے؟"

"کون؟"

"بلس۔ کسی نے پکڑا نہیں..... خود آیا ہے۔"

کمشنر نے کرسی سیدھی کی۔ "بھیجو اسے اندر۔"

بلس اندر آیا تو اس کے چہرے پر ایک ایسی کیفیت تھی جس میں شرمندگی بھی تھی، ڈر بھی اور بے بسی بھی۔

"ہاں بھئی بلس، کیا چاہیے؟"

وہ ہولے سے بولا۔ "آپ سے بات کرنی تھی۔ سنا ہے آپ کو معلوم ہے میں آج صبح پورٹر کو پچاس ہزار کے بے بلیک میل کرنے گیا تھا۔"

"ٹھیک سنا۔" کمشنر نے کہا۔ "لانگمرڈ نے مقتولہ دیا تو تاکہ آسانی سے پیسہ ہاتھ آ جائے گا؟"

بلس ہلکا سا کر بولا۔ "ہاں..... مگر اس کے لیے آسان ثابت نہیں ہوا۔"

کمشنر نے آنکھیں اٹھائیں۔ "اور اب ڈر رہا ہے کہ اگلا نمبر تمہارا ہے؟"

بلس نے پھیکی آنکھوں کے ساتھ سر ہلایا۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور
ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی، ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک کتاب کے لیے 12 روپے [illegible]
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 3,500 روپے

بیرون ممالک کے لیے زرسالانہ 50,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین
یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

مرزا اثمر عباس

0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی
مین کورنگی روڈ۔ کراچی

"جی..... یہی ڈر ہے۔"

☆☆☆

کشنر نے پیشانی دبائی۔ "اچھا، بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

بلس نے ہلکا سا کھانسا۔ "جو چیز ہم مسٹر پورٹر اور مسز پورٹر کو دکھا کر بلیک میل کرنے والے تھے..... وہ سب میرے کمرے میں ہے۔"

کشنر نے آنکھ اٹھائی۔ "اور اب پچاس ہزار سے کم پر راضی ہو؟"

بلس نے دونوں ہاتھ اوپر کیے۔ "بالکل نہیں۔ کچھ نہیں۔ مفت میں۔ بس میں وہ چیزیں آپ کے حوالے کردوں اور آپ قاتل کو بتا دیں کہ میں کاروبار سے ہاتھ اٹھا چکا ہوں۔"

کشنر نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے مسٹر بلس..... سودا پکا۔"

وہ تنگ گلی جیسے کوریڈور سے گزرے۔ بوسیدہ پینٹ، نم دیواریں، اوپر سے چھینٹے گرنے کی بوند بوند آواز۔

"یہ میرا کمرا..... یہی ہے۔" بلس نے چابی گھمائی۔

"بیجو، آؤ اندر۔" کشنر نے کہا۔

"روشنی؟" بیجو نے ہاتھ دیوار پر پھیرا۔

بلس ہنسا۔ "ٹھہرو، ماچس جلاتا ہوں۔ ابھی اتنا وقت نہیں گزرا کہ سوئچ ہاتھ سے ڈھونڈ لوں۔"

چٹاخ۔ ماچس کی تیلی روشن ہوئی۔ پہلی جھلک میں کمرا ایک دم ہلکا سا چمکا اور اگلے ہی لمحے اندھیرے نے آواز سمیت نگل لیا۔

گولیاں اتنی تیزی سے چلیں کہ بلس کے ہاتھ کی تیلی فرش پر پہنچنے سے پہلے ہی جل رہی تھی۔

وہ دھڑام سے گرا۔ ماچس بجھ گئی۔ کشنر نے دیوار پر ہاتھ مارا، سوئچ ملا، بلب جل پڑا۔ تب تک قاتل کھڑکی سے باہر پانی کے پائپ پر سے اتر چکا تھا۔

بیجو گیلے لپکا، ریلنگ ملی، لوہے کی سیڑھیوں کی کھٹک سنائی دی۔

جھک کر بلس نے سوئچ ڈھونڈ لیا۔ دونوں لاش کے پاس جھکے۔ لبی کی سانس تیز ہو رہی تھی۔

"پیغام کون کر گیا بلس؟"

کشنر کی آواز میں ہوشیاری تھی۔ کوئی اپنا۔ کوئی ایسا جو کسی چیز کو ہم سب کی آنکھ سے بچانا چاہتا تھا۔

"بلیک میلنگ کا ثبوت؟ اور کیا!" لبی بولی۔

"تم کہتے تھے وہ چیزیں لے گئے؟"

"ممکن ہے لے گئے ہوں..... ممکن ہے اٹھا لانے کی جلادی ہو۔"

کشنر نے چولہے کی طرف اشارہ کیا۔ "ان راکھوں کی گرمی ابھی باقی ہے۔ دیکھو....."

لبی نے چونک کر ہاتھ پیچھے کھینچا۔ "اف..... یہ بھی گرم ہے۔"

"وہ جگ خالی ہے؟" کشنر نے اشارہ کیا۔ "جگ میں پانی بھرو..... بس..... اب مجھے دو۔"

"اور کچھ کر سکتی ہوں؟" لبی نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ خبر چوبیس گھنٹے تک اخبار میں نہ جائے۔ بلس کی موت شائع مت ہو..... تمہیں معلوم ہے کیوں؟"

لبی نے آنکھیں سکیڑیں۔ "اور تم یہ راکھ جگ میں کیوں بھر رہے ہو، بل؟"

"وجوہات ہیں۔" کشنر نے مختصر کہا۔ "یہ لیب جائے گی۔ جو کچھ بچا کھچا ہے، وہ لو کے نکال لیں گے۔ کتنا بتا سکیں گے، صبح رپورٹ آجائے گی..... پتا چل جائے گا۔"

☆☆☆

بیجو اگلے دن نظر آیا۔

جو بھی پانی کے پائپ سے اترا تھا، بیجو کو ایسے گول گھما تا رہا کہ انجام کچھ نہ نکلا۔ وہ دفتر میں داخل ہوا تو چہرہ ہوا تھا۔

"کشنر، یہ کیس تو مجھے گھما کر چکرا دے رہا ہے۔"

"ایسا ہے؟" کشنر مسکرایا۔ "ادھر دیکھو..... یہ ڈبا؟ راکھ۔"

"راکھ؟"

"ہاں، بیجو..... راکھ۔ لگتا ہے جس نے ہمارے دونوں بلیک میلروں کو راستے سے ہٹوایا، اسی نے بلس کے کمرے کے چولہے میں ثبوت جلا دیے۔ ٹھیک اس سے پہلے کہ ہم اندر پہنچے۔"

"تو ہمارا کام ختم؟" بیجو نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ "یا پھر..... اصل جلا دیے، لیکن کہیں نہ کہیں کچھ اور ثبوت ضرور ہوگا؟"

"ہو بھی سکتا ہے، نہیں بھی۔ اور سیدھی بات یہ ہے کہ ہم بھی ابھی تک کچھ نہیں جانتے۔"

کشنر نے پیڈ کھینچا۔ "قلم دو۔"

"کیا لکھ رہے ہو؟"

"اخبار کے اشتہار والے کالم کے لیے....."

کاغذ پر چھوٹا سا جملہ ابھرا۔ "مسٹر بلس، آپ کے فوٹو اسٹیٹ تیار ہیں۔"

"اسے دوپہر کے ایڈیشن میں چھپوا دو، بیجو۔"

بیجو نے سیٹی بجادی۔

"سمجھ گیا! جو بھی اس فوٹو اسٹیٹ کے پیچھے پڑا ہے، وہ خود بخود گرفت میں آجائے گا۔ دو قتل کے بعد تو کوئی..... کاغذ باہر رہنے نہیں دے گا۔"

"مگر اس میں پتا، دکان، کچھ بھی تو نہیں!" بیجو نے پلک جھپکی۔

"شہر میں فوٹو اسٹیٹ بنانے والی آدھی درجن جگہیں ہیں۔ جسے دلچسپی ہوگی، وہ سب کے چکر لگائے گا۔"

"اور ہم آدھی درجن جگہوں پر ایک ساتھ کیسے بیٹھیں؟"

"نہیں بیٹھیں گے۔" کمشنر نے کرسی سیدھی کی۔

"ہم ایک دکان چنیں گے..... اور وہیں انتظار کریں گے۔ اولڈ مین شمٹ کا فوٹو ایٹک ایک پرانا سا کمرا ہے جو عقبی حصے میں واقع ہے۔ اس کا دماغ بھی تیز ہے..... اشارہ سمجھ جائے گا۔"

بیجو کے ہونٹوں پر تھکی ہوئی سی مگر مطمئن مسکراہٹ آئی۔

"سمجھ گیا، کمشنر۔ جال بچھ گیا ہے..... اب مچھلی کا انتظار۔"

کھڑکی سے ہلکی سی ہوا اندر آئی۔

چولھے کی راکھ کے ذرے جگ میں ٹھہر گئے، جیسے وقت معلق ہوں..... بس پڑھنے والے کا انتظار کر رہے ہوں۔

بیجو نے گھڑی دیکھ کر ذرا اکڑ کر کہا "اچھا یوں کریں..... آپ سے ساڑھے بارہ بجے وہیں ملاقات ہوگی۔ اور دیکھیں، تاش کی گڈی ضرور لیتے آئیے گا۔"

ساڑھے بارہ پر ہم دونوں شمٹ فوٹو اسٹوڈیو پہنچے..... وہی پرانا سا دکانچہ، جس کے باہر ہمیشہ دو تین ٹوٹی کرسیاں دھوپ میں تپتی رہتی ہیں، اوپر سے شمٹ صاحب کا کڑک لہجہ والا "آتا ہوں" کبھی ایک منٹ میں پورا نہیں ہوتا۔

ہم نے پہلے ہی بوڑھے شمٹ کو پوری صورت حال سمجھا دی تھی۔ پھر دکان کے پچھلے کمرے میں تاش بچھا کر بیٹھ گئے، جہاں سے سامنے والے کاؤنٹر پر آنے جانے والوں کا صاف نظارہ آتا تھا۔ باہر گلی میں مکا کولی بے ہنگم ٹریفک چیخ رہی تھی تو اندر بھاری کیمیکلز کی خوشبو تیر رہی تھی۔

ٹھیک دو بج کر چودہ منٹ پر دروازہ کھلا اور اندر داخل ہوئی محترمہ پورٹر۔ "شمٹ سر، میں فوٹو اسٹیٹ لینے آئی ہوں۔"

"فوٹو اسٹیٹ؟" شمٹ نے عینک کے اوپر سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی۔ مجھے مسٹر بلس نے بھیجا ہے۔"

"اچھا..... وہ بلس!" شمٹ نے دانتوں میں زبان پھنسائی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"لیکن میڈم، بغیر ان کے تو نہیں دے سکتا۔"

"ارے مگر..... اگر میں تصویر کا حلیہ بتادوں تو؟"

"ضرور۔ اگر آپ کو واقفیت ہے، تو شاید بلس صاحب نے آپ کو باقاعدہ اعتماد میں لیا ہوگا۔"

محترمہ پورٹر نے گلا کھنکھارا۔

"وہ..... ایک پولیس کی تصویر ہے..... امریکا کے کسی شہر کی..... لڑکیوں کی قطار..... سفید کپڑوں میں ایک عورت..... بائیں سے تیسری۔"

شمٹ نے اچنبھے سے گردن ٹیڑھی کی اور فوراً سخت لہجہ بنا لیا۔ "میڈم، ہمارے پاس ایسی کوئی فوٹو رکھی ہی نہیں۔ البتہ..... پچھلے کمرے میں دو حضرات ہیں، وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہیں گے۔"

محترمہ پورٹر نے انہیں بیٹھے دیکھا تو جیسے ان کی ٹانگوں میں جان نہیں رہی۔ مگر چہرے کو سنبھالنے کے بعد سانس بحال ہوئی اور بات چلی ہی رہی تھی کہ دس منٹ بعد دروازہ دوبارہ کھلا۔

اس بار ایک اور خاتون اندر آئیں۔ کچھ گھبراہٹ کے ساتھ مگر ان کا اعتماد کچھ مصنوعی سا تھا۔

"میں فوٹو اسٹیٹ لینے آئی ہوں۔ مسٹر بلس نے بھیجا ہے۔"

گولی

ایک دن مریض شہر کے ایک حکیم کے پاس گیا اور کہا۔

"حکیم صاحب دو دن سے میرے پیٹ میں گڑبڑ ہے۔ بار بار مروڑ اٹھ رہا ہے۔"

حکیم نے کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے میں ایک گولی لپیٹ دی اور کہا۔ "اسے جا کر نیم گرم پانی سے کھالو۔ آرام آجائے گا۔"

مریض نے کہا۔ "پہلے تو آپ ہر مرض کے لیے علاج کے طور پر سنوف کی پڑیا دیا کرتے تھے؟"

حکیم صاحب بولے۔ "میرے بھائی ان دنوں تو ہر گڑبڑ کا علاج گولی ہی ہے۔"

ڈیرا اسماعیل خان سے سوڈی سنگھ کا جواب

شمٹ نے روایتی سکون سے پوچھا۔ "اچھا..... تو کیا آپ ان تصاویر کے مندرجات بیان کر سکتی ہیں؟"

"کیوں نہیں، میں نے خود بنوائے تھے۔" انہوں نے ذرا گردن اٹھائی۔

"میں..... یعنی..... وہی لڑکی ہوں جسے مسٹر پورٹر خط لکھا کرتے تھے۔ میرا نام میل کانر ہے۔"

"اچھا جی!" شمٹ نے طنزیہ حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"تو ان خطوط کی نوعیت؟"

وہ تڑپ گئیں۔ "کیا ضروری ہے؟"

شمٹ نے بس اتنا کہا۔ "اگر تصاویر چاہیے ہوں..... تو پھر ضروری ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولیں۔ "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے..... وہ محبت نامے تھے۔ میں اور مسٹر پورٹر..... بھاگنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"جیسا آپ نے فرمایا۔"

شمٹ نے ایک لفافہ نکال کر آگے کر دیا۔ "یہ لیجیے، جو ڈھونڈ رہی تھیں۔"

مگر اگلے ہی لمحے میل کانر نے پرس سے کچھ نکالا..... چمکتی ہوئی دھات۔ "اب میری باری ہے، شمٹ صاحب۔ آپ نے مجھے سب کچھ بتانے پر مجبور کیا۔ اب..... آپ بہت کچھ جان چکے ہیں۔ اتنا ہی جتنا بلس اور ونگفرڈ جانتے تھے اور مجھے انہیں بھی ختم کرنا پڑا۔"

شمٹ جیسا شخص پہلی بار پیچھے ہٹا۔ "اچھا..... اب آجائیں اس کمرے میں۔"

ہم دونوں فوراً کھڑے ہوئے۔

"بس، ملڈرڈ!" میں نے آواز سخت کی۔ "آپ کو قتل کے الزام میں روکنا پڑے گا۔"

وہیں ان کے ہاتھ لرز گئے۔ باہر گلی میں سائیکل والا گھنٹی بجاتا گزر رہا تھا۔ اندر کا ماحول آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونے لگا۔

لبی نے میری طرف فخر سے دیکھا۔ "زبردست کام کیا ہے بل!"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اتنا مشکل بھی نہ تھا۔"

لبی نے پوچھا۔ "مگر شمٹ صاحب کو کیسے پتا چل گیا کہ مسز پورٹر غلط بیانی دے رہی تھیں؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیونکہ لیب رپورٹ کے مطابق زاکو میں قتل کا کوئی مادہ تھا ہی نہیں۔ تصویر بنی ہی نہیں تھی..... تو تصویر میں سفید کپڑوں والی تیسری خاتون کہاں سے آگئی؟"

لبی نے افسوس سے سر ہلایا۔

وہ سارا وقت یہی سمجھتی رہی کہ بلس اور ونگفرڈ اس کی وہ بدنام..... تصویر سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اور شوہر صاحب اللہ ان کی چالاکی پر پردہ ڈالے..... نے یہی تاثر دیا تھا۔

گناہ کا بوجھ بیوی پر ڈال کر اسے یوں یقین دلایا کہ جیسے بلیک میلر اس کے پیچھے پڑے ہوں، حالانکہ اصل تماشا خود میاں اور ان کی ملازمہ ملڈرڈ کا تھا۔

اوپر سے اس کا وہ ڈرامائی اعترافِ جرم!

کیا کہنے جناب..... بندہ بڑا تراشیدہ تھا۔

پورا اعتماد تھا کہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے کوئی نہ کوئی اس کا بہانہ..... ثابت کر ہی دے گا۔

ماننا پڑے گا، ایک لمحے کو ہمیں بھی بھٹکا گیا تھا۔

میں نے لبی کی طرف دیکھا۔ وہ آج خاصی سنوری ہوئی تھی۔ میں ہنس کر بولا۔ "آپ آج بہت اچھی لگ رہی ہیں، بی بی۔"

لبی نے ذرا نظریں چرائیں۔ "شکریہ جناب۔"

میں نے نیم سنجیدگی سے کہا۔ "اتنی خوبصورت لڑکیاں غلط بھی ہوں تو آدمی مان ہی لیتا ہے۔"

وہ فوراً تن گئی، جیسے کسی نے اس کے دل کی ڈوری کھینچ دی ہو۔

"میں تو شروع دن سے ٹھیک تھی، مسٹر گرانٹ! میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ملڈرڈ کھلی ڈلی، جذباتی مزاج کی..... یعنی ایسی طبیعت جس میں بندہ ٹریگر دبا بھی سکتا ہے۔ اور دیکھیے، دونوں قتل اسی نے کیے۔ مسٹر پورٹر بیچارہ تو ذہنی طور پر بالکل معصوم ہے۔"

"ہاں..... لبی، پورٹر بہرحال قانون کی نظر میں شریک جرم ضرور بنتا ہے۔"

"اب تو ماننا پڑے گا نا؟ ورنہ میرا آج کا کھانا خراب ہو جائے گا!"

اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"ٹھیک ہے بھئی..... مان گیا!" وہ زیرِ لب مسکرایا۔ "آج کل خوبصورت لڑکیاں..... خیر، بہت بچ کر گزرتی ہیں۔"

لبی دھیمے سے ہنسی۔ "جی حضور..... بالکل کر گزرتی ہیں۔"

❖❖❖

سُتلی تماشا

نسرین خان

ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی زندگی سکون سے بسر ہو... مگر کسی کسی کی قسمت میں دکھ و آلام ساتھ ساتھ چلتے ہیں... اچانک ہی اسے ایک موقع ملتا ہے... عقل مند وہی ہوتا ہے جو موقع سے فائدہ اٹھائے... اس نے بھی اپنی زندگی بدلنے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا...

• ہمارے اردگرد بکھری کہانیوں میں سے ایک کہانی کا سنسنی خیز انجام.....

انسان کی حیات ایک سانس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ سانس آئی تو سبحان اللہ..... اور اگر نہیں آئی تو انا للہ..... اسی سانس کے آنے اور جانے کے درمیان زندگی جھول رہی ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ وال کلاک کا بھی ہے یعنی سیل ختم تو سمجھ لو..... سب ختم!

دنیا چاہے جتنی بھی ترقی کرلے لیکن ثقافت کی حکایت انسان کے تعاقب میں رہتی ہے اور روزمرہ کے جیون میں کہیں نہ کہیں اس کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ کتنی ہی اقسام کے لائٹرز مارکیٹ میں موجود ہیں مگر ماچس کی اہمیت اور استعمال اپنی جگہ برقرار ہے۔ آج کم و بیش ہر انسان کے ہاتھ میں سیل فون نظر آتا ہے۔ اس ایجاد نے اگرچہ رسٹ واچ کو مات دے دی ہے، اس کے باوجود بھی گھڑی ساز کمپنیاں اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کسی شخص کی کلائی پر گھڑی ہو یا نہ ہو لیکن ہر گھر میں وال کلاک کسی نہ کسی دیوار

پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔

صبیحہ کی آنکھ کھلی تو نگاہ دیوار گیر کلاک پر گئی۔ وال کلاک دس بجے کا وقت بتا رہا تھا۔ صبیحہ فجر کی نماز کے لیے صبح جلدی بیدار ہو جاتی تھی اور نماز کی ادائیگی کے بعد وہ دوبارہ سو جاتی تھی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ یہ تین چار گھنٹے کی نیند، رات بھر کی نیند سے زیادہ پرسکون اور مزے دار ہوتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کچن کی جانب سے کرن اور صدف کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بیچ میں شہناز بھی ایک آدھ جملہ ٹانک دیتی تھی۔ صدف، صبیحہ کی بیٹی اور کرن اس کی نئی نویلی بہو تھی۔ دو ماہ پہلے ہی صبیحہ نے اپنے بیٹے سعد علی کی شادی کی تھی۔ صدف، سعد سے عمر میں بڑی بھی تھی اور اس کے دو بچے بھی تھے۔ صدف اور کرن میں گاڑھی چھنتی تھی۔ شہناز کھانا بنانے والی ملازمہ تھی۔ وہ صبح آٹھ بجے کام پر آ جاتی تھی۔ پہلے وہ سب کے لیے ناشتا بنایا کرتی تھی، پھر کھانا وغیرہ جو دوپہر اور رات دونوں وقت چل جاتا تھا۔ دوسم کا سالن، چاول اور چپاتی تیار کرنا اس کی ذمے داری تھی۔ ناشتے میں دیسی گھی کے پراٹھے، انڈے اور ڈبل روٹی، چائے..... شہناز کی ڈیوٹی آٹھ سے گیارہ بجے تک کی تھی۔

شہناز کے علاوہ ایک اور ماسی بھی صبیحہ کے گھر میں کام کرتی تھی جس کا نام نوری تھا۔ جھاڑو، پوچھا، برتن اور کپڑے دھونا نوری کے ذمے تھا۔ وہ صبح نو سے دوپہر بارہ بجے تک اپنے حصے کا کام کرتی تھی۔ گزشتہ روز نوری نے چھٹی ماری تھی۔ وہ ہفتے میں ایک آدھ بار یہ حرکت ضرور کیا کرتی تھی اور ہر مرتبہ اس کے پاس ایک نیا جواز ہوتا۔ صبیحہ کو شک نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ نوری ایک بہانے باز اور ہڈ حرام عورت ہے۔

"صدف!" صبیحہ نے بہ آواز بلند اپنی بیٹی کو پکارا اور پوچھا۔ "کیا نوری آ گئی.....؟"

"نہیں امی!" صدف نے جواب دیا۔ "ابھی تک تو نہیں آئی۔"

"کل ہے، آج پھر قدرت نے اسے بچا لیا ہے۔" شہناز نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "وہ گھر میں بیٹھی اپنی چوڑیوں کو سہلا رہی ہو گی اور دشمنوں پر مسکرانے میں مصروف ہو گی۔"

"امی! آپ اٹھ گئی ہیں تو جلدی سے فریش ہو جائیں۔" صدف نے کہا۔ "ناشتا بالکل ریڈی ہے۔"

"صادق کہاں ہے؟" صبیحہ نے پوچھا۔

"وہ بچے کے لیے، اپنے لیے بالائی لینے.....!"

"یہ بندہ چکنائی کھانے سے باز نہیں آئے گا۔" صبیحہ نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "حالانکہ ڈاکٹر نے تلی سے منع کیا ہوا ہے مگر مجال ہے کہ اس کی سمجھ میں کچھ آئے۔ مکھن، بالائی، دیسی گھی..... سب دبا کر چل رہا ہے۔ روکو تو اپنے حکیمانہ فلسفے جھاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اللہ ہی اسے نیک ہدایت دے۔"

صبیحہ بڑبڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی۔ وہ اپنے شوہر صادق علی اور ماسی نوری کی حرکتوں سے تنگ آ چکی تھی۔ صادق کا تو وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ آج نوری کی خیر نہیں۔ وہ اس کی پکی چھٹی کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

وقت اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھا۔ وقت قدرت کا ایک ایسا شاہ کار ہے جس کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دیتی۔ بس، یہ سبک روی سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ گھڑی کے کانٹوں کی حرکت وقت کے بیتنے کا احساس دلاتی ہے اور اگر کسی گھڑی میں سیکنڈ والا کانٹا نہ ہو تو وہاں بھی سمجھو..... جمود، سکوت اور سناٹے ہی سے سامنا ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت تھم کر رہ گیا ہو۔

ناصر بھی اس وقت ایک ایسے ہی کلاک کو دیکھ رہا تھا جس کے ڈائل پر سیکنڈ والا کانٹا موجود نہیں تھا۔ مذکورہ گرانڈیل کلاک کسی دیوار پر آویزاں ہونے کے بجائے ہوا میں معلق تھا۔ ایک مضبوط سہارے کے ذریعے اس کلاک کو اونچی چھت سے نیچے لٹکایا گیا تھا۔ دیو ہیکل اور قوی الجثہ ہونے کے باعث اس پر ظاہر ہونے والا وقت کافی فاصلے سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس وقت وہاں دو بج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔ بالکل ایسے ہی کنگ سائز کلاک دوسرے پلیٹ فارمز پر بھی موجود تھے۔ محکمۂ ریلوے نے یہ سارا بندوبست مسافروں کی سہولت کے لیے کر رکھا تھا۔ حالانکہ یہ آسانی لوگوں کو دستی گھڑیوں اور سیل فونز کے اندر بھی حاصل تھی مگر وہی بات کہ انسان چاہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی معراج کو بھی چھو لے، وہ روایت سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔

ریلوے اسٹیشن پر اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ ناصر جس ٹرین سے سفر کرنے والا تھا، اس کی روانگی کا وقت ساڑھے تین بجے کا تھا مگر وہ جوشِ جذبات میں کچھ جلدی ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ ابھی تو اس کی مطلوبہ ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر لگی بھی نہیں تھی۔ کہیں دیر نہ ہو جائے، بس اسی دھڑکے نے اسے ڈیڑھ گھنٹا پہلے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیا تھا۔ اس کی یہ

نظر کبھی کلاک کی جانب اٹھ جاتی اور کبھی اس گیٹ کی طرف جہاں سے مسافر اندر داخل ہو رہے تھے۔ اسے کسی کا انتظار تھا..... کوئی جو اس کا کچھ بھی نہیں لگتا تھا لیکن وہ اسے اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا.....

یہ دو طرفہ فیصلہ تھا۔ ناصر جس انسان کو جہنم سے نکال کر جنت میں بسانے کا خواہش مند تھا، وہ بھی اس کا ساتھ دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر اپنے اعتماد کا اظہار کر چکے تھے لہٰذا کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکتا تھا۔ ناصر نے اس مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک بے داغ منصوبہ بنایا تھا۔ جب شریکِ سفر پوری طرح تعاون کر رہا ہو تو پھر بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی کوئی معنی نہیں رکھتی.....

"اس نے ڈھائی بجے تک اسٹیشن پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔" ناصر نے دھیمی آواز میں خود کلامی کی۔ "بس، پندرہ بیس منٹ کی بات ہے، پھر ہم تینوں ایک ساتھ ہوں گے۔"

"اور اگر اسے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو؟"

ناصر کے ذہن کے کسی تاریک گوشے سے یہ منفی خیال ابھرا تھا اور اس سوال میں گہری تشویش پائی جاتی تھی۔

"ناکامی کا امکان صفر سے زیادہ نہیں ہے۔" اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔ "مجھے اس پر بھروسا کرتے ہوئے صرف اچھا اچھا سوچنا چاہیے۔ کام بہت سہل اور سادہ ہے۔ اسے بہ مشکل دس منٹ لگیں گے۔ میں نے اسے تفصیل سے سمجھا دیا تھا اور اس نے ہر شے کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تھا۔

"یہ کیا چیز ہے؟" اس نے میری فراہم کردہ رسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ "مجھے تو یہ کسی چارپائی کی ادوائن لگ رہی ہے مگر کوئی ادوائن اتنی چھوٹی تو نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک آدھ فٹ لمبی ہو گی۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" ناصر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "میں نے اسے پٹ سن (سن) کی سُتلی سے خود تیار کیا ہے اسی لیے یہ عام سُتلی سے سائز میں موٹی ہے۔ اس چھوٹی سی، ہاتھ برابر رسی کو چارپائی کی ادوائن کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور یہ دھاتی پائپ.....؟"

"موٹی سُتلی کو اس پائپ کے اندر ڈال کر ایک خاص زاویے سے سیٹ کر کے رکھنا ہے۔" ناصر نے بتایا۔ "پھر اس کے ایک سرے کو اچھی طرح سُلگا کر چھوڑ دینا ہے۔"

"جیسے سگریٹ کو سلگایا جاتا ہے.....؟"

"ہاں، بالکل ویسے ہی۔" ناصر نے زور دے کر کہا۔ "سُتلی کے ایک سرے پر روشن دھیمی آگ کو دوسرے سرے تک پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے لگیں گے....."

"ٹھیک ہے..... اور اس چھوٹی سی شیشی میں کیا ہے؟"

"مٹی کا تیل..... کروسین آئل!" ناصر نے بتایا۔ "سُتلی کا پائپ سے باہر والا دوسرا سرا جہاں ختم ہو گا، وہاں سے اپنے شکار تک تمہیں اس تیل کو چھڑکنا ہو گا تاکہ آگ کی آخری چنگاری اس تیل کے اندر گرے اور پھر وہی ہو جیسا ہم نے سوچا اور چاہا ہے۔"

"آگ کی تپش سے شکار جاگ تو نہیں جائے گا؟" اس نے ایک ممکنہ خدشے کا اظہار کیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کچے کام نہیں کرتا۔" ناصر نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میں نے اس کا بھی بندوبست کر رکھا ہے۔"

"کیسا بندوبست.....؟"

ناصر نے اپنی جیب میں سے چھوٹا سا، بھورا لفافہ نکالا اور اس کے اندر سے چھوٹی چھوٹی چار گولیاں نکال کر اسے دکھائیں اور معتدل انداز میں کہا۔

"یہ بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ گولیاں ہیں۔ تم کو انہیں ہوشیاری کے ساتھ اپنے شکار کے معدے میں اتارنا ہے جس کے بعد وہ بدبخت کم از کم پانچ گھنٹے کے لیے اپنے ہوش و حواس سے اس طرح بے گانہ ہو جائے گا کہ اگر کوئی اس کا بازو بھی کاٹ کر لے جائے تو وہ "سی" تک نہیں کرے گا۔"

اس نے متذبذب انداز میں پوچھا تھا۔ "کیا چاروں گولیاں ایک ساتھ دینا ہیں؟"

"ہاں، ایک ساتھ کیونکہ یہ مل کر کام کریں تو اچھے نتائج دیتی ہیں....." ناصر نے ٹھوس انداز میں جواب دیا تھا۔ "سمجھ لو کہ ہماری قسمت بس، بدلنے ہی والی ہے....."

ناصر کی تسلی نے اس کے چہرے پر اطمینان بکھیر دیا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں کسی ڈر، خوف اور اندیشے کا شائبہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

پلیٹ فارم کی چوبی بینچ پر بیٹھا ناصر اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کے اندر خوشی کی ایک لہر سی اٹھی۔

وہ دونوں اس کی نگاہ کے فریم میں آ گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے، سبک رفتاری سے ان کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس گھر میں رہنے والے تمام افراد ناشتے کی میز پر موجود تھے سوائے سعد علی کے۔ سعد ایک کال سینٹر کے لیے آن لائن

کام کرتا تھا لہٰذا اسے رات بھر جاگ کر اپنی ڈیوٹی انجام دینا ہوتی تھی۔ مذکورہ کال سینٹر کا تعلق نیویارک کے شہر بروکلین سے تھا۔ سو، سعد کا کھانا پینا اور سونا جاگنا امریکی وقت کے حساب سے تھا۔ اسی لیے وہ اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرنے کے بجائے گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق، سعد کی صبح سہ پہر پانچ بجے ہوتی تھی۔ کوئی انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں آباد ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وقت نے سب کو اپنے تابع کر رکھا ہے۔

اطلاعی گھنٹی کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ شہناز نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''لگتا ہے، مہارانی جی آ گئی ہیں۔''

اس کا اشارہ نوری کی جانب تھا۔ نوری اور شہناز ہم پیشہ تھیں اس لیے ان کے درمیان مسابقت اور موازنت کا عمل بھی جاری رہتا تھا تاہم اس معاملے میں شہناز بسا اوقات نوری سے زیادتی بھی کر جاتی ہے۔ شہناز کافی عرصے سے اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح نوری کی چھٹی ہو جائے اور وہ اس کی جگہ اپنی نند کو لے آئے۔ اپنے اس مقصد کو پانے کے لیے وہ نوری کی چھوٹی اور معمولی غلطیوں کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتی تھی۔

''نوری مہارانی ہے یا نوکرانی، تمہیں اس حساب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' صادق علی نے سرزنش کرنے والے انداز میں شہناز سے کہا۔ ''جا کر دروازہ کھولو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے، باہر کوئی اور ہی ہو۔''

اس گھر میں نوری کو صادق علی کی حمایت حاصل تھی اور اپنے شوہر کی یہ حرکت صبیحہ کو سخت ناپسند تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ نوری کی ذات کے حوالے سے صادق علی کے کردار پر کسی قسم کا شک کرتی ہو۔ اس کا ماننا یہ تھا کہ ملازموں کو حد سے زیادہ سر پر چڑھانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر ان سے کام لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ کوئی اور نہیں، نوری ہی تھی۔ نوری نے سب کو سلام کیا تو صبیحہ نے اسے ترچھے ہاتھوں لیا۔

''یہ تمہارا آنے کا وقت ہے؟''

''باجی! میں صرف بیس منٹ لیٹ ہوئی ہوں۔'' نوری اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ ''آج اسکول میں رانی کے ساتھ مجھے رکنا پڑا۔ سب بچوں کے ماں باپ آئے ہوئے تھے۔ ٹیچرز کے ساتھ ان کی میٹنگ تھی اور.....!''

''تم بیس منٹ نہیں، سوا گھنٹا لیٹ ہو.....'' صبیحہ نے قطع کلامی کرتے ہوئے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''تمہاری ڈیوٹی نو بجے شروع ہو جاتی ہے اور اس وقت دس بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں۔''

نوری آج ایک حتمی فیصلہ کر کے کام پر آئی تھی کہ اب اسے مزید یہاں کام نہیں کرنا اس لیے خود کو درست ثابت کرنے کے بجائے وہ چپ چاپ واشنگ ایریا کی سمت بڑھ گئی۔

نوری کی پانچ سال کی ایک بیٹی تھی جس کا نام رانی تھا۔ وہ روزانہ صبح آٹھ بجے رانی کو اسکول پہنچانے کے بعد چکی چی میں بیٹھ کر صبیحہ کے گھر آیا کرتی تھی۔ اس کی رہائش ایک جھونپڑی میں تھی جو صبیحہ کے گھر سے اچھے خاصے فاصلے پر واقع تھی۔ رانی کا اسکول اسی علاقے میں تھا۔ رانی کی چھٹی دوپہر ایک بجے ہوتی تھی۔ نوری صبیحہ کے گھر کا کام ختم کرنے کے بعد بارہ بجے نکلتی تھی اور اسکول سے رانی کو لے کر اپنے گھر چلی جاتی تھی۔ نوری کسی اور گھر میں کام نہیں کرتی تھی۔ باقی کے وقت میں وہ سلائی وغیرہ کر کے کچھ کما لیتی تھی۔ اس کا گھر والا ایک ناکارہ اور ہڈحرام شخص تھا، اوپر سے وہ نشہ بھی کرتا تھا۔ گھر کی معیشت میں حصہ ڈالنے کے بجائے وہ الٹا نوری سے پیسوں کا تقاضا کرتا رہتا تھا اور اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر وہ نوری کو بے دریغ پیٹا بھی کرتا تھا۔

''صبیحہ! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا.....؟'' صادق علی نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں..... کیا ہوا ہے میرے دماغ کو.....؟'' جواب دینے کے بجائے الٹا صبیحہ نے سوال داغ دیا۔ ''کل بھی اس نے بغیر اطلاع کے چھٹی کر لی تھی اور آج بھی سوا گھنٹا لیٹ آئی ہے۔ اگر میں اسے ٹائٹ نہیں کروں گی تو یہ مزید بگڑتی چلی جائے گی۔ میں اسے اور برداشت نہیں کر سکتی!''

''وہ صرف بیس منٹ تاخیر سے آئی ہے صبیحہ اور اس نے دیر سے آنے کی وجہ بھی بتائی ہے۔'' صادق علی نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''جب زرش کے اسکول میں پیرنٹس ٹیچرز میٹنگ ہوتی ہے تو صدف اور جنید کو یا ان میں سے کسی ایک کو لازمی اسکول جانا پڑتا ہے۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر ان الفاظ میں بات مکمل کر دی۔ ''ٹھیک ہے، نوری ہمارے گھر میں ایک نوکرانی کی حیثیت سے کام کرتی ہے مگر وہ ملازمہ بعد میں اور انسان پہلے ہے۔ کسی کو بلاوجہ یوں بے عزت کرنا ٹھیک نہیں ہے.....!''

''بس، تمہیں تو نوری کی طرف داری کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔'' صبیحہ نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''اس کی تاخیر میں سے تم نے ایک گھنٹے کا وقت ہی غائب کر دیا ہے۔''

''امی! ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں.....'' صدف ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''آپ نو بجے سو کر اٹھی تھیں اور اب لو

بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔"

صبیحہ نے متذبذب نظر سے صدف کی طرف دیکھا اور ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ صادق علی نے پوچھا۔

"کیا ہوا.....؟"

صبیحہ نے جواب نہیں دیا اور ڈائننگ روم سے وہ سیدھی اپنے بیڈروم میں پہنچ گئی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھا تو وہاں دس بج رہے تھے۔ جب وہ سلو کرائی تھی تب بھی وہ کلاک دس بجے ہی کا وقت بتا رہا تھا۔

"اوہ..... یہ کلاک تو رکا ہوا ہے۔" سیکنڈ بتانے والے بے حس و حرکت کانٹے کو دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ "شاید کلاک کا سیل ختم ہو گیا ہے یا اس کی مشین میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

صبیحہ کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے بلاوجہ نوری کو سنا دی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے واپس آئی اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد شوہر سے کہا۔

"صادق! تم دکان پر جانے سے پہلے میرا ایک کام کر دینا.....!"

صادق علی کی قالینوں کی ایک دکان تھی جہاں پر مختلف قسم کے کارپٹس کے علاوہ جائے نماز بھی فروخت ہوتے تھے۔ صادق دوپہر ہی میں دکان پر جاتا تھا کیونکہ مذکورہ مارکیٹ دیر سے کھلتی تھی۔

"ابھی تو میرے نکلنے میں دو گھنٹے پڑے ہیں۔" صادق نے سوالیہ نظر سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ "بتاؤ، کیا کام ہے؟"

"مجھے گھڑی والا ایک سیل لا دو.....!"

"خیریت..... سیل کا کیا کرو گی؟"

"میرے بیڈروم والا وال کلاک بند ہو گیا ہے۔" صبیحہ نے بتایا۔ "اس کا وقت دس بجے پر تھما ہوا ہے۔"

"اوہ، تو اب سمجھا.....!" صادق علی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تو اس کلاک کے ٹائم کی وجہ سے تمہیں لگا کہ دس بج چکے ہیں اور.....!"

"ہاں۔" صبیحہ نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ "میں نے کلاک کے سیکنڈ والے کانٹے پر غور نہیں کیا تھا اور..... اسی وجہ سے میں نے نوری کو بھی ڈانٹ دیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔" صادق نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"امی! اب تو آپ نوری کو کام سے نہیں نکالیں گی نا.....؟" صدف نے سوالیہ نظر سے صبیحہ کی طرف دیکھا۔

صبیحہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے ناشتے کو دوبارہ سے شروع کر دیا جہاں وہ اسے ادھورا چھوڑ کر بیڈروم کی طرف گئی تھی۔

یہ تمام تر گفتگو شہناز کے سامنے ہی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ صبیحہ کے جلال کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھی کہ آج تو نوری کی چھٹی پکی ہے مگر اب اس کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ کم بخت وال کلاک نے اس کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی۔

☆☆☆

وقت کی یہ خوبی ہے کہ وہ کسی کے لیے رکتا نہیں۔ یہ ہمیشہ آگے کی طرف گامزن رہتا ہے اور گزرا ہوا وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ گزشتہ رات نوری کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ واقعی اب ماضی کا حصہ تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی، ایسے تلخ لمحات دوبارہ کبھی اس کی زندگی میں آئیں اسی لیے اس نے ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

صبیحہ کے گھر میں کام کرنے کے دوران میں وہ مسلسل پچھلی رات والے ناخوش گوار واقعے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کے بدن کا ایک ایک حصہ بُری طرح دکھ رہا تھا۔ قدیر نے اسے بے دریغ زدوکوب کیا تھا۔ اس شام ایک عورت کپڑے لینے ان کے گھر آئی تھی۔ نوری نے اس عورت کے تین سوٹ سیے تھے۔ مذکورہ عورت جب سلائی کے پیسے دے کر چلی گئی تو قدیر نے نوری سے کہا تھا۔

"نوری! مجھے ایک ہزار کی اشد ضرورت ہے۔ میں چند دن کے بعد یہ پیسے تمہیں واپس کر دوں گا۔"

"پچھلے سات سالوں میں تم نے مجھ سے جو پیسے لیے، وہ واپس کر دیے کیا.....؟"

نوری کے اس کڑوے جواب نے قدیر کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ "میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" اس نے چیخ کر کہا۔ "میں بہت جلد تمہارا سارا قرض اتار دوں گا۔"

"اگر تم بھاگنے کے قابل ہوتے تو کب کا مجھے چھوڑ کر جا چکے ہوتے۔" نوری نے بھی تلخ لہجے میں کہا۔ "تمہیں میری کمائی سے نشہ کرنے کی لت لگ گئی ہے۔ پتا نہیں، تمہیں کب اس بات کا احساس ہو گا کہ تمہاری ایک معصوم سی بیٹی بھی ہے۔ مجھ پر لعنت بھیجو، تم اس پھول جیسی بچی کا تو خیال کرو....."

"مجھے لیکچر مت پلاؤ.....!" وہ غرایا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو ورنہ بات بڑھ جائے گی۔"

"بات کہیں رکی کب تھی قدیر.....!" نوری نے تڑکی سے کہا۔ "یہ تو مسلسل آگے ہی بڑھ رہی ہے۔ میں تمہارا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی۔ تمہارے لیے میرے پاس ایک

روپیا بھی نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے.....؟" قدیر غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے بولا۔ "ابھی وہ عورت تمہیں دو ہزار روپے دے کر گئی ہے۔ اس میں سے ایک ہزار مجھے دے دو۔"

"نہیں دے سکتی....." نوری نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "ایک ماہ کے بعد رانی کی سالگرہ ہے۔ میں پیسا پیسا اس موقع کے لیے جوڑ رہی ہوں۔ اس بار میں رانی کی سالگرہ دھوم دھام سے مناؤں گی۔"

"رانی کی سالگرہ میں ابھی پورا مہینا پڑا ہے۔" قدیر نے بیزاری سے کہا۔ "تب تک میں پیسوں کا بندوبست کر دوں گا۔ ابھی تم ایک ہزار روپے مجھے دے دو.....!"

"میں تمہارے کسی جھانسے میں نہیں آؤں گی قدیر.....!" نوری نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "تم اپنی حرکتوں کی وجہ سے، میری نظر سے گر چکے ہو۔ تم ایک غیر ذمے دار باپ اور ایک نااہل شوہر ہو۔ میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کر سکتی۔"

"میں تمہارا خاوند ہوں۔" قدیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو پھر کیا صادق علی پر بھروسا ہے..... وہ تنخواہ کے علاوہ بھی تمہیں کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہے۔"

"بکواس بند کرو قدیر.....!" نوری نے چیخ سے مشابہ لہجے میں کہا۔

"سچ کڑوا ہوتا ہے۔" قدیر نے بے ہودہ انداز میں کہا۔ "اسی لیے تم سے برداشت نہیں ہوتا.....!"

"تم ایک گھٹیا، نیچ اور بے غیرت انسان ہو۔" نوری کو بھی طیش آ گیا تھا۔ "یہ تمہارے ذہن کی غلاظت ہے جو تم دوسروں پر اچھال رہے ہو۔ تم اس قابل بھی نہیں کہ میں تم سے بات کروں گندی نالی کے ناپاک کیڑے.....!"

نوری نے آج تک اتنی دلیری کے ساتھ قدیر کے سامنے زبان نہیں چلائی تھی۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ وہ نوری سے ایسی جرأت کی توقع نہیں کر رہا تھا مگر وہی بات کہ یقین نہ کرنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی تھی۔ نوری اس کے سامنے موجود تھی اور اس کی سماعت میں پگھلا ہوا سیسا انڈیل رہی تھی۔

مرد انا سے کمزور ہو یا باہر سے ناتواں، اسے دوسروں پر غصہ اپنی بیوی پر ناحق غصہ آتا رہتا ہے اور جب بیوی سامنے کھڑے ہو کر زبان بھی چلا رہی ہو تو پھر وہ غصہ غضب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

گزشتہ رات بھی یہی ہوا تھا۔ نوری کے سامنے خود کو بے بس، لاچار اور شکست خوردہ پا کر قدیر کا دماغ گھوم گیا تھا اور اس نے نوری کو وحشیانہ انداز میں زدوکوب کیا تھا اور سارا ہنگامہ ننھی رانی کے سامنے ہو رہا تھا۔ اس مار پیٹ کے اختتام پر نوری نے اپنے آپ سے کہا تھا۔

"نوری! ابھی نہیں تو پھر کبھی نہیں.....!"

وہ ماتمی رات نوری نے سونے کی کوشش میں جاگتے ہوئے گزار دی تھی۔ زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہوئے انسان کو ایسے ہی اذیت ناک رت جگے گھیر لیتے ہیں۔ ایک ایک لمحہ سوچ بچار کرنا پڑتی ہے کیونکہ کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد جو قدم اٹھایا جائے، اس کی واپسی نہیں ہوتی۔ انسان کے ایسے فیصلوں کو وقت اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

نوری وقت کی اس ہم رکابی پر پوری طرح خوش اور مطمئن تھی۔

☆☆☆

وقت بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ نوری کا وقت بھی دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس کے پاس تین گھروں کا کام تھا۔ پھر جب رانی نے اسکول جانا شروع کیا تو نوری کی ذمے داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ ایک پہیے کی گاڑی بن کر زندگی گزار رہی تھی۔ قدیر اس کا شوہر اور رانی کا باپ ضرور تھا مگر اس کا ہونا نہ ہونا ایک جیسا تھا۔ نوری نے اسے سمجھانے اور سدھارنے کی ہر کوشش کر کے دیکھ لی تھی لیکن وہی بات کہ اگر کتے کی دُم کو سو سال تک بھی کسی دھاتی نلکی میں ڈال کر رکھو تو باہر نکالنے پر وہ پھر ٹیڑھی ہی ملے گی۔ قدیر کی مثال تو اس کتے کی دُم کی تھی جو خود سیدھا ہونے کے بجائے نلکی کو بھی ٹیڑھا کر دے۔

رانی کی اسکولنگ کی خاطر نوری نے دو گھروں کا کام چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ اپنی نگرانی میں رانی کو پک اینڈ ڈراپ دے سکے۔ بس، وہ اب صرف صبیحہ کے گھر میں کام کرنے آتی تھی کیونکہ یہاں کی ٹائمنگ رانی کی پڑھائی کو متاثر نہیں کرتی تھی۔ اضافی آمدنی کے لیے نوری نے گھر میں ہی ٹیلرنگ بھی شروع کر رکھی تھی۔ سو، عزت سے گزارہ ہو رہا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ہی روگ تھا..... قدیر.....!

دن کے بارے بچے نوری نے صبیحہ کے گھر کا کام ختم کیا اور صبیحہ سے کہا۔ "باجی! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے.....!"

ایک گھنٹا پہلے شہناز چھٹی کر کے جا چکی تھی اور ابھی

نوری کے پہلے صادق بھی اپنی دکان کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ نوری کے حد درجہ سنجیدہ انداز نے صبیحہ کے کان کھڑے کر دیے۔ اس نے پوچھا۔

"ہاں نوری، کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

بیدار ہونے کے بعد نوری کو گھر میں موجود نہ پا کر وہ چپ گئی تھی اور اس نے نوری کو نوکری سے نکالنے کا پکا فیصلہ کر لیا تھا لیکن بعد ازاں اپنی غلطی کا احساس ہو جانے پر اس نے اپنے اس انتہائی جذباتی ارادے کو ترک کرنے کی بھی ٹھان لی تھی۔ وہ خود بھی نوری سے بات کر کے، اپنے صبح والے نامناسب رویے پر معذرت کرنے کا سوچ چکی تھی۔

"آج مہینے کی چار تاریخ ہے۔" نوری نے معتدل انداز میں کہا۔ "ان چار دنوں میں ایک تو میری ہفتہ وار چھٹی تھی اور دوسری چھٹی میں نے کل کر لی ہے۔ مطلب یہ کہ اس ماہ میں نے صرف دو دن کام کیا ہے اور مجھے ان دو دنوں کے پیسے نہیں چاہئیں.....!"

"ٹھہرو!" نوری کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی صبیحہ بول اٹھی۔ "یہ سب تو تم مجھے ایسے بتا رہی ہو جیسے کل سے تم کام پر نہیں آؤ گی.....؟"

"باجی! آپ بالکل ٹھیک سمجھی ہیں۔" نوری سادگی سے بولی۔

"ایک منٹ!" صبیحہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "کوئی بھی احمقانہ فیصلہ کرنے سے پہلے میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔"

صبیحہ نے صادق سے اپنے بیڈ روم کے وال کلاک کے بیٹریاں نکلوا لی تھیں مگر ابھی اس میں ڈالا نہیں تھا۔ نوری، صبیحہ کے ساتھ چلتے ہوئے اس کی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔

"مجھے بتاؤ، اس میں کیا وقت ہو رہا ہے؟" صبیحہ نے وال کلاک کی سمت انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کلاک تو دس بجے کا وقت بتا رہا ہے باجی!" نوری نے الجھن زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن ابھی تو بارہ بج رہے ہیں۔"

"یہ مراد کلاک پچھلی رات سے دس بجے پر ہی کھڑا ہے کیونکہ اس کا سیل ختم ہو چکا ہے۔" صبیحہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "آج صبح جب میں سو کر اٹھی تو اس کلاک کو دیکھ کر میں یہی سمجھی تھی کہ دس بج گئے ہیں اور جب مجھے پتا چلا کہ ابھی کام پر جانے میں بہت وقت ہے تو مجھے تم پر بہت غصہ آیا۔" وہ رکی پھر معذرت خواہانہ انداز میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں جو بھی برا بھلا کہا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے اس ناشائستہ رویے کی وجہ سے تم کام چھوڑ کر نہ جاؤ کیونکہ اس میں میرا نہیں، اس شیطان کا قصور ہے۔" بات کے اختتام پر اس نے ساکت و جامد وال کلاک کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

نوری نے نہایت ہی تحمل اور توجہ سے صبیحہ کی وضاحت سنی اور اس کے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"باجی! مجھے آپ کی کوئی بھی بات بری نہیں لگی۔"

"تو پھر نوکری کیوں چھوڑ رہی ہو؟"

"ذاتی وجوہات کی بنا پر اب میرے لیے کام کرنا ممکن نہیں رہا۔" نوری نے بتایا۔

"اگر تمہیں کسی اور گھر میں، زیادہ تنخواہ والا کام مل گیا ہے تو مجھے بتاؤ۔" صبیحہ نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ "میں تمہارے پیسے بڑھا دوں گی۔ تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔"

"باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" نوری نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "میں گھر میں رہ کر صرف سلائی کے کام پر توجہ دینا چاہتی ہوں۔ اس طرح میں اپنی بیٹی کو بھی زیادہ وقت دے پاؤں گی۔ میں نے اسے اعلیٰ تعلیم دلانے کا سوچ رکھا ہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ رانی بھی میری ہی طرح دوسروں کے گھروں کی نوکرانی بن کر رہ جائے۔"

"تمہارے خیالات نے مجھے متاثر کیا ہے نوری!" صبیحہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "زندگی میں کبھی بھی کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف میرے پاس چلی آنا۔ تمہاری مدد کر کے مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

"شکریہ باجی.....!" نوری نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔

صبیحہ نے پوچھا۔ "مجھ سے خفا تو نہیں ہو نا؟"

"نہیں باجی.....!" نوری نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "بالکل نہیں جی..... رانی کی قسم..... میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

صبیحہ کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

☆☆☆

فی زمانہ محنتی، نیک نیت اور بھروسے مند ملازم ملنا ناممکن کی حد تک دشوار ہو چکا ہے۔ نوری ایک ایسی ہی گھریلو ملازمہ تھی۔ بس، اس کے اندر ایک ہی خرابی تھی کہ وہ آئے روز چھٹیاں کرتی رہتی تھی، کبھی بتا کر اور کبھی بنا اطلاع کے۔

اس کی انہی حرکتوں پر صبیحہ کو غصہ آجاتا تھا مگر اب نوری اس گھر کو چھوڑ کر جا چکی تھی اور اپنے ساتھ وہ اپنی ہر اچھائی اور برائی کو بھی لے گئی تھی۔

صبیحہ کو نوری کے جانے کا دکھ تھا۔ اس نے اپنے شوہر کو فون کیا۔ ''صادق!'' اس نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ ''وہ چلی گئی ہے.....!''

''وہ کون؟'' صادق علی نے پوچھا۔

''تمہاری لاڈلی.....اور کون؟''

''کیا تم صدف کی بات کر رہی ہو.....؟''

''میں نوری کا ذکر کر رہی ہوں.....!'' صبیحہ نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں جواب دیا۔ ''اس نے ہمارے گھر سے کام چھوڑ دیا ہے۔''

''صبیحہ! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے.....'' صادق علی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''آج صبح تم نے اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا۔''

''یہ بات نہیں ہے صادق.....!'' وہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ اپنی پوری توجہ رانی پر مرکوز رکھنا چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو پڑھا لکھا کر اچھا انسان بنائے گی۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' صادق نے سرسری انداز میں کہا اور پوچھا۔ ''گھر بیٹھ جانے سے اس کا کچن اور رانی کی پڑھائی کیسے چلے گی، اس کا تو گھر والا بھی نکما ہے.....!''

''بتا رہی تھی کہ ٹیلرنگ کا کام بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔'' صبیحہ نے کہا۔ ''اچھا گزارہ ہو جائے گا۔''

''خیر.....!'' صادق نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے استفسار کیا۔ ''کیا تم نے اسے کچھ پیسے بھی دیے؟''

''بہت کوشش کی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔''

''لگتا ہے، وہ تم سے خفا ہے.....''

''نہیں۔'' صبیحہ نے بڑے اعتماد سے بتایا۔ ''میں نے اس حوالے سے بھی بات کی تھی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے معذرت کرنا بھی نہیں بھولی تھی۔ اس نے رانی کی قسم کھا کر بتایا کہ وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا صبیحہ!'' صادق علی نے ستائشی انداز میں کہا۔ ''میں نے نوری کا گھر دیکھ رکھا ہے۔ دکان بند کر کے میں ادھر کا چکر لگاؤں گا۔ ہو سکتا ہے، وہ کام کے لیے راضی ہو جائے۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ اپنی آمادگی ظاہر کرے گی۔'' صبیحہ نے کہا۔ ''بہرکیف، تم کوشش کر کے دیکھ لینا.....!''

''اگر وہ نہیں مانی تو میں اسے ایک ماہ کی تنخواہ کے برابر پیسے دے آؤں گا۔'' صادق نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس کا ہم پر حق بنتا ہے۔ اس عرصے میں اس نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔''

صبیحہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ صادق کے نیک ارادے نے اس کے دل کو بھی اطمینان بخشا تھا۔ شاید یہ اسی خلش کا مداوا تھا جو نوری کے حوالے سے اس کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی۔ اس نے اپنی غلطی کے لیے نوری سے معذرت بھی کر لی تھی مگر اس کے باوجود بھی وہ اس احساس سے جان نہیں چھڑا پائی تھی کہ اس نے نوری کے ساتھ زیادتی کی تھی۔

رات کو جب صادق علی گھر لوٹا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ قبل اس کے کہ صبیحہ اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتی، اس نے اداس لہجے میں کہا۔

''صبیحہ! وہاں بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے.....!''

''وہاں کہاں.....؟'' صبیحہ نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''ارے میں نوری کے گھر کی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا ہوا اس کے گھر کو.....؟''

''آج دن میں نوری کے گھر میں آتشزدگی کا افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے۔'' صادق نے بوجھل آواز میں بتایا۔ ''سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ اس کا شوہر اندر ہی سو رہا تھا۔ وہ بھی بھن کر کباب بن گیا ہے۔ جب تک فائر بریگیڈ والے پہنچے، وہاں بچانے جیسا کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔''

''اوہ.....'' صبیحہ ایک تشویش بھری سانس خارج کرتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ ''کیا نوری کے شوہر کو فوری طبی امداد کے لیے اسپتال لے جایا گیا ہے؟''

''لاشوں کو طبی امداد نہیں دی جاتی صبیحہ.....!'' صادق علی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''قدیر کا صرف ڈھانچا ہی ملا ہے اور اس سوختہ پنجر پر گوشت نام کی کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی۔ کم بخت پتا نہیں کون سا نشہ کر کے بے سدھ پڑا سو رہا تھا کہ اس خوفناک آتشزدگی میں بھی اس کی آنکھ نہ کھل سکی۔''

''نوری اور رانی تو خیریت سے ہیں نا.....؟'' صبیحہ نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

''ان ماں بیٹی کی کسی کو خبر نہیں.....!'' صادق نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا۔ ''نوری کا فون بھی نہیں لگ رہا۔ اس کی طرف مکمل خاموشی ہے۔''

صبیحہ نے پوچھا۔ ''اس کا کیا مطلب ہوا.....؟''

''چشم دید گواہوں کے مطابق، لگ بھگ گیارہ بجے

دن نوری کی جھونپڑی میں اچانک آگ بھڑک اٹھی تھی۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "لوگوں نے اس آگ پر قابو پانے کی اپنی سی کوشش کی مگر انہیں کامیابی نہ مل سکی۔ خوفناک بپھری ہوئی آگ نے چند منٹ ہی میں اپنا کام کر دکھایا تھا۔"

"گیارہ بجے تو نوری ہمارے گھر میں کام کر رہی تھی۔" صبیحہ نے کہا۔ "وہ یہاں سے سوا بارہ بجے نکلی ہے۔ اسے اسکول سے رانی کو پک کرنے کے بعد سیدھا اپنے گھر جانا تھا۔ ان ماں بیٹی کا پتا کیوں نہیں چل رہا۔ کسی نے رانی کے اسکول جا کر معلوم کرنے کی کوشش کی؟"

"ہاں، یہ کوشش بھی کی جا چکی ہے۔" صادق نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔ "نوری نے ٹھیک ایک بجے رانی کو اس کے اسکول سے لے لیا تھا مگر وہ اپنے گھر نہیں پہنچی۔ وہاں جھونپڑ پٹی میں سب اس ماں بیٹی کے لیے پریشان ہیں۔"

"وہ دونوں جہاں بھی ہوں، اللہ انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔" صبیحہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔ "قدیر اس آگ میں جل کر مر گیا، اللہ کی مرضی..... ہم نوری کی مالی مدد کریں گے تاکہ وہ اپنے اور رانی کے لیے دوبارہ جھونپڑی نما گھر تعمیر کر سکے۔"

"ہاں ضرور..... کیوں نہیں۔" صادق نے مضبوط لہجے میں کہا۔

پھر وہ دونوں نوری اور رانی کی پُراسرار گمشدگی کے تاریک اور روشن پہلوؤں پر متبادلہ خیالات کرنے لگے۔

☆☆☆

ٹرین نے ٹھیک ساڑھے تین بجے پلیٹ فارم چھوڑنے کا مخصوص ہارن بجایا تو نوری کی جان میں جان سی آگئی تھی اور اب رات کا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ تینوں اپنی سیٹوں پر بیٹھے محوِ سفر تھے۔ حیدرآباد گزر چکا تھا اور ٹرین اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ ان تینوں کی منزل اس ٹرین کا آخری اسٹیشن تھا۔

رانی کا یہ پہلا ریلوے سفر تھا اس لیے اسے ونڈو سیٹ پر بٹھایا گیا تھا تاکہ وہ اس سفر کو بھرپور انداز میں انجوائے کر سکے اور وہ ایسا ہی کر رہی تھی۔

"تم نے اپنے سیل فون سے سم کارڈ تو نکال کر پھینک دیا تھا نا.....؟" ناصر نے دھیمے لہجے میں نوری سے استفسار کیا۔

"ہاں، یہ کام تو میں نے صبح گھر سے نکلتے وقت ہی کر ڈالا تھا۔" نوری نے جواب دیا۔ "وہیں..... سوتے ہوئے قدیر کے نزدیک!"

"اب تک وہ سم کارڈ بھی قدیر کے ساتھ ہی جل کر کوئلہ بن چکا ہوگا۔" ناصر نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ "نوری! تم نے میرے منصوبے پر عمل کر کے بڑی بہادری کا ثبوت دیا ہے۔ میں تمام عمر تمہاری قدر کروں گا اور رانی کو اپنی سگی اولاد ہی سمجھوں گا۔"

نوری نے گردن گھما کر رانی کی طرف دیکھا۔ رانی، کھڑکی سے باہر تک رہی تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کی ماں اور انکل ناصر کیا باتیں کر رہے تھے۔ وہ اپنی تفریح میں مگن تھی۔ اردگرد کے ماحول سے اس کا دھیان ہٹ گیا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ کھڑکی سے باہر والے متحرک مناظر پر مرکوز تھی۔

"ہم خیریت سے نکل تو آئے ہیں....." نوری نے متذبذب نظر سے ناصر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آگے بھی سب اچھا رہے گا نا.....؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" ناصر نے تسلی بھرے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "اور یہ ساتھ زندگی بھر کا ہے۔ تم دونوں کی حفاظت میری ذمے داری ہے۔"

"بار بار میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ میں نے قدیر کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" نوری نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے اس کی جان لی ہے۔ کہیں میں پکڑی نہ جاؤں۔"

"کچھ نہیں ہوگا نوری۔ اپنے ذہن کو ان منفی اور پریشان کرنے والے خیالات سے خالی کر دو۔" ناصر نے حوصلہ بڑھانے والے انداز میں کہا۔ "قدیر ایسے ہی بدترین انجام کا مستحق تھا۔ تم نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک کیا ہے۔ اس بات کا مجھے یقین ہے کہ قانون کبھی ہم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

نوری نے ایک آسودہ سانس خارج کی اور رانی کے بالوں سے کھیلنے لگی۔ ناصر پیار بھری محبت سے انہیں دیکھنے لگا۔

ناصر نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا۔ جہاں ریاستی اداروں کو کٹھ پتلی بنا کر شب و روز اپنی انگلی کے اشاروں پر نچانے کا عمل جاری ہو اور قانون حرکت میں آنے کے بجائے دانتوں میں زبان دبائے پتھر کا بت بنا بیٹھا رہے، وہاں نوری اور رانی کے غیاب کی بھلا کون پروا کرتا..... اور قدیر کی حادثاتی موت کی کسے فکر ہونا تھی۔

نوری اور ناصر نے باہمی تعاون سے جو کیا، وہ تو ایک چھوٹا سا سنسنی تماشا تھا۔ کھیل ختم، دکان بند.....!

❖❖❖

تیرہواں حصہ

سر بہ کف

طاہر جاوید مغل

دکھ کی کہانی بڑی دردناک ہوتی ہے... جسے سنانا آسان نہیں ہوتا... بعض اوقات سنانے والے کے پاس اس کا اپنا ذہن ساتھ نہیں دیتا... مضبوط شانیں ڈھلک چکے ہوتے ہیں... اب تجھے کیسے بتائیں کہ ہمیں دکھ کیا ہے... شدید ترین مسافت کی تھکن کے باوجود حالات کا بوجھ کندھوں پر اٹھائے چپ چاپ چلتا چلا جاتا ہے... کبھی خود سے کبھی راستوں سے الجھتا ہے... مگر کسی آواز پر رکتا نہیں... اسے تلاشنا تھا... اپنا پرانا پیراہن... دل گرفتہ تھا... طلسمات غم ہستی سے سانسیں رکتی تھیں مگر اس کی تلاش... شناخت کا رقص جنوں اسی طرح تازہ تھا... ہر بھڑی ساعت سے اسے گلہ ملتا تھا... ظلم کی ڈور کہاں اور کیسے ٹوٹی تھی، ابھی معلوم نہ تھا... ایک دھن تھی جو سنائی نہیں دیتی تھی پھر بھی اس کی لے پر آگے بڑھنے کا سلسلہ جاری تھا...

سنسنی خیز واقعات اور انتقام کے جذبات سے لبریز ایک لہو رنگ داستان۔

ماہین مسلسل روتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی شفاف گردن میں سامنے کی طرف بار بار ہلکا سا گڑھا پڑتا تھا۔ یہ اس امر کی نشاندہی کرتا تھا کہ وہ سسکیوں سے رو رہی ہے۔ میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ وین آندھی کی رفتار سے اُڑی چلی جا رہی تھی اور اسی رفتار سے وین کے پیچھے وہ گاڑی آ رہی تھی جس میں ہمارا وہ پیارا بیٹھا تھا جو اَب ہمارا دشمن بنا ہوا تھا۔ ایسے دشمن سے بڑھ کر خطرناک دشمن اور کون ہو سکتا ہے جو ہمیں تو مار سکے مگر ہم اسے نہ مار سکیں اور جس بدبخت عورت کا نام ہانا وانی بتایا جا رہا تھا اور جو یہ سارا کھیل کھیل رہی تھی، وہ کہیں اور بیٹھی تھی..... کسی نامعلوم فاصلے سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

اگر وہ ہم پر کوئی قاتل حملہ کرنا چاہتی تو اس کے اور بھی کئی مواقع تھے مگر شاہ زیب کا کہنا یہی تھا کہ وہ ہم سے بلی چوہے کا کھیل کھیل رہی ہے، ہماری بے بسی کا لطف لے رہی ہے، شاید وہ ہمیں بھگا بھگا کر مارنا چاہتی تھی۔

"اب کیا کرنا ہے شاہ زیب؟" میں نے پوچھا۔

شاہ زیب کے جواب دینے سے پہلے ہی ماہین بولی۔ "اکمل تابش! وہ میری ہی جان لینا چاہتا ہے نا، اسے لے لینے دیں۔ مر جانے دیں مجھے اس کے ہاتھوں۔ آپ تو ان خطروں سے نکل جائیں گے نا۔"

"چپ رہو۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "ہمیں کچھ سوچنے دو۔"

ڈرائیونگ کرتے شاہ زیب کی کشادہ روشن پیشانی سوچ کی گہری لکیریں تھیں۔ قسطینا بھی ایسی ہی سوچ میں گم نظر آتی تھی۔ شاہ زیب نے کہا۔ "تابش صاحب آپ کو ہماری باتیں عجیب لگیں گی مگر میں وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو ہمارے تجربات سے گزر چکا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اسی طرح چلتے رہنا چاہیے۔ اپنی رفتار برقرار رکھنی چاہیے بلکہ میں کوشش کرتا ہوں کہ رفتار تھوڑی بڑھ سکے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گا اور تعاقب چھوڑ دے گا؟"

"چھوڑے گا نہیں جی، اُسے چھوڑنا پڑے گا۔ انہی پرندوں کی طرح جو ہماری جان کو آرہے تھے۔ جوں جوں وہ ہاناوانی سے دور ہوگا، ہاناوانی کی گرفت اس پر کمزور ہوتی جائے گی۔ میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں۔"

"اس سے تو پھر ایک اور نکتہ بھی نکلتا ہے شاہ زیب! وہ اس عورت کے ٹرانس سے باہر آجائے گا۔"

شاہ زیب کے ساتھ قسطینا نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ شاہ زیب بولا۔ "مگر وہ بدبخت ایسا ہونے نہیں دے گی۔ ٹرانس سے مکمل طور پر نکلنے سے بہت پہلے ہی عمران واپس لوٹ جائے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"یہ بھی اس سیشن میں شامل ہوگا جو ہاناوانی کی طرف سے اسے دی جا چکی ہے۔"

پہلوان حشمت نے کہا۔ "کیا ہم ابھی اس سے دو دو ہاتھ نہیں کر سکتے شاہ زیب؟"

"نہیں چاچا حشمت! بات وہی ہے جو ابھی تابش صاحب نے کی ہے۔ وہ ہمیں مار سکتا ہے، ہم اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک موڑ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ پیچھے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اب اوجھل ہیں۔ شاہ زیب بھی یہ صورت حال دیکھ چکا تھا۔ قریباً ایک منٹ کے مزید انتظار کے باوجود گاڑی کی لائٹس دوبارہ نظر نہیں آئیں۔ شاہ زیب نے وین کی رفتار آہستہ کرنا شروع کر دی۔ سڑک بالکل سیدھی تھی۔ تین چار کلومیٹر آگے آنے کے بعد واضح ہو گیا کہ تعاقب والی گاڑی اب ہمارے عقب میں موجود نہیں۔ شاہ زیب والی بات بالکل درست ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے چند لمحوں کے لیے وین روکی۔

یہی وقت تھا جب ماہین والا موبائل فون جاگ اٹھا۔

وہ خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"اٹھا لو ماہی، سنو کیا کہتا ہے۔" خشک ہونٹوں اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ ماہین نے کال ریسیو کی اور اسپیکر آن کر دیا۔ آواز عمران ہی کی تھی مگر انجانی لگ رہی تھی۔ وہ سفاک آواز میں بولا۔ "جانتا ہوں سن رہی ہو سب کچھ۔ پھر کہتا ہوں میری نہیں ہو سکیں تو کسی کی نہیں ہونے دوں گا۔ مار دوں گا تمہیں اور خود کو بھی..... ابھی جا رہا ہوں، لیکن بڑی جلدی پھر آؤں گا۔ کر لے پورے جو سانس رہ گئے ہیں۔"

"عمران! میری بات سنو۔" میں نے کہا۔ "مگر میرا فقرہ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ فون بند کر چکا تھا۔

کچھ دیر وین میں گہری خاموشی طاری رہی۔ تب ہم پھر درمیانی رفتار سے آگے بڑھنے لگے۔ انوش نشست پر دراز تھا اور ابھی تک بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ پہلوان حشمت گاہے بگاہے فکرمندی سے اس کی نبض ٹٹولتا تھا۔ زانی، ماہین کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی اور مسلسل اسے تسلی دے رہی تھی۔ کسی وقت زانی اپنی ظاہری عمر سے زیادہ بڑی لگتی اور دانائی کی بات کرتی تھی۔ جب سے اسے پتا چلا تھا کہ گوادر کا سہراب پیراب عالی جاہ کے روپ میں ہمارے اردگرد ہے، اس میں غم و غصے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ عالی جاہ اس کی بڑی بہن شازے کا قاتل تھا اور خود زانی پر بھی شیطانی نظر رکھتا تھا۔

میں نے شاہ زیب سے پوچھا۔ "اب رکنا ہے یا چلتے ہی جانا ہے؟"

"ابھی تو چلتے ہی جاتے ہیں۔ اس عورت سے ہمارا فاصلہ جتنا زیادہ ہو، اتنا ہی بہتر ہے۔"

رانی خان کی کوٹھی میں ہونے والے قتل و غارت کے مناظر بار بار نگاہوں میں گھومتے تھے۔ حیوان صفت جوناتھن عرف جون کے چنگل میں پھنسی ہوئی جواں سال ٹیچر مقدس کی خودکشی، اس کے بعد میڈم مرینہ کی دردناک موت، اس کے علاوہ پرندوں کا خوفناک حملہ بھی ایک حقیقت کے بجائے بھیانک خیال کی طرح ہی لگتا تھا۔

اب ہم بہاولپور سے کافی فاصلے پر آچکے تھے پھر بھی اپنے تعاقب کی طرف سے پوری طرح چوکس تھے۔ آٹومیٹک گن قسطینا کی گود میں تھی اور اس کی تیز نگاہیں ہر گھڑی عقب میں سڑک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ رانی کی کوٹھی میں جون کے ساتھ اندھا دھند لڑائی میں مجھے بھی چوٹیں آئی تھیں۔ ایک کہنی اور گھٹنے سے خون بھی رس رہا تھا۔

☆☆☆

جب ہم ابر آلود تاریک رات صبح کے قریب پہنچی ہم سانیوال سے آگے ایک خالص دیہاتی علاقے میں موجود تھے۔ انوش اب ہوش میں آچکا تھا اور اس کی نشاندہی اور رائے کے مطابق ہم یہاں آئے تھے۔ اس سے پہلے ہمیں چند بھی ٹھکانے ملے، وہ میڈم مریٹہ کے ہمدردانہ ساتھ کی وجہ سے ملے۔ اب وہ نہیں تھی۔ یہ ٹھکانا اب زخمی انوش نے ارینج کیا تھا۔ یہ بھی اس کا ایک ڈیرے دار دوست تھا۔ درمیانی عمر کا خوش لباس بندہ تھا۔ اس کی ایک ٹانگ میں نقص تھا، کافی زیادہ لنگڑاتا تھا۔ یہ ڈیرا امرود اور مالٹے کے باغ کے اندر تھا۔ چاروں طرف کھیت تھے۔ رات کے اندھیرے میں ہم وین سیدھی ڈیرے کی چار دیواری میں لے گئے۔ ہمارے میزبان طفیل کا تعلق انوش سے گہرا اور بہت بھرا تھا۔ ڈیرے پر ایک ٹریکٹر ٹرالی، ایک مہران کار اور صحت مند مویشی موجود تھے۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی باغ کی جانب دو بڑے کمرے ہمارے لیے صاف ستھرے کروا دیے گئے تھے۔

تسلینا سمیت تینوں لڑکیاں ساتھ والے کمرے میں چلی گئیں۔ ایک ملازمہ اور دو ملازم ہماری خدمت پر مامور کر دیے گئے تھے۔ خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کر لیں لیکن آرام کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔ جن واقعات سے گزر کر ہم یہاں پہنچے تھے، وہ روح فرسا تھے۔ بس تھوڑی دیر کے لیے ہی آنکھ لگ پائی۔ جاگا تو سرما کی سنہری دھوپ باغ اور کھیتوں پر اپنی سنہری جھلک دکھا رہی تھی۔ ایک بھاری بھرکم ملازمہ انوش کے دوست طفیل سمیت ہمارے سامنے تھا۔ دیسی گھی کے پراٹھے، انڈوں کا آملیٹ، سوجی کا حلوہ اور دودھ مکھن سے بھرے ہوئے تین تھرماس۔

صورت حال ایسی تھی کہ اس لذیذ ناشتے سے پہلوان جثہ جیسا بندہ بھی پوری طرح انصاف نہیں کر پایا۔ انوش تو ویسے ہی بے سدھ لیٹا تھا۔ وہ ہوش میں آچکا تھا البتہ تسلینا نے اس کی گردن کی بینڈیج کرنے کے بعد اسے سکون آور دوا کی بھاری ڈوز دے دی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت غیظ و غضب میں ہے اور بیداری کے بعد اسے سنبھالنا مشکل ہوگا۔

میرے اصرار کے باوجود ماہین نے ایک نوالہ تک نہیں لیا تھا۔ بس اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے ایک فون میرے حوالے کیا۔ "یہ تو عمران کا ہے۔ یہ کہاں سے ملا ہے؟" میں نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

"می..... مجھ سے جھگڑا کرنے کے بعد وہ میرے کمرے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ اپنے حواس میں ہی نہیں تھا تب۔"

چند لمحے توقف کے بعد اس نے اپنی سرخ ناک سے سوں سوں کی آواز نکالتے ہوئے کہا۔ "اس میں واٹس ایپ پر عمران کی ایک "چیٹ" بھی ہے جو اس نے اپنی والدہ سے کی ہے۔"

ماہین کمرے سے چلی گئی تو میں نے ڈیرے کی کچی دیوار کے ساتھ دھوپ چھاؤں میں بیٹھ کر وہ چیٹ پڑھنے کی کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ ماں بیٹے کے درمیان یہ چند روز پہلے کی ایک ٹیکسٹ میسجنگ تھی، ماں انڈیا اور عمران بہاولپور میں تھا۔

"امی، آپ نے اور میں نے ایک پاکستانی فلم دیکھی تھی، محمد علی اور بابرہ شریف وغیرہ کی "پہلی نظر"۔ سمجھیں کہ یہ پہلی نظر کا پیار ہی ہوا ہے مجھے ماہین سے۔ امی یوں لگتا ہے کہ اس کی آنکھیں بلکہ اس کے سارے نقوش پہلے سے ہی میرے دل دماغ میں اترے ہوئے تھے۔ ہم جنموں پر یقین نہیں رکھتے ورنہ میں کہتا وہ پچھلے جنم میں بھی میری گمشدہ محبت تھی۔"

"اچھا زیادہ راجیش کھنہ بننے کی ضرورت نہیں۔ تصویریں تو بہت پیاری ہیں لیکن پہلے ملوں گی، اسے پرکھوں گی پھر فیصلہ کروں گی۔"

"فیصلہ آپ نہ بھی کریں گی تو آپ سے خود بخود ہو جانا ہے۔ امی جی وہ لاکھوں میں ایک نہیں اس سے آگے والے ہندسے میں ہے۔ آپ فرماتی ہیں خوب صورتی اور ذہانت یکجا نہیں ملتیں۔ مجھے اس پر یقین نہیں تھا کیونکہ میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ اب آپ کو بھی یقین ہو جائے گا۔"

"تم کہتے ہو وہ کوئی یوٹیوب چینل چلاتی ہے۔"

"چلاتی ہے لیکن کوئی ایسا ویسا نہیں۔ بڑے بڑے انوسٹی گیٹر صحافی بھی اس کی وڈیوز کو مانتے ہیں۔ میں آپ کو اس کی وڈیوز کے لنک بھیجوں گا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اس کے گھر والے نہیں مان رہے۔"

"سب گھر والے نہیں صرف چچا..... وہی ظالم سماج بنے ہوئے ہیں، مگر انہیں ظالم کہنا بھی ہرگز مناسب نہیں۔ ماہین دس بارہ برس کی تھی جب ماں باپ دنیا سے چلے گئے۔ اس کے چچا ثاقب نے اسے اپنی بیٹی کی طرح پالا۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے یہ ساری محبت بھی ماہین پر لٹا دی۔ حشام نامی لڑکے سے ماہین کی منگنی بھی اس کے چچا ثاقب کی خواہش پر ہی ہوئی۔ مگر آپ کو بتایا ہے نا کہ یہ منگنی شروع میں ہی اختلافات کا شکار ہو گئی تھی۔"

"اور عمران! یہ بھی تو ایک منفی پوائنٹ ہے۔ ایسے معاملات میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ تم میری اکلوتی اولاد

ہو۔ تم جانتے ہی ہو میرا اور تمہارے والد کا ساتھ کن حالات میں ہوا اور کتنا مختصر تھا۔ چند ہفتے کے اس مختصر ساتھ کی یادیں سمیٹ کر اور تمہیں سینے سے لگا کر میں نے ساری عمر گزاری ہے۔ اب میں تمہیں کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"ماں جی... ماں جی! آپ بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ اب کوئی خطرہ نہیں، بالکل نہیں۔ صرف اتنی دعا کریں کہ ماہی کے چچا ثاقب کا دل نرم ہو جائے اور آپ کی "پری بیبو" کھٹاک سے آ کر آپ کے گلے سے لگ جائے۔"

"تو فون پر کب بات کرا رہے ہو اس سے؟"

"ہم بھی کچھ پیار محبت والی ناراضگی چل رہی ہے ہم دونوں میں۔ امید ہے دو چار دن میں صلح ہو جائے گی۔ پھر بات کریں گے۔ وہ بھی چاہتی ہے آپ سے بات کرنا۔"

"ناراضگی کیسی ہے؟ کہیں شوٹنے لڑکوں کی طرح اس نے بریک تو نہیں کر رہے؟"

"امی جی... امی جی! آپ کتنی سیانی ہیں۔"

"بے شرم... اب اوٹ پٹانگ بولنا شروع کر دے گا۔ اچھا اب میں بند کر رہی ہوں۔"

اس کے بعد وائس ایپ کی یہ چیٹ ختم ہو گئی تھی۔

عمران کی والدہ کی دو تین تصاویر بھی موبائل میں موجود تھیں۔ وہ ایک قبول صورت خاتون تھیں۔ ایک شاندار گھر میں کھڑی تھیں مگر سادگی کی تصویر نظر آتی تھیں۔

یہ سب کچھ دیکھ کر اور پڑھ کر دل پر بوجھ کچھ اور بڑھ گیا۔ وہ ایک ماں جو انڈیا میں بیٹھی تھی، عمران اس کی زندگی بھر کی پونجی تھا۔ یہ اس کا جگرا تھا کہ اپنے مرحوم شوہر کی خواہش کے مطابق اس نے بیٹے کو یہاں میرے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اپنے پولیس افسر انکل نابش کے پاس وہ بالکل محفوظ ہے اور پاکستانی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس بے چاری کو کیا پتا تھا کہ وہ پولیس افسر اب خود پولیس سے چھپتا پھر رہا ہے اور جانی دشمن اس کے پیچھے ہیں جبکہ عمران ایک قاتل بن چکا ہے اور ایک ایسی ناقابلِ فہم کیفیت کا شکار ہو چکا ہے جو زندگی سے دور اور موت کے قریب ہے۔

دو دن پہلے بھی اس فون پر عمران کی والدہ کے دو تین میسج آئے تھے۔ انہوں نے پریشانی سے پوچھا تھا کہ وہ جواب کیوں نہیں دے رہا۔ اب ایسے میسج پھر آ سکتے تھے۔ مجھے یہی مناسب لگا کہ فی الحال اس فون کو آف کر دیا جائے۔

سنہری دھوپ سے اٹھ کر میں کمرے میں واپس آ گیا۔ اسی دوران میں دراز قد شاہ زیب کے قدموں کی مخصوص آواز ابھری۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، اس کے سرخ و سپید چہرے پر دبا دبا جوش نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل کی اسکرین پر نظریں۔

"یس جی، ایک کیمرے نے رزلٹ دیا ہے۔ ویا ہے۔"

میں سمجھ گیا۔ وہ ان چار عدد جدید کیمروں میں سے ایک کیمرے کا ذکر کر رہا تھا جو اس نے شانزے ہاؤس میں لگوائے تھا۔ گرینڈ میٹنگ میں گوہار زینت کو خوفزدہ چہروں سے عارضی نجات ملنے کے بعد جب ہم شانزے ہاؤس سے نکل رہے تھے شاہ زیب نے یہ ننھا سا پن ہول کیمرا گول چبوترے والے کمرے میں ایک ڈیکوریشن پیس میں چھپا کر لگایا تھا۔ اب وہی کیمرا یہاں سے ڈھائی تین سو کلومیٹر دور اس کمرے کی وڈیو دکھا رہا تھا۔ دو سوئٹ بوٹڈ ملازم (لوچ) چوکس کھڑے تھے۔ ایک آرام دہ کرسی پر شلوار قمیص اور واسکٹ میں ملبوس چودھری ٹائپ نوجوان نظر آ رہا تھا، وہ کوئی اور نہیں گوٹھ کی سردار حویلی کا وہی نیا سردار تھا جس نے گوہار زینت کی جعلی موت کے بعد سرداری کی پگ اپنے سر پر رکھی تھی۔ اب پگ تو شاہ خانو کے سر پر نہیں تھی البتہ ایک مختصر لباس والی لڑکی اس کی آغوش میں تھی۔ لڑکی کے ہاتھوں میں ایک لائٹر تھا۔ اس نے ذرا گھوم کر شاہ خانو کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ سلگایا۔ شاہ خانو نے طویل کش لے کر سارے کا سارا دھواں لڑکی کے چمکیلے چہرے پر پھینک دیا، پھر غور سے اسے دیکھنے لگا جیسے جاننا چاہ رہا ہو کہ لڑکی کے چہرے پر ناگواری کی کوئی شکن تو نہیں ابھری۔ اس کے ملائم بالوں پر ہاتھ پھیر کر اس نے دھواں پھر اس کے چہرے پر پھینکا۔ تاہم اسی دوران سینڈل کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ کوئی عورت کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ شاہ خانو نے لڑکی کی پشت پر تھپکی دے کر اسے ایک طرف ہٹا دیا۔ اندر آنے والی کو دیکھ کر مجھ سمیت شاہ زیب بھی حیران ہوا۔ وہ کوئی اور نہیں گوہار زینت ہی تھی۔ ہم نے آخری بار اسے شانزے ہاؤس میں عالی جاہ کے سامنے بڑی پتلی حالت میں دیکھا تھا مگر آج اس میں تن فن نظر آ رہی تھی۔ اس نے بے حد چست پتلون اور کوٹ پہن رکھا تھا، بال جوڑے کی صورت میں تھے۔ وہ جھلائی ہوئی سی اندر آئی اور کچھ بڑبڑانے لگی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ نہایت حساس کیمرا بھی اسے پکڑ نہ سکا۔ کیمرے میں گول میز والے اس کمرے کا اندازاً تین چوتھائی حصہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ گوہار زینت کے پیچھے ہی پیچھے جو شخص اندر داخل ہوا اس نے دماغ بھک سے اڑا دیا۔ وہ عمران ہی تھا۔ اچھا لباس

لیکن چہرہ سوجا سوجا اور آنکھیں کسی انتہاہ گہرائی میں اتری ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک زنانہ شولڈر بیگ تھا جو اس نے جھک کر گوھار زینت کے سامنے گول میز پر رکھ دیا اور گوھار کے پیچھے مؤدب کھڑا ہو گیا۔

شاہ زیب دل گرفتہ لہجے میں بولا۔ ''یہ ٹرانس میں ہے، پوری طرح ٹرانس میں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں اس کی آنکھیں، اس کے کھڑے ہونے کا انداز۔''

اب میں اتنا کچھ دیکھ چکا تھا کہ زیادہ حیرت نہیں ہوتی تھی، اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتا، گوھار زینت قدرے بلند آواز میں بولی۔ ''یہ کالے تھوبڑے والا خطرناک بندہ ہے، اور اپنی ہی بکواس کرتا جا رہا ہے۔ رک کر نہیں دے رہا۔''

''اب کہاں ہے؟'' شاہ خانو نے پوچھا۔

''پتا نہیں، فون پر کسی سے بک بک کر رہا ہے۔''

گوھار کا جملہ بمشکل مکمل ہوا تھا کہ دروازے کو چوپٹ کھولتا ہوا جوناتھن عرف جون اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر بھی طیش تھا جس کی وجہ سے اس کا سیاہ چہرہ اور بھی سیاہ نظر آ رہا تھا۔ صرف ایک روز پہلے رانی جان کی کوٹھی میں میرے اور اس کے درمیان جو ''مارو یا مرو'' ٹائپ لڑائی ہوئی تھی، اس کی چوٹوں کے آثار اس کے بہت بڑے تھوبڑے پر تو موجود تھے ہی، اس کے ایک ہاتھ پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی اور یہ وہی ہاتھ تھا جو لڑائی کے آغاز میں اس نے استعمال ہی نہیں کیا تھا۔ تاہم بعد میں اسے کرنا پڑا تھا۔

گوھار نے کہا۔ ''دیکھو جوناتھن صاحب! تمہارا ایک نام ہے، بہت بڑا نام ہے لیکن.....''

''لیکن میں گدھے کا بچہ ہوں۔ میرے ماتھے پر اجنتی حرام جادہ لکھا ہوا ہے۔ اسی لیے تم لوگ مجھے سمجھانے کا جتن کر رہے ہو..... پنائی جم (پنائزم)..... پنائی جم..... آنکھوں کا جادو..... بہن کا چھنکتا آنکھوں جادو۔'' اس نے ایک کرسی کو ٹھوکر ماری۔ ''یہ طوطا مینا کی کہانی کسی اور کو سناؤ۔ میرے دماغ نے ابھی گھاس کھانا شروع نہیں کی۔ مجھے بتاؤ وہ پچی کیوں لائے گئے رانی جان کی کوٹھی پر اور کیوں انہیں چھوڑا گیا ہم پر؟''

شاہ خانو بولا۔ ''جون، انہیں تم پر نہیں چھوڑا گیا۔ وہ ان سور کے بچوں شاہ زیب اور ڈپٹو کے لیے گئے تھے۔ تمہارے بندوں نے گھبرا کر ان پر گولیاں چلائیں تو وہ تم پر بھی آ گئے۔''

''آ گئے..... آ گئے۔'' جون نے زور سے گول میز پر ہاتھ مارا۔ ''وہ آئے نہیں تھے، تم لوگ انہیں لے کر آئے تھے۔ وہ سکھائے گئے پرندے تھے۔ انہیں بھوکا رکھا گیا تھا۔ تمہارے کنجر کارندے کوٹھی کے آس پاس ہی موجود تھے۔ انہوں نے پنجرے کھول کر پرندوں کو چھوڑا ہم پر۔ چلو، ہم پر نہ چھوڑا، ان باسٹرڈز پر چھوڑا، مگر نتیجہ کیا نکلا۔ بھاگ گئے نا وہ بدمعاش ہمارے پچھواڑوں پر لات مار کر..... میرے تین بندے مرے، کئی گھائل ہوئے۔ سارا بنا بنایا کھیل گارت ہو گیا..... اور تم یہ ''پنائی جم'' والا باجا بجائے جا رہے ہو..... پنائی جم، مسمرے جم..... برے کی ماں کا سر پنائی جم.....''

دونوں طرف ٹمپریچر بڑھتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ کچھ سنگین ہو جاتا، ایکا ایکی اس چھوٹے کانفرنس روم میں ایک سرخ لائٹ اسپارک کرنے لگی۔ اسے دیکھتے ہی گوھار زینت اور چودھری شاہ خانو اپنی جگہوں سے کھڑے ہوئے، پھر شاہ خانو تو مؤدب انداز میں دوبارہ بیٹھ گیا البتہ گوھار زینت کھڑی رہی۔

چند سیکنڈ بعد جو آواز سنائی دی، اسے ہم ہزاروں میں پہچان سکتے تھے۔ وہی چلتا پھرتا فرعون جو پردے کے پیچھے سے بولتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کی ڈکشنری میں معافی کا لفظ نہیں، وہی عالی جاہ زہر میں ڈوبا ہوا شخص۔ وہ ٹھہری آواز میں بولا۔ ''بڑے مہربانی خاموش ہو جاؤ..... ہم دشمن نہیں دوست ہیں۔ سمجھو ایک ہی منزل کے مسافر ہیں..... گوھار بیٹھ جاؤ تم بھی۔'' وہ تحکم سے بولا۔

گوھار جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی۔ عمران اسی طرح کسی اور ہی دنیا میں گم گوھار کے عقب میں کھڑا رہا۔ میرے لیے اس کی طرف دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

اگلے چار پانچ منٹ میں وہاں جو گفتگو ہوئی، وہ سنسنی خیز اور نتیجہ خیز تھی۔ کچھ باتیں ہماری سمجھ میں آئیں کچھ نہیں آئیں۔ کچھ الفاظ بھی ٹھیک سے ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ خلاصہ یہی تھا کہ عالی جاہ کی طرف سے جوناتھن عرف جون کی انٹرنیشنل شہرت اور اس کی قاتلانہ صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے مستقل طور پر اپنی آرگنائزیشن ایل سی کے ساتھ منسلک ہونے کی آفر کی گئی۔

شروع میں جوناتھن کے سیاہ چہرے پر رضامندی کے آثار نہیں تھے، مگر دو تین منٹ کی گفتگو کے بعد عالی جاہ نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں جوناتھن سے کہا۔ ''جون! اپنا موبائل چیک کرو۔''

جون نے موبائل چیک کیا۔ اس کے چہرے کے

تاثرات بدلتے چلے گئے۔ عالی جاہ نے کہا۔ ''مسٹر جون! یہ وہ اماؤنٹ ہے جو ابھی اسی وقت تمہارے بتائے ہوئے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردی جائے گی۔''

..... آٹھ دس سیکنڈ کے سنسنی خیز وقفے کے بعد جوناتھن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تب عالی جاہ کی آواز ابھری۔ ''ایل سی میں خوش آمدید جون۔ اماؤنٹ ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ تمہاری حیثیت اور قد کے مطابق تمہیں آرگنائزیشن میں اہم پوسٹ دی جائے گی۔''

جون نے اثبات میں سر ہلایا۔

عالی جاہ نے کہا۔ ''ہمیں معلوم ہے کل جو کچھ بھی رانی جان کی کوٹھی میں ہوا..... جون! اس بھگوڑے ڈپٹی کے ساتھ تمہاری جو مار اماری ہوئی وہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ تم نے بھی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہمارے دشمن آسان نہیں ہیں، ہمیں اپنی پوری انرجی کے ساتھ ان کا سامنا کرنا ہوگا۔ ایک بار پھر تمہیں خوش آمدید وش یو گڈ لک۔'' اس کے ساتھ ہی سرخ لائٹ بند ہوگئی۔

شاہ خانو اور گوھار وغیرہ نے جون کی طرف دیکھ کر تھوڑی کلیپنگ کی۔

ہم نے یہی سنا تھا کہ عالی جاہ اپنے اہلکاروں کو ناقابلِ یقین حد تک گراں معاوضے دیتا ہے مگر غلطی کی صورت میں سزا بھی ناقابلِ یقین ہی ہوتی ہے۔

اب وہاں موجود شاہ خانو اور گوھار بھی خوشگوار موڈ میں آچکے تھے۔ گوھار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر جون! تم نے چار لڑکیوں کا ذکر بھی کیا تھا جو پرندوں والے ''مس ہیپ'' کے سب تمہارے ہاتھ سے نکل گئیں۔''

''ان میں سے ایک تو وہیں پر ماری گئی تھی۔'' جون نے کہا۔ (وہ راشدہ راجانی کی بات کر رہا تھا)

''چلو جو بھی ہے تم ان لڑکیوں کو اپنے آدمیوں میں بانٹنا چاہتے تھے؟''

''یہ تو تھا۔'' جون مکروہ انداز میں ہولے سے مسکرایا۔

''تو ٹھیک ہے یہاں سے چار لڑکیاں بھی تمہارے ساتھ جائیں گی جون..... اور رانی جان کو بھی ہمارا اسلام پہنچ جائے تو مہربانی ہوگی۔''

''پہنچ جائے گا۔'' جون نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

آگے پیچھے سب نکل گئے، پھر کمرا تاریک ہوگیا۔

شاہ زیب نے کیمرا بند کردیا اور معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں ماہین کمرے میں داخل ہوئی۔ غالباً اشفاق کی صحت کے بارے میں پوچھنے آئی تھی جو اب منوں مٹی کے نیچے جا چکا تھا۔ جب ماہین نے دیکھا کہ میں شاہ زیب کے ساتھ بیٹھا ہوں تو واپس چلی گئی۔

میں سوچنے لگا اگر وہ ایک منٹ پہلے آجاتی اور کسی طرح شاہ زیب کے موبائل کی اسکرین پر عمران کو دیکھ لیتی تو اس پر کیا بیتتی۔ وہ ناف پر ہاتھ باندھے ایک ملازم کی طرح گوھار کے عقب میں کھڑا تھا (ایک وقت وہ تھا کہ کوٹھی سردار حویلی میں گوھار، عمران کے قدموں میں بیٹھی تھی اور اس سے محبت اور التفات کی بھیک مانگتی تھی۔ آج وہ اپنا آپ فراموش کر کے اس کی دسترس میں تھا۔ وہ شاید اسے جہنم تک لے جا سکتی تھی)

ماہین کے جانے کے بعد شاہ زیب نے مدھم آواز میں کہا۔ ''تو ثابت یہ ہوا کہ سارے گندے انڈے ایک ٹوکری میں جمع ہو گئے ہیں، جون، گوھار، رانی جان اور شاید گردمستان بھی۔ اور یہ ٹوکری ہے عالی جاہ کی۔''

میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے اس ٹوکری یا ٹوکرے میں ہانا وانی بھی موجود ہے اور فی الوقت تو وہی سب سے خطرناک دشمن ہے۔''

''تابش صاحب! آپ درست کہہ رہے ہیں، البتہ میرے خیال میں فی الحال ہم ہانا وانی سے محفوظ فاصلے پر ہیں اور فوری خطرہ نہیں ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔ ان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟''

''وہی جو طے کر چکے ہیں۔ عالی جاہ اور اس کی تنظیم کو سب سے زیادہ خطرہ ہم دونوں سے ہے۔ وہ جلد سے جلد ہمیں ڈھونڈنے اور راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔ وہ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کر سکتے۔ انہیں کئی علاقوں میں اپنا سرگرمیاں بند کرنا پڑی ہیں۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ ہم چند دن یہاں رہ کر اچھی پلاننگ کر سکتے ہیں۔'' پھر وہ ذرا چونک کر بولا۔ ''ویسے تابش صاحب! کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جس شانزے ہاؤس کو ہماری کارروائی کے بعد خالی فرار دے دیا گیا تھا اور سارا سیٹ اَپ وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا، وہیں پر پھر عالی جاہ اور جون وغیرہ کی میٹنگ ہوئی ہے۔''

''یہاں سب کچھ چلتا ہے شاہ زیب، بس اندازے کے مطابق شانزے ہاؤس کا جزوی صفایا کر لیا ہوگا لیکن وہ کچرے قیدی، گوشت خور چوہے اور اسلحے کے انبار وغیرہ وہاں موجود نہیں ہوں گے۔''

''اور عالی جاہ؟''

''عالی جاہ تو شاید پہلے بھی وہاں موجود نہیں تھا۔''

بیٹ میں بھی ہم نے بس اس کی آواز ہی سنی تھی، اب بھی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔"

"مطلب یہ ہوا کہ..... اس تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔"

"یقیناً..... اور پھر ایسی صورت میں کہ تمہاری وہ ہانوانی اپنی تمام تر خباثت کے ساتھ ہمارے اردگرد موجود ہے۔"

"ہم اپنی اپنی سوچ میں گم ہو گئے۔ مجھے اور شاہ زیب کو ایک فکر اور بھی تھی۔ راشدہ راجانی نے ایک بلوچن کی بے مثال دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انوش کے لیے جان قربان کر دی تھی۔ اب اگر اس کی موت کی اطلاع گرمستان تک پہنچ جاتی تو وہ ایک بار پھر مادر پدر آزاد ہو جاتا۔ وہ اور اس کے صف شکن مولانا کریم کے عقیدت مندوں پر مظالم توڑنا شروع کر دیتے۔

البتہ ایک اخباری خبر ایسی تھی جو ہمارے اندیشوں کو کم کر رہی تھی۔ اس خبر کے مطابق رانی کی کوٹھی میں دو طرفہ فائرنگ کے بعد پورچ کے قریب بڑی تیزی سے آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس میں دو تین لاشیں بھی بری طرح جل گئی تھیں، گڑھ نوشیر میں حالات چونکہ ابھی تک معمول پر تھے لہٰذا یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ راشدہ کی موت بھی ابھی تک راز ہے۔

☆☆☆

سردیوں کی دوپہر ہونے والی تھی۔ ڈیرے کے سامنے ایک ٹرک کھڑا تھا جس میں کالی سیاہ، صحت مند بھینسیں لوڈ کی جا رہی تھیں۔ دیہاتی طرز کے اس کمرے کی کھڑکی سے باہر قدرے نشیب میں دور تک مکئی اور گنے کے لہلہاتے سبز کھیت نظر آتے تھے۔ ایک ٹریکٹر ٹرالی کچے پکے راستے پر اچھلتی کودتی چلی جا رہی تھی۔ کہیں سے ڈیزل انجن کی کوکو بھی سنائی دیتی تھی۔ پگڈنڈی کے ساتھ سفید مہران کار کھڑی تھی۔ اس میں دیر سے دو عورتیں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھیں۔ ایک بڑی عمر کی تھی، دوسری جواں سال تھی اور اس کے چہرے پر چوٹوں کے تازہ نشان تھے، جیسے اسے مارا پیٹا گیا ہو۔ وہ بار بار رونے والے انداز میں اپنا چہرہ اوڑھنی میں چھپاتی اور دوسری عورت اسے تسلی دینے لگتی۔ اتنے میں انوش کا دوست طفیل لنگڑا کر چلتا ہوا ڈیرے سے نکلا۔ اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا جوان لڑکا تھا۔ لڑکا مہران کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا جبکہ طفیل پسنجر سیٹ پر۔ کار دھول اڑاتی ہوئی ایک طرف اوجھل ہو گئی۔

پہلوان حشمت بڑی دیر سے دھوپ میں بیٹھا ڈیرے کے ایک اچکی خاکروب سے باتیں کر رہا تھا۔ پہلوان میں ایک صفت تھی کہ اپنے شگفتہ لب و لہجے کے سبب عمر کی سے بہت جلد گھل مل جاتا تھا، ڈیرے کے جس نشئی ملازم سے وہ باتیں کر رہا تھا، اسے ایک دوسرے نشئے ملازم نے کسی بات پر ناراض ہو کر ٹھڈے مارے تھے۔ نشئی پہلے تو زمین پر گر کر روتا اور واویلا کرتا رہا، پھر پہلوان سے اپنا دکھ سکھ بیان کرنا شروع ہو گیا۔ پہلوان نے ہمیں فارغ دیکھا تو اچکی کے پاس سے اٹھ کر ہمارے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔ "تم دونوں کو پتا ہے یہ جو لڑکی گاڑی میں بیٹھی رو رہی تھی، کون تھی؟"

ہم دونوں سوالیہ نظروں سے پہلوان کا چہرہ تکنے لگے جو اچھے ناشتے کے بعد سردیوں کی دھوپ سینک کر سرخ سرخ نظر آ رہا تھا۔

پہلوان بولا۔ "یہ ہمارے میزبان "طفیل بارے" کی ہمشیرہ ہے..... کچھ بیمار ہے۔ یہ اسے اسپتال لے کر گئے ہیں۔"

"چاچا! تمہیں کیسے پتا ہے؟" شاہ زیب نے کہا۔

"میں ہر طرح کے لوگوں سے بات کرتا ہوں۔ اس سے بندے کی معلومات بڑھ جاتی ہیں۔"

"چاچا! میرا خیال ہے کہ تم اس اچکی کی بات کر رہے ہو۔" میں نے محتہ حال خاکروب کی طرف اشارہ کیا۔

پہلوان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک بڑی خاص بات کا پتا چلا ہے۔" وہ ہولے سے بولا۔ "یہ جو طفیل بارے کی بہن ہے، بڑی مصیبت سے چھوٹ کر آئی ہے۔"

"کیسی مصیبت؟"

"اس لڑکی وچاری کا خصم اول درجے کا بے غیرت نکلا۔ کسی قرضے میں پھنس گیا تھا۔ قرض داروں نے اس کی بیوی کو اٹھا لیا۔ وہ خبیث بیوی کو چھڑانے کے بجائے جان بچا کر کہیں غائب ہو گیا۔ اب اس کا بھائی اسے ان بدمعاشوں سے چھڑا کر واپس لایا ہے، تم دیکھ ہو، کیا بُرا حال ہے وچاری کا۔"

تب پہلوان نے ڈیرے کے سامنے اس ٹرک کی طرف اشارہ کیا جس میں بھینسیں لدی تھیں۔ وہ بولا۔ "تمہیں نظر آ رہا ہے نا وہ ٹرک۔ یہ بھینسیں اس لڑکی کر ماں باری کو بدمعاشوں سے چھڑانے کے لیے بیچی ہیں طفیل نے۔"

ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ وہ ٹرک کالی سیاہ صحت مند بھینسوں کو لے کر رخصت ہو گیا۔ اب پانچ چھ مریل سے موٹی ہی ڈیرے پر رہ گئے تھے یا دو چار بکریاں تھیں۔

یہ تو ہمیں تیسرے روز پتا چلا کہ اس رُودار کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس کا تعلق اصل میں کس سے ہے۔ انوش نے اب خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنی میڈم مریدہ کو کھو چکا ہے اور ساتھ ہی راشدہ راجانی کو جس

کا منہ اسے بھائی بھائی کہتے سوکھتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ اگر اسے یہ بدلے لینے ہیں تو پھر جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا پڑے گا۔ اس نے ڈیرے کے ہی ایک ملازم سے کہہ کر کہیں سے پہلی دھار کی دیسی شراب منگوائی تھی اور اپنا غم غلط کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ غم تو شاید وقتی طور پر دب گیا ہو مگر آنکھوں کی لالی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ میں ہر وقت اسے نگاہ میں رکھے ہوئے تھا۔ انوش ہی کی زبانی اس تلخ حقیقت کا انکشاف ہوا تھا کہ طفیل ہارے کی بہن کو اس کے شوہر کے قرض خواہوں نے نہیں اٹھایا تھا بلکہ وہ خبیث شوہر اسے جوئے میں ہارا تھا اور ایک اور انکشاف بھی تھا جو پہلے سے کہیں زیادہ تیز ان کن اور سنسنی خیز تھا..... طفیل ہارے کی بہن کا شوہر کوئی اور نہیں وہی بے غیرت مقبول احمر تھا جس کے ڈیرے پر ہم بہاولپور کے نواح میں قیام پذیر ہوئے تھے اور جس نے شروع میں یہ بتایا تھا کہ اس کی بیوی اس سے روٹھ کر میکے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتا رہا تھا کہ اسے کسی کام کے لیے آٹھ لاکھ روپے کی سخت ضرورت ہے (بعد ازاں پتا چلا تھا کہ مقبول ایک پکا جواری ہے اور اس کی سگی بہن بھی اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی ہے) ہم نے سوچا بھی نہ تھا کہ ہم مقبول کی کہانی کا انجام یوں بہاولپور اور رحیم یار خان سے کوسوں میل دور اس گاؤں میں دیکھیں گے۔

انوش کو یہ سب کچھ اپنے "ناگ سے معذور دوست" طفیل ہارے سے ہی معلوم ہوا تھا اور وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ انوش نے مجھ سے اور شاہ زیب سے وعدہ لیا کہ ہم یہ باتیں اپنے تک ہی محدود رکھیں گے۔

میں نے انوش سے پوچھا۔ "تم نے طفیل کو بتا دیا کہ وہ لفنگا جو اس کی بہن کا شوہر کہلاتا تھا، مارا گیا ہے؟"

"نہیں ابھی نہیں۔" انوش نے نشے میں لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ "لیکن آج شام کو یہ "خوش خبری" سنا دوں گا بھائی بہن کو۔"

اور شام کو واقعی انوش نے یہ خوش خبری طفیل اور اس کی لٹی پٹی بہن فریحہ کو سنا دی۔ طفیل کا گھر ڈیرے کے پچھواڑے میں ہی تھا۔ انوش، طفیل اور فریحہ سے بات کرنے وہیں پر گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہاں سے کسی عورت کے رونے کی آوازیں آئیں تو ہم چونکے۔

ایک دو منٹ بعد انوش جٹ اپنا زخمی بازو گلے میں لٹکائے طفیل ہارے کے گھر سے باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ اب بھی ہلکے نشے میں تھا۔ "یہ کون رو رہا ہے؟" میں نے انوش سے پوچھا۔

"اس بدبخت کی بیوی فریحہ۔" انوش نے دکھ آمیز لہجے میں کہا۔ "کچھ عورتیں بھی بس دکھڑی ہی لے کر آئی ہیں۔ اس کمبخت کی موت پر رو رہی ہے جو اسے دو بچے بچی سمیت جوئے میں ہار چکا تھا..... اور ایک بار نہیں بادشاہو، ایک بار نہیں۔" انوش نے انگلی لہراتے ہوئے کہا۔ "دو بار..... دو بار اس نے تاش کی بازی پر بیوی ہاری۔ اگر مر نہ جاتا تو تیسری بار بھی ایسا ہی کرتا..... اور دیکھو تو اس کو۔ اب بھی اس کے مرنے پر روتی ہے۔"

رونے والی کی آواز کے ساتھ ایک شیر خوار بچے کے رونے کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔

انوش بولا۔ "دیکھو اس بدبخت نے بیوی کو بچوں کے ساتھ بھی ہار دیا..... اور کوئی پتا نہیں تھا کہ کس دن جوان بہن بھی ہار جاتا۔ اسی لیے تو وہ نس گئی تھی گھر سے۔"

تھوڑی دیر بعد عورت کے رونے کی آواز مدھم پڑ گئی اور پھر تھم گئی۔

شاہ زیب نے کہا۔ "انوش، یہ طفیل ہارا تمہارا دوست ہے۔ پھر تمہیں یہ پتا نہیں چلا کہ بہاولپور کا وہ مقبول احمر اس کا بہنوئی ہے؟"

"نہیں، مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔" انوش بولا۔ "ویسے بھی طفیل سے میری دوستی کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ دو سال پہلے کی بات ہے۔ میں ایک چھوٹی فلم بنانے کا ٹھیکا لے کر یہاں آیا تھا۔ انہی دنوں طفیل سے میری سلام دعا ہوئی تھی۔ طفیل کی اس وراثتی زمین پر ایک بدمعاش نے قبضہ کر لیا تھا۔ میں نے میڈم مرینہ سے مل کر یہ قبضہ چھڑایا اور پھر یہ باڑا سا باغ خریدنے میں بھی اس کی مدد کی۔ بس یاری ہو گئی۔ بعد میں صرف ایک دو واری ہی اس سے ملنا ہوا۔ بہت بھلا مانس شریف بندہ ہے۔ پتا نہیں اس نے مقبول جیسے بدبخت کے ساتھ بہن کا رشتہ کیسے کر دیا۔"

بات کرتے ہوئے انوش مسلسل سگریٹ پھونک رہا تھا اور وہسکی کے تلخ گھونٹ بھی معدے میں انڈیل رہا تھا۔ وہ غم و غصے کی جس شدید کیفیت سے گزر رہا تھا، شراب ہی اسے واحد سہارا محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

طفیل ہارے کا یہ چھوٹا سا ڈیرا اور موسمی فارم ہمارے لیے ایک بہترین ٹھکانا ثابت ہو رہا تھا۔ مشورے کے بعد طے یہی ہوا تھا کہ ہم ابھی کچھ دن یہاں گزاریں..... اس اثنا میں میری اور انوش کی چوٹیں بھی ٹھیک ہو سکتی تھیں۔ ہم آئندہ کی پلاننگ بھی بہتر طریقے سے کر سکتے تھے اور اس سے بھی اہم یہ کہ پولیس اور صف دشمناں

کی طرف سے میری اندھا دھند تلاش کی سرگرمی بھی ماند پڑ گئی تھی۔

پروگرام یہی تھا کہ ہم براہ راست عالی جاہ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کریں۔ مگر وہ کہاں تھا؟ یہی سوال سب سے اہم تھا۔ عمران کی طرف سے ہم بہت فکرمند تھے، لیکن ایک تسلی بھی تھی۔ وہ جن لوگوں کے ہاتھ میں تھا، وہ اسے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہیں اس سے بہت کام لینا تھا۔

طفیل کے ڈیرے پر ہماری موجودگی کے بارے میں کسی کو کوئی شک نہیں تھا۔ انوش جٹ کو یہاں اکثر لوگ جانتے تھے۔ طفیل نے لوگوں کو یہی بتایا تھا کہ انوش صاحب کو یہاں کوئی نیا ٹھیکا ملنے والا ہے۔ وہ ایک دو ماہ یہیں رہے گا۔ اس کے کچھ مزید بھی ساتھ ہیں۔ وہ یہاں فارم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پولیس چوکی ویسے ہی یہاں سے آٹھ دس کلومیٹر دور پڑتی تھی۔

اس گاؤں کا نام بھی گاؤں ہی کی طرح خوب صورت تھا..... ہافاں والی۔ طفیل کا یہ ڈیرا گاؤں سے قریباً نصف کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ ڈیرے کے اردگرد گھنے درخت تھے اور اس سے آگے ہرے بھرے کھیت نظر آتے تھے۔ گاؤں کے اردگرد دو چار اور بارونق بستیاں دکھائی دیتے تھے۔ ڈیرے پر بجلی موجود تھا مگر بجلی اکثر غائب رہتی تھی۔ ہم سارا دن ریڈیو سنتے، اخبار پڑھتے، رات کے وقت ڈیرے کی کچی چار دیواری سے باہر نکل کر تھوڑی چہل قدمی بھی کر لیتے۔ ہمارے میزبان نے بادام والا تازہ گڑ، مونگ پھلی اور نشاستے کی سوغاتیں ہمارے لیے جمع کر دی تھیں۔ پہلوان لطف اٹھا رہا تھا۔ ہم بھی کسی وقت رات کو انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر مونگ پھلی بھون لیتے یا اخروٹ توڑتے۔

دوپہر کی سنہری دھوپ میں احاطے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھنا اور گنے چوسنا زائی اور قسطینا کا محبوب مشغلہ تھا۔ قسطینا پہلی بار دیہات کے ایسے مناظر دیکھ رہی تھی اور حیران ہوتی تھی۔ زائی اور ماہین اکثر قسطینا سے اپنا تاثر پرندوں کے حوالے سے بات کرتی رہتی تھیں۔ غالباً وہ دونوں ہی ابھی تک پوری طرح یقین نہیں کر پائی تھیں کہ یہ فطری دھوکا ہے یا حقیقت؟

چار پانچ روز پہلے بالآخر میں نے ماہین کو یہ بتا ہی دیا تھا کہ اس کا دیرینہ ساتھی اشفاق بلوچ اب دنیا میں نہیں رہا۔ اپنی ساری سنہری امیدوں اور آرزوؤں سمیت جا چکا ہے۔ تاہم فی الحال میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسپتال میں اشفاق پر جان لیوا حملہ کرنے والا عمران تھا۔ اشفاق کی موت کی خبر ماہین پر بہت بھاری گزری تھی۔ وہ دیر تک روتی رہی تھی۔ زائی اور قسطینا اس کی ڈھارس بندھاتی رہی تھیں۔ ایک طرح سے عمران والے دکھ کے ساتھ ایک اور دکھ بھی اس کے آنسوؤں میں شامل ہو گیا تھا۔

انوش جٹ بھی ابھی تک غم کے سنگین گھیرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اس کی شراب نوشی والی عادت ابھر کر سامنے آئی تھی۔ وہ اکثر نشے میں دھت ہو کر پڑا رہتا تھا۔ اب بھی دوپہر کے فوراً بعد ہی اس نے انڈین وہسکی کی نصف بوتل چڑھا لی تھی اور کمرے میں کمبل اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ گیا تھا بلکہ لڑھک گیا تھا۔

میں اور شاہ زیب ڈیرے کے پیچھے والے احاطے میں دھوپ سینک رہے تھے اور ایک دن پرانے اخبار کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ زائی بھی کچھ دور بیٹھی اپنے بالوں کو تیل لگا رہی تھی۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ کیوں انوش بھائی کا کچھ نہیں کرتے۔ وہ اپنی صحت خراب کر لیں گے۔"

"اسے تھوڑا وقت چاہیے۔" میں نے کہا۔ "ابھی اس سے زیادہ روک ٹوک کی گئی تو ٹھیک نہیں ہوگا۔"

شاہ زیب نے کہا۔ "ویسے مجھے لگتا ہے کہ اس کے بازو والے زخم میں بھی رات کو درد ہوتا ہے۔ زیادہ پینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔"

اچانک طفیل بارے کے گھر کی طرف سے شور سنائی دیا۔ پھر کوئی کڑک کر بولا اور ایک ساتھ کئی افراد بولنے لگے۔ ہم ڈیرے سے بہت کم نکلتے تھے مگر صورت حال ایسی تھی کہ ہمیں باہر جھانکنا پڑا۔ طفیل کے دروازے کے عین سامنے ایک 10 ناڈل کی ٹویوٹا کار کھڑی تھی جس کے پہیے کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ شلواروں قمیصوں والے تین چار بندے کئے افراد طفیل سے جھگڑا کر رہے تھے۔ اونچی کوا مونچھوں والا ایک شخص گرج رہا تھا۔ "تیری زبان ہے کہ ٹوٹا ہوا چھتر ہے۔ یہ تیسرا وعدہ تھا جو تو نے کیا تھا۔ آج ہر صورت رقم لے کر جائیں گے..... یا پھر....." اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

طفیل اپنی معذور ٹانگ کے ساتھ ایک سائڈ پر جھکا کھڑا تھا۔ اس نے مونچھیل شخص کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا اور دھیمی آواز میں کچھ کہا۔ بس چند الفاظ ہی سمجھ میں آئے۔ وہ منت کر رہا تھا اسے بس دو تین دن کی مہلت اور دے دی جائے۔

مونچھیل دہاڑا۔ "تو دو تین دن کا کہہ رہا ہے، میں دو تین گھنٹے نہیں دوں گا چل باہر نکال اسے۔"

طفیل نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔ موبیٹی خانے کی طرف چند کمزور بھینسیں اور تین چار بکریاں ہی کھڑی رہ گئی تھیں۔ وہ ان کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آج ساہیوال سے ایک بندہ آرہا ہے۔ لگتا ہے کہ آج سودا ہو جائے گا۔ آج نہ ہوا تو کل.....“

”کل نہ ہوا تو میری ماں کے چالیسویں پر ہو جائے گا۔“ موچھیل نے بات کاٹ کر کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ دو بندے طفیل کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے گھر میں گھس گئے۔ ارد گرد کھیتوں میں کئی مرد و زن اپنے اپنے کام چھوڑ کر یہ تماشا دیکھنے لگے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس کو اخلاقی کمزوری کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا۔ پہلوان، قصائی، زانی اور دو ملازم بھی چار دیواری کے اوپر سے یہ سب دیکھ رہے تھے، ان کا باہر آنا تو کسی طور مناسب نہیں تھا۔

موچھیل کے کندھے پر ہولسٹر لٹک رہا تھا۔ یقیناً اس میں ریوالور یا پستول تھا۔ یہ بھی یقینی تھا کہ کیچڑ آلود ٹیوٹا کار میں بھی اسلحہ وغیرہ ہوگا۔ چند ہی سیکنڈ بعد گھر کے اندر سے رونے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں، پھر دو بندے طفیل کی جوان بہن فریحہ کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ شیر خوار بچہ بھی اس کی بانہوں میں بلک رہا تھا۔ ٹانگ سے معذور طفیل، بہن کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ایک لمحے میں یہ بات ہماری سمجھ میں آگئی کہ یہ وہی جوئے میں ہارے جانے اور پھر فریحہ کو واپس لائے جانے کا معاملہ ہے۔ غالباً طفیل نے ابھی فریحہ کی مکمل رقم ادا نہیں کی تھی اور جواری فریحہ کو واپس لینے آگئے تھے۔

میں آگے بڑھا تو شاہ زیب نے میرے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر مجھے روک دیا اور خود دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ غنڈوں کے قریب پہنچا تو موچھیل گھور کر اسے دیکھنے لگا۔ ”کیا بات ہے بائو۔ کون ہے تو؟“

”میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ بتانا چاہیے کہ تم کون ہو؟ اور اس عورت کے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو؟“

موچھیل شخص نے سینہ چوڑا کیا اور تلخی انداز میں بولا۔ ”تجھے آئے ہو سوہنیا؟..... اور لگتا ہے کہ نئے ہی آئے ہو۔ میرا نام عنایت ہے..... عنایت لوہرا کے دادا..... یہ جو لوگ دائیں بائیں کھڑے ہیں ان سے پوچھ لو کون ہوں۔ چلو جاؤ یہاں سے۔“ اس نے ہاتھ ہلا کر شاہ زیب کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ بے چارہ جانتا نہیں تھا کہ کس کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ جب موچھیل عنایت نے شاہ زیب کو دھکا دیا اور فریحہ کو گھسیٹ کر کار کی طرف لے جانا چاہا تو وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ایک برق سی کوند گئی تھی۔ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان چاروں میں سے شاید کوئی ایک چوٹ بھی نہیں لگا سکا تھا شاہ زیب کو۔ صرف ایک منٹ بعد یہ صورت حال تھی کہ موچھیل عنایت کے دو بندے لہولہو چہروں کے ساتھ کیچڑ آلود ٹیوٹا گاڑی کے سامنے پڑے کراہ رہے تھے۔ موچھیل عنایت چاروں شانے چت کچی زمین پر پڑا تھا۔ اس کی گردن پر شاہ زیب کا پاؤں تھا اور اس کا ریوالور شاہ زیب کے ہاتھ میں تھا۔

شاہ زیب اس کی توانا گردن پر پاؤں کا دباؤ بڑھاتا تو وہ ہاتھ پاؤں پھینکنے لگتا تھا۔ اس کی حالت پتلی تھی۔ لگتا تھا کہ اسے اس ساری صورت حال پر یقین ہی نہیں آرہا۔ فریحہ نے بچے کو چھاتی سے لگایا ہوا تھا اور شاہ زیب کے عقب میں کھڑی تھی۔ وہ جھک کر اپنی گری ہوئی اوڑھنی اٹھانے لگی تو شاہ زیب کی آواز آئی۔ ”رک جاؤ۔“

وہ ٹھٹک گئی۔ شاہ زیب نے موچھیل کی گردن سے پاؤں ہٹایا اور گریبان سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔ شاید اس کی ناف پر چوٹ آئی تھی اس سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ وہ بندہ ہی نہیں جو تھوڑی دیر پہلے یہاں اکڑ کر کھڑا تھا۔

”چلو اٹھاؤ یہ چادر، اور ڈالو اپنی اس بہن کے سر پر۔“ شاہ زیب نے کہا۔

وہ تذبذب میں نظر آیا تو شاہ زیب نے زناٹے کا تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ وہ بُری طرح ڈگمگا کر رہ گیا۔ فوراً ہی اس نے چادر اٹھا کر فریحہ کے سر پر ڈال دی۔ فریحہ اپنے بھائی طفیل کے سینے سے لگ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چاروں غنڈے ٹیوٹا میں بیٹھ کر راہِ فرار اختیار کر رہے تھے۔ شاہ زیب نے آخر میں انہیں جس طرح وارننگ دی تھی، لگتا یہی تھا کہ وہ اب دوبارہ اس گاؤں کے پاس سے بھی نہ گزریں گے۔ ان کی گاڑی پر ملتان کا نمبر تھا۔

طفیل نے نیازمندی سے شاہ زیب کے گھٹنوں کو چھونا چاہا اور اشک بار ہو کر سر پیٹ لیا۔ حیران حیران سے دیگر لوگ بھی آہستہ آہستہ موقع سے ہٹ گئے۔ البتہ ایک ٹریکٹر ٹرالی کے پیچھے ایک عورت وہاں موجود رہی۔ عورت بھی نہیں وہ ایک جواں سال لڑکی تھی۔ اس کی سفید چولوں والی گلابی اوڑھنی ٹرالی کے پیچھے سے جھلک دکھا رہی تھی۔ پتا نہیں یہ کون لڑکی تھی۔ (دو دن پہلے بھی میں نے اسے دیکھا

سے دیکھا تھا۔ اس کی سفید پھولوں والی گلابی اوڑھنی کی جھلک باغ کی طرف نظر آئی تھی۔ مقامی عورتوں کے انداز میں اوڑھنی نے اس کا نصف چہرہ ڈھانپ رکھا تھا) لڑکی نے جب اس طرح مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو ٹرالی کے پیچھے سے اوجھل ہوگئی۔

ہم جس طرح کے خطرناک حالات سے گزر رہے تھے، ہر کسی پر کڑی نظر رکھنا ضروری تھا۔ عالی جاہ کے لوگ خوبرو لڑکیوں سے کام لینے کے ماہر تھے اور کئی دور افتادہ علاقوں میں ان کا نیٹ ورک موجود تھا۔ یہ دور افتادہ علاقہ نہیں تھا مگر وہی تو تھا۔ ڈیرے کے اندر واپس آکر میں نے کمرے کی ایک کھڑکی سے کھیتوں کی طرف دیکھا۔ چارے سے لدی ہوئی ٹرالی اپنی جگہ موجود تھی مگر اب اس کے عقب میں پھولوں والی اوڑھنی کی جھلک نظر نہیں آئی۔ مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

مجھے معلوم تھا ماہین، عمران کو یاد کر کے ہر وقت روتی رہتی ہے۔ اس رات بھی سخت سردی میں، میں نے اسے دیکھا، وہ شال اوڑھے، ہاتھ بغلوں میں دبائے کھوئی کھوئی سی برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔ اس کے لمبے بال شانوں پر بکھرے تھے۔

میں نے اسے اپنے پاس بلا لیا..... کوئلوں والی انگیٹھی دھیمی پڑ چکی تھی مگر حرارت ابھی باقی تھی۔ میں جانتا تھا کہ عمران کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے باوجود ابھی تک عمران کے حوالے سے کئی سوالات ماہین کے ذہن میں باقی ہیں۔ ان سوالات کا تعلق عمران کے ماضی سے تھا اور انڈیا سے تھا جہاں وہ اب تک اپنی والدہ افشاں کے ساتھ رہا تھا۔ کچھ باتیں عمران نے ضرور ماہین کے گوش گزار کی تھیں مگر پوری تفصیل سے صرف میں ہی آگاہ تھا۔

میں نے اس رات وہیں بیٹھے بیٹھے وہ سب کچھ ماہین کے گوش گزار کر دیا تاکہ وہ الجھنوں سے نکل سکے۔ یہ ساری روداد ماہین کو سناتے سناتے میں خود بھی تصورات میں کھو گیا اور وہ واقعات ایک فلم کی طرح میری نگاہوں کے سامنے چلنے لگے۔ میں نے تصور کی نگاہ سے قریباً بائیس تیئس سال پہلے کا وہ منظر دیکھا، میرا یار..... میرا جگر عمران دانش انڈیا کے شہر جھانسی سے کچھ ہی فاصلے پر ایک ہیوی موٹر بائیک پر سوار بڑی رفتار سے اُڑا چلا جا رہا تھا۔ اس کے بال شانوں تک پہنچ رہے تھے۔ گھنی داڑھی اور مونچھیں تھیں۔ سردی کا موسم تھا، لمبر پکر چھ سات ڈگری سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود عمران دانش نے فقط پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے، قمیص کے اندر سے جہاں اس کے ورزشی جسم کے ابھرے ہوئے مسل نظر آتے تھے، وہاں ایک اور چیز بھی نظر آتی تھی۔ اس کی بائیں آستین پر خون کے دھبے، وہ ابھی ابھی رام کے ایک سفاک ایجنٹ کو جہنم واصل کر کے آیا تھا، بی ایس ایف کی دو گاڑیاں اس کے پیچھے تھیں، مگر ایسے سرفروشوں کو پکڑنا تنخواہ دار سرکاری ملازموں کے بس کا روگ کہاں ہوتا ہے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ عمران تعاقب کرنے والوں کو چکمہ دیتا ہوا ایک قبرستان میں داخل ہوا۔ وہاں موٹر بائیک پھینک کر دوڑتا ہوا جھانسی کی ایک گنجان آبادی میں گھس گیا۔ دو تین للکارے بھی اس کے پیچھے تھے اور للکارے مار رہے تھے۔ "پکڑو اُس کو۔ یہ ہتھیارا ہے۔ جانے نہ پائے۔"

عمران دانش ایک تنگ گلی میں گھسا اور پھر ایک چار دیواری پھلانگ کر ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ مکان درمیانے درجے کا تھا اور کسی مسلمان رہائشی کا لگتا تھا۔ یہ رات آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا، کئی کمروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں، باتوں کی آواز بھی آ رہی تھی۔ گلی کے آخری سرے پر ابھی تک آوازیں گونج رہی تھیں۔ "پاکستانی ہے، دو افسروں کی ہتھیا کر کے نکلا ہے، انہی گلیوں میں گھسا ہے۔"

عمران نے خود کو سیڑھیوں کے نیچے موجود خلا میں چھپا لیا۔ کولٹ پستول اس کی شرٹ کی عقبی سمت میں اُڑسا ہوا تھا، اسے نکال کر اپنے ہاتھ میں کر لیا اور پتلون کی جیب سے نیا میگزین نکال کر اس کے ساتھ اٹیچ کر لیا۔ وہ بڑے سکون میں تھا اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

گلی میں گونجنے والے للکارے اب کسی اور سمت میں نکل گئے مگر یہ تو طے تھا کہ وہ لوگ اسی علاقے میں موجود ہیں۔

گھر میں کچھ چہل پہل سی نظر آتی تھی۔ جیسے کچھ مہمان موجود ہوں یا پھر آنے والے ہوں۔ کچن سے اٹھنے والی بریانی کی خوشبو اور کبابوں کی مہک بھی عمران کے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ یہ ایک مسلم گھرانا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد کسی بڑی عمر کی عورت کی آواز آئی۔

"بیٹی کو بلے لے آنا انگوٹھی کے لیے۔"

ایک دو منٹ گزرے پھر نیم تاریک صحن میں ایڑی والے سینڈل کی ٹھک، ٹھک سنائی دی۔ عمران کو توقع نہیں تھی کہ آنے والی سیدھی سیڑھیوں کے اس زیریں خلا کی طرف ہی چلی آئے گی۔ وہ مناسب قد کاٹھ کی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس

نے مشرقی لباس پہن رکھا تھا، تھوڑی بہت سنوری بھی نظر آتی تھی۔ جونہی وہ جھک کر سیڑھیوں کے نیچے آئی، عمران دانش کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اس کے شور مچانے سے پہلے ہی اسے دبوچ لے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے بڑی مضبوطی کے ساتھ اس کا کومل منہ ڈھانپ لیا تھا۔ ”دیکھو شور نہ مچانا، میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا تمہیں۔ ویسے میرے ہاتھ میں پستول موجود ہے۔“

لڑکی بے طرح گھبرا گئی مگر سمجھ دار تھی۔ اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے اور ڈری ڈری نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ ابھی کچھ دیر پہلے لگی میں جو شور شرابا ہوا تھا اس کا تعلق اسی شخص سے تھا جو اسے یہاں دبوچے بیٹھا تھا۔ عمران دانش نے لڑکی کو یقین دلایا کہ وہ اسے یا اس کے گھر والوں کو کاٹا چھونے کی تکلیف بھی نہیں دے گا اور ایک دو گھنٹے میں یہاں سے چلا جائے گا مگر شرط یہی ہے کہ وہ اس کی موجودگی کی بات اپنے تک رکھے۔

عمران کے لب و لہجے میں جو ایک خاص قسم کی تاثیر ہوا کرتی تھی، اس نے لڑکی کو اس کی بات ماننے پر آمادہ کر دیا۔ عمران وہیں سیڑھیوں کے نیچے تاریک خلا میں موجود رہا۔ لڑکی خود کو سنبھال کر کوٹ وغیرہ لے کر وہاں سے چلی گئی۔

آدھ پون گھنٹے بعد گھر میں کچھ مہمان آ گئے۔ وہ سامنے والے روشن صحن کی طرف سے داخل ہوئے تھے۔ مرد و زن کی گفتگو کی آوازیں آنے لگیں۔ چند بچوں کی چہکاریں بھی سنائی دیں۔ یہ نیم تاریک عقبی صحن عمران کو بالکل محفوظ لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے نیچے سے نکل کر تاریکی میں دیوار کے ساتھ چلتا ایک کھڑکی تک پہنچا۔ اندر گھر کے مختصر ڈرائنگ روم کا منظر نظر آ رہا تھا۔ آٹھ دس مرد و زن بیٹھے تھے۔ میز پر چائے اور اسنیکس وغیرہ رکھے تھے۔ وہ درمیانی شکل و صورت والی انیس بیس سال کی لڑکی بھی ایک جانب سر جھکائے بیٹھی نظر آئی۔ منظر نے عمران کو سمجھا دیا کہ لڑکی کے رشتے کی بات ہو رہی ہے بلکہ شاید پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ مٹھائی وغیرہ بھی کھائی اور کھلائی جا رہی تھی۔ یہ مڈل کلاس گھرانا تھا۔ جن سے رشتہ ہو رہا تھا، وہ بھی مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔

کھانا وغیرہ بھی کھایا جا چکا تھا، تقریب اب ختم ہونے کے قریب تھی۔ عمران واپس سیڑھیوں کی طرف اپنی تاریک پناہ گاہ میں چلا گیا۔ مہمانوں کے فوراً بعد اب وہ بھی یہاں سے نکلنے کا سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی زخمی کلائی کی مرہم پٹی بھی کرنی تھی جہاں اس نے کس کر رومال باندھا ہوا تھا۔

اچانک اندر کچھ مختلف قسم کا شور سنائی دیا۔ کوئی بُری طرح گرج برس رہا تھا۔ خواتین کے چلّانے کی آوازیں بھی آئیں۔ عمران نے سیڑھیوں کے نیچے سے نکل کر دوبارہ کھڑکی میں جھانکا۔ منظر تہلکہ خیز تھا۔ دو نہایت بھدے تگڑے افراد جنہوں نے ڈکیتوں کی طرح منہ پر نقاب چڑھائے ہوئے تھے، اسلحے کے زور پر سب مرد و زن کو جان سے مارنے کی سنگین دھمکیاں دے رہے تھے اور ایک کمرے میں گھسنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

”خبردار آواز نہ نکلے ورنہ جان بھی نکلے گی۔“ وہ دھمکا رہے تھے، ایک نقاب پوش کے ہاتھوں میں دو چار طلائی زیورات بھی نظر آ رہے تھے جو یقیناً خواتین کے جسم سے نوچے گئے تھے۔

خاموش رہنے کی وارننگ دے کر سب کو ایک کمرے میں لاک کر دیا گیا، تاہم ان کے موبائل فون باہر ہی رکھوا لیے گئے تھے۔ اب صرف وہ لڑکا کمرے سے باہر تھا جس کا رشتہ طے ہوا تھا یا نیم سفید داڑھی والا ایک باریش شخص جو غالباً لڑکی کا باپ تھا۔

”سیف کی چابی دو۔“ ایک نقاب پوش نے باریش شخص کی پیشانی پر رائفل کا بیرل رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے ایک دراز کھول کر لرزتے ہاتھوں سے چابیاں تھما دیں۔ رائفل بردار سیف کے لیے کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے نقاب پوش کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا پستول تھا۔ لڑکے اور اس کے متوقع سسر نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر رکھے تھے اور ذرا سی حرکت بھی نہیں کر رہے تھے کہ کہیں غلط فہمی میں گولی نہ چل جائے۔ عمران دانش حیران رہ گیا جب بغیر کسی غلطی یا غلط فہمی کے ہی لڑکے کے سر پر گولی مار دی گئی۔ عین کنپٹی پر لگنے والی اس گولی نے سائیلنسر کے سبب صرف ٹھک کی آواز ہی پیدا کی تھی۔ بدقسمت نوجوان جو صاف ستھری شیروانی میں ملبوس تھا، کٹے شہتیر کی طرح صوفے سے ٹکرانے کے بعد فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ غالباً باریش شخص نے بھی نقاب پوش کی آنکھوں میں اپنے لیے موت دیکھ لی تھی۔ وہ ”یا اللہ..... یا اللہ“ پکارتا ہوا عقبی دروازے کی طرف بھاگا۔ نقاب پوش موت کے فرشتے کی طرح اس کے پیچھے آیا۔

دونوں اب نیم تاریک عقبی صحن میں تھے۔ بھاگتا نقاب پوش بڑی عمر کے شخص کو اوندھا گرا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا تھا اور اس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ کر پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی تھی، وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح

پکارا۔ ”کتنا کہا تھا تجھے باز آجا..... کتنا کہا تھا۔“

”خدا کا خوف کرو۔ اس کے عذاب سے ڈرو۔ مت کرو ہمارے ساتھ ایسا۔ معاف کردو..... معاف کردو۔“

”معاف ہی تو کرنے لگا ہوں۔“

نقاب پوش کے لہجے نے عمران کو سمجھا دیا کہ وہ اس باریش شخص کی زندگی بھی چھین لے گا۔ وہ نقاب پوش پر جا پڑا اور اسے اپنے ساتھ رگیدتا ہوا دور لے گیا۔ بہت جاندار ہونے کے باوجود وہ عمران کے بس کا نہیں تھا۔ عمران اس کا پستول چھیننے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ چھوڑ کے نہیں دے رہا تھا۔ اس تگ و دو میں پستول کا رخ نقاب پوش کے سینے کی طرف ہو گیا۔ عمران نے موقع غنیمت جان کر ٹریگر دبا دیا۔ ٹھک کی آواز آئی اور گولی نقاب پوش کا نچلا جبڑا چیر کرتالو کے راستے اس کے دماغ میں گھس گئی۔

باریش پھٹی پھٹی نظروں سے کبھی نقاب پوش کی طرف اور کبھی عمران کی طرف دیکھتا تھا۔ بند کمرے میں خواتین اور بچوں کے چلّانے کی آوازیں اب بلند ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ صاف پتا چلتا تھا کہ یہ واردات راز نہیں رہ سکی۔ گلی کے باہر بھی بہت سے لوگ جمع ہو چکے ہیں۔ پھر بی ایس ایف کے اہلکاروں کی بلند آوازیں بھی گھر کے عین سامنے سنائی دینے لگیں۔ کسی پولیس گاڑی کا ہوٹر بھی شور مچاتا تیزی سے قریب آرہا تھا۔ اب عمران کا بھی یہاں سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے تیزی کے ساتھ باریش شخص کو مخاطب کیا۔ ”انکل جی! میں دشمن نہیں دوست ہوں اور آپ نے دیکھ بھی لیا ہے لیکن اگر آپ نے کسی کو میرے بارے میں بتایا تو آپ کے لیے بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔“

باریش شخص نے وحشت زدہ انداز میں زمین پر پڑے نقاب پوش کو دیکھا۔ ”یہ..... یہ مر گیا ہے؟“

”جی ہاں، مگر آپ نے یہی کہنا ہے کہ اندر والے نوجوان کو مار کر یہ آپ کو بھی مار دینا چاہتا تھا۔ آپ کے ساتھ دھکم دھکا ہوا اور اس کے اپنے ہی پستول کی بلٹ اس کو لگی۔“

باریش شخص سکتہ زدہ سا عمران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”جیسے دماغ ماؤف ہو چکا ہو۔“ ”اوپر چھت پر جانے کے لیے یہاں سے کوئی راستہ ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

بوڑھے نے اپنی لرزتی انگلی صحن کے ایک گوشے کی طرف اٹھا دی۔ بی ایس ایف اور پولیس کے اہلکار چار دیواری پھاند کر سامنے والے بڑے صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ عمران ایک تنگ زینے پر چڑھ کر مکان کی چھت پر آگیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ساتھ والے مکان کی چھت پر کود کر، تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں آگے نکل جائے گا مگر جب چھت پر پہنچ کر اس نے ملحقہ چھت کی طرف دیکھا تو مایوسی ہوئی۔ ڈھیتی کا شور سن کر اس گھر کی چھت پر بھی اہلِ خانہ جمع تھے، کچھ دیگر چھتوں اور بالکونیوں میں بھی کچھ ایسے ہی مناظر تھے۔ عمران کو چھت کی برساتی کے پیچھے کاٹھ کباڑ سے بھری ہوئی ایک کوٹھری نظر آئی۔ فی الوقت یہی پناہ کے لیے مناسب لگی۔ عمران پستول بدست کسی نہ کسی طرح اس کاٹھ کباڑ کے اندر گھس کر بیٹھ گیا۔ اس کی تیز چھٹی حس نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ یہاں محفوظ رہے گا..... بلکہ اگر اپنے دفاع کی ضرورت پڑی تو وہ بھی کر سکے گا۔

گھر کے زیریں حصے سے اب رونے اور بین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جو لوگ بڑے چاؤ سے، کچھ دیر پہلے اپنے بیٹے کا رشتہ طے کر رہے تھے وہ اب اس کی خوں چکاں لاش پر نوحہ کناں تھے۔ بی ایس ایف اور پولیس کے اہلکار پورے گھر میں دندناتے پھر رہے تھے۔ وہ چھت پر بھی آئے۔ جو گفتگو وہ کر رہے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ یہ کل تین وارداتیے تھے، ایک باہر چھوٹی جیپ میں بیٹھا تھا۔ دو اندر آئے تھے، ان میں سے ایک مارا گیا اور دوسرا فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔

اب اہلکار مکان میں تلاش کی بس رسمی کارروائی ہی پوری کر رہے تھے۔ وہ کاٹھ کباڑ سے لدی پھندی کوٹھری کی طرف بھی آئے۔ ٹارچ کے دو روشن دائروں نے بھی چند سیکنڈ کوٹھری میں گردش کی پھر وہ لوگ نیچے چلے گئے۔ غالباً بی ایس ایف والوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنے جس پاکستانی مطلوب کو آبادی میں ڈھونڈ رہے ہیں، وہ بھی اسی جائے واردات پر موجود ہے۔

اب ایمبولینس وغیرہ کا شور بھی سنائی دینے لگا تھا۔ یقیناً لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال منتقل کیا جا رہا تھا۔ گھر کے نچلے حصے میں مرد و زن کی گریہ زاری بھی اب ماند پڑتی جا رہی تھی۔ عمران نے وہ رات اسی سرد کوٹھری میں گزاری کہ ابھی یہاں سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ صبح سویرے سوگوار چہرے والی وہی لڑکی چھت پر نظر آئی جس سے کل رات سیڑھیوں کے نیچے عمران کی ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ اپنی متلاشی نظریں کونوں کھدروں میں دوڑا رہی تھی۔ اس گھر میں باریش شخص کے علاوہ صرف وہی جانتی تھی کہ ایک اور اجنبی بھی یہاں موجود ہے۔

ابھی رات کی تاریکی اُجالے میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ لڑکی پریشان چہرہ لیے دبے قدموں کے ساتھ کوٹھری

کی طرف آ گئی اور متجسس نظروں سے اندر کا جائزہ لینے لگی۔ عمران نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا مناسب سمجھا۔ وہ بجری طرح اچھلی، پھر اس نے جلدی سے جا کر برساتی کا دروازہ چھت کی طرف سے بولٹ کر دیا۔ نیچے اندھیرے میں وہ سرعت سے قدم اٹھاتی دوبارہ کوٹھری کی طرف آئی۔

عمران نے ہولے سے کہا۔ ''میرا خیال ہے تم نے میری آواز پہچان لی ہے۔ مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تم کہو تو میں باہر آ جاتا ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ بدک کر بولی۔ ''آپ..... آپ وہیں رہو۔ میں ابا جان کو بلاتی ہوں۔''

عمران کو اندازہ ہوا کہ باریش شخص ہی اس لڑکی کا باپ ہے اور باپ بیٹی میں بات ہو چکی ہے۔ پانچ منٹ بعد لڑکی پھر دبے دبے قدموں سے چھت پر آ گئی۔ اس مرتبہ لڑکی کے ساتھ وہی دبلا پتلا باریش شخص تھا جسے رات کو عمران نے مرنے سے بچایا تھا۔ ان دونوں کے کہنے پر عمران اپنی محفوظ پوزیشن چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ اسے باریش شخص کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے نظر آئے۔ عمران کو گلے سے لگا کر بولا۔ ''پتا نہیں تم کون ہو..... مگر جو کوئی بھی ہو، میرے اللہ نے مجھے تمہارے ذریعے نئی زندگی دی ہے۔''

لڑکی گہری نظروں سے عمران اور اس کے زخمی بازو کو دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی طرف انگلی اٹھا کر لرزاں آواز میں بولی۔ ''تم..... وہی..... پاکستانی ہو نا جس کو آبادی میں ڈھونڈا جا رہا ہے؟''

عمران نے کہا۔ ''میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میری طرف سے آپ لوگوں کو کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں ابھی روشنی ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاتا ہوں۔''

''نہیں، نہیں۔'' باریش نے بے ساختہ کہا۔ ''ابھی بارڈر سیکیورٹی والے اور پولیس کے لوگ آس پاس گلیوں میں موجود ہیں۔ ابھی..... تھوڑا انتظار ٹھیک رہے گا۔'' پھر اس کا دھیان عمران کے زخمی بازو کی طرف گیا۔ ''میرا خیال ہے تمہیں مرہم پٹی کی بھی ضرورت ہے۔ کیا ہوا تھا یہاں؟''

''تیز دھار آلے کا کٹ ہے۔'' عمران نے مختصر جواب دیا۔

''میں فرسٹ ایڈ لاتی ہوں۔'' لڑکی نے کہا اور دبے پاؤں نیچے چلی گئی۔

باپ بیٹی نے نہ صرف عمران دانش کی مرہم پٹی کی بلکہ اسی کوٹھری میں اسے کھانا بھی کھلایا۔ باریش شخص کا نام مراتب علی اور اس کی بیٹی کا افشاں تھا۔ گھر میں باپ بیٹی کے علاوہ افشاں کی والدہ اور چودہ پندرہ سال کا ایک بیٹا تھا۔ مراتب علی اسی کالونی میں اسٹیشنری اور کتابوں کی ایک دکان چلاتے تھے۔ مراتب علی نے عمران کو بتایا کہ پولیس بڑی تندہی سے ڈکیتی ڈالنے والوں کو تلاش کر رہی ہے مگر ابھی تک کوئی خاص سراغ نہیں ملا۔

عمران دانش نے مراتب علی سے پوچھا۔ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعی ایک ڈکیتی تھی؟''

مراتب علی کے چہرے پر الجھن کی لکیریں نمودار ہوئیں اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمران دوبارہ بولا۔ ''انکل! میری طرح آپ نے بھی سنا تھا۔ جس نقاب پوش نے آپ پر پستول تانا تھا، وہ کیا کہہ رہا تھا..... کتنا کہا تھا تجھے باز آ جا، کتنا کہا تھا..... مطلب یہ کہ وہ آپ کو پہلے سے جانتا تھا۔''

مراتب علی کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا۔ لڑکی افشاں بھی پاس ہی کھڑی تھی، اس نے لڑکی کو نیچے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر عمران دانش سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تم اجنبی ہو بیٹے لیکن پھر بھی اجنبی نہیں لگ رہے ہو۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ساری تفصیل تو میں نہیں بتا سکتا، بس یوں سمجھو کہ میرا گھر اس وقت ایک سخت مصیبت میں ہے۔'' مراتب علی کی آنکھوں میں پھر آنسو چمک گئے۔ جذبات کی روانی میں اس نے کہہ ڈالا۔ ''افشاں کے ہونے والے شوہر کو مارا گیا ہے، قتل کیا گیا ہے۔ وہ..... وہ مجھے بھی مار ڈالتے اگر تم درمیان میں نہ آ جاتے۔ یہ ڈکیتی وکیتی کچھ نہیں ہے۔ انہیں بھلا روپے پیسے کی کیا ضرورت۔ ان کی تو تجوریاں بھری پڑی ہیں۔ یہ لوگ بس اس کو ڈکیتی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔''

''تو کیوں دشمن ہیں وہ لوگ آپ کے؟''

''وہ خبیث بادل میری بچی کی شادی نہیں ہونے دے گا، کبھی نہیں ہونے دے گا۔ وہ پہلے بھی دو مرتبہ یہی قیامت ڈھا چکا ہے۔ اللہ غارت کرے اس کو..... اللہ برباد کرے.....''

نیم سفید داڑھی والا مراتب علی جذبات کی رو میں کہتا چلا گیا۔ پھر ایک دم اسے احساس ہوا کہ وہ ایک اجنبی کے سامنے کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور ذرا بدلے لہجے میں بولا۔ ''بس یہ ایک رشتے کا معاملہ ہے۔ میرا اللہ میری بچی کو انصاف دے گا۔ ضرور دے گا۔'' وہ کہتا ہوا نیچے چلا گیا۔

مراتب علی نے کسی ''بادل'' نامی شخص کا نام لیا تھا۔ عمران کو یوں لگا جیسے جہانگیر نامی اس شہر میں یہ نام اس نے کہیں سنا ہوا ہے۔

مراتب علی کتب فروش کے اس گھر میں عمران کا قیام ہوں کچھ اور طویل ہو گیا کہ را کے بندے کو مارنے والے یعنی عمران دانش کی تلاش اس آبادی میں طول پکڑ گئی۔ مراتب علی ہی کی زبانی عمران کو معلوم ہوا کہ یہاں چند گلیوں کی مستقل نگرانی کی جا رہی ہے۔ کالونی میں دو جگہ پولیس نے ٹینٹ کی شکل میں عارضی پوسٹ بنالی ہے۔ مراتب علی نے کوٹھری میں سے سارا کاٹھ کباڑ نکال کر کمرا نما برساتی میں منتقل کر دیا تھا اور کوٹھری کو صاف ستھرا کر کے وہاں ایک اچھی چارپائی لگا کر اسے عمران کے رہنے کے قابل کر دیا تھا۔ مراتب علی ان مسلمانوں میں سے تھا جو انڈیا میں مسلمانوں کی حالتِ زار پر کڑھتے تھے، خاص طور سے جھانسی جیسے شہروں میں تو مسلمانوں کا کوئی پرسانِ حال ہی نہ تھا کہ وہاں وہ آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ عمران دانش کو ایک پاکستانی کی حیثیت سے مراتب علی خاص ہمدردی اور محبت دینے لگا تھا۔ شاید وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر اس نے را کے کسی بندے کو مارا بھی ہے تو کسی معقول وجہ سے ہی مارا ہو گا۔ پھر ایک روز ڈرتے ڈرتے مراتب علی نے عمران کو اپنی دردبھری کتھا سنا ہی ڈالی۔

اس نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔ ”عمران! اس سے پہلے تین مرتبہ میری بچی کا رشتہ ہوتے ہوتے رہا ہے۔ پہلی دفعہ تو لڑکا ہماری اسی کالونی کا رہنے والا تھا۔ اس کے گھر والوں کو اس بُری طرح ڈرایا دھمکایا گیا کہ انہوں نے اپنا ذاتی گھر بیچنے پر لگا دیا اور راتوں رات کہیں اور جا بسے۔ دوسری مرتبہ بھی منگنی کے دو دن بعد لڑکے والوں نے بغیر کوئی وجہ بتائے انگوٹھی واپس بھیج دی اور یہی نہیں میری باپردہ نیک بچی پر دل چیر دینے والے الزامات لگائے۔ تیسری مرتبہ ابھی رشتے کی بات ہی چل رہی تھی کہ وہ بچہ موٹر بائیک کے ایک ایکسیڈنٹ میں جان ہار گیا۔ پچانوے فیصد امکان یہی ہے کہ وہ ایکسیڈنٹ کرایا گیا تھا۔“

مراتب علی کی آواز رُندھ گئی، ذرا توقف کر کے بولا۔ ”اب یہ جو لڑکا ناصر پانچ دن پہلے میرے گھر میں قتل ہوا ہے اس ایکسیڈنٹ والے لڑکے مشاہد کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کی طرح دلیری دکھائی اور میری بچی پر لگنے والے جھوٹے الزامات کے باوجود اسے بیاہنے پر مُصر ہوا۔ ہم میاں بیوی نے اسے بہت روکا بھی مگر اس کا ارادہ یہی تھا کہ دو دن بعد خاموشی سے نکاح کر کے افشاں کو اپنے ساتھ کینیڈا لے جائے گا۔ وہ دو ماہ پہلے اپنے بھائی کی موت پر کینیڈا سے ہی آیا تھا۔“

سوبھکھ

مراتب علی چہرے پر اپنا صافہ رکھ کر باقاعدہ رونے لگا۔

عمران دانش نے کہا۔ ”آپ اس سارے ظلم کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتے۔ قانون کی مدد حاصل کیوں نہیں کرتے؟“

مراتب نے اپنا چہرہ چھپائے چھپائے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں بیٹا، ہمارا کچھ نہیں بنے گا۔ وہ بڑے زور آور ہیں۔ ان کو مرنا بھولا ہوا ہے۔ باپ میں تو شاید پھر بھی انسانیت کی کچھ رمق باقی ہو مگر بیٹا تو سرتاپا شیطان ہے۔ دیکھو جیل میں ہو کر وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے، باہر ہو گا تو کیا نہ کرے گا۔ اب تو دو ہی راستے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ دوں اور حرام موت کی طرف جانے کے بجائے خود کو قانون کے حوالے کر دوں، یا پھر اس بدنصیب کو اس کی تقدیر پر چھوڑ دوں۔“

اس روز مراتب علی عجب جذباتی کیفیت میں تھا۔ عمران اس سے پوچھتا گیا اور وہ کچھ تذبذب کے ساتھ بتاتا چلا گیا۔

”انکل مراتب! آپ نے ایک دن کسی بادل کا نام لیا تھا، یہ کون ہے؟“

”یہ بڑے راجپوت آریان کا بگڑا ہوا بیٹا ہے۔ ایک سیاسی بندے کی شہ پر ملوث تھا۔ طاقتور خاندان کا بندہ ہے، صرف تین سال کی قید ہوئی تھی۔ بس ختم ہونے والی ہے۔ ایک ڈیڑھ مہینے میں باہر آنے والا ہے۔“

”تو یہ بادل شادی کرنا چاہتا ہے آپ کی بیٹی سے؟“

”شادی کہاں؟ ہوس ہے ہوس۔“ مراتب علی نے عجب رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ”لوگ اپنی بہو بیٹیوں کو چھپاتے پھرتے ہیں اس راجپوت صاحب کے بیٹوں سے۔“

اس دن کتب فروش مراتب علی نے عمران دانش کو جو رُوداد سنائی، وہ کئی لحاظ سے عجیب تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ بندہ جو خود کو بڑا راجپوت کہلواتا ہے، اصل میں جھانسی کے شاہی خاندان نوالکر سے تعلق رکھتا ہے، اس کے خانوادے کو نوالکروں کی ایک بگڑی شاخ ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ پورے ہندو ہیں نہ پورے مسلمان۔ ان کے نام اور ان کے رسم و رواج بھی ایسے ہیں جو ہندو مسلمان دونوں میں ہوتے ہیں۔ بڑے راجپوت آریان نے بھی گھر میں جو تین چار عورتیں ڈالی ہوئی تھیں، ان میں سے بھی دو ہندو تھیں، ایک مسلمان اور ایک پارسی۔ انہیں اپنے اپنے مذہب کے مطابق رہنے کی آزادی تھی۔ راجپوت آریان کے خانوادے میں چار پانچ نسلوں سے ایک روایت چلی آ رہی تھی اور وہ سختی

سے اس کی پابندی کرتے تھے۔ یہ لوگ صرف کنواری خواتین سے تعلق بناتے تھے چاہے وہ تعلق ازدواجی ہو یا غیر ازدواجی۔ اس خانوادے میں ڈیڑھ دو سو سال پہلے اپنے واقعات پیش آئے تھے کہ ان کے کسی مرد نے اگر کسی بیوہ، شادی شدہ یا غیر کنواری عورت سے تعلق پیدا کیا تو وہ خاص قسم کی تکلیف دہ بیماری کا شکار ہوا۔ اس بیماری کی تفصیل طولانی تھی۔ مختصر یہ کہ ناف سے نیچے جسم گل سڑ جاتا تھا۔ اس میں کتنی حقیقت تھی اور کتنا مبالغہ، اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ بہرطور اب یہ عقیدہ اس راجپوت خانوادے میں پختہ ہو چکا تھا۔

بڑے راجپوت آریان کے خودسر بیٹے بادل نے مراتب علی کی دختر افشاں کی جھلک جھانسی کے ایک بازار میں دیکھی تھی اور اس پر بُری طرح لٹو ہو گیا تھا۔ افشاں کی عمر اس وقت اٹھارہ سال سے بھی کم تھی اور اس نے نصف چہرے کا نقاب بھی کیا ہوا تھا۔ بادل کی ایک پارسن اور ایک مسلم یا کہہ لیں غیر مسلم بیوی پہلے سے موجود تھی۔ وہ مون محل نامی ایک شاندار رہائش گاہ میں رہتا تھا، اور رگوں میں شاہی خون کا دعویٰ کرنے والے اس امیرزادے میں ساتوں شرعی عیب کسی نہ کسی درجے میں پائے جاتے تھے۔

شروع میں اس نے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ مراتب علی کے گھرانے سے رابطہ کیا اور اپنی دو خاص ملازماؤں کے ذریعے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر جب یہ ممکن نہ ہوا تو بادل اپنا اصل رنگ دکھانے لگا۔ اسی اثنا میں مراتب علی کے گھرانے پر سے یہ آفت کچھ عرصے کے لیے یوں ٹل گئی کہ بادل راجپوت ایک ایڈووکیٹ کے قتل میں ملوث ہو گیا جو سیاسی پہچان بھی رکھتا تھا۔

بادل کو تین سال کی قید ہو گئی۔ البتہ قید میں رہتے ہوئے بھی اس نے اپنے گماشتوں کے ذریعے مراتب علی کے گھرانے اور افشاں پر پوری نگاہ رکھی۔ بادل کا باپ جسے بڑا راجپوت یا راجپوت آریان بھی کہا جاتا تھا اخلاقی لحاظ سے نسبتاً کچھ بہتر تھا یا شاید بڑھتی عمر کے ساتھ کچھ بہتر ہو گیا تھا، البتہ اپنے دونوں بیٹوں پر اس کی گرفت روز بروز کمزور پڑ رہی تھی۔ جب مراتب علی ایک معزز شخص کے ساتھ داوری کے لیے بڑے راجپوت کے پاس پہنچا تو اس نے پوری بات تو سنی لیکن کوئی بہت زیادہ توجہ نہیں دی۔ ڈھیلے ڈھالے لہجے میں بس اتنا مشورہ دیا کہ وہ بادل کے جیل سے باہر آنے سے پہلے کوئی بر دیکھ کر بیٹی کی شادی کر دے۔ ہاں اگر شادی کے بعد بھی اس کا بیٹا ضد پر اڑا رہے گا تو وہ۔ اس کا ستیاناس کرے گا۔

اس سے بعد کے واقعات سمجھ میں آنے والے تھے۔ جونہی افشاں کے ماں باپ نے یہ کوشش شروع کی بادل کی دھمکیاں آنا شروع ہو گئیں۔ پہلے والے کو تو مراتب علی کا گھرانا سمجھ ہی نہ سکا مگر پھر اوپر تلے جو کچھ ہوا اس نے ساری قلعی کھول دی۔ مراتب علی کمزور ہونے کے باوجود غیرت مند تھا، وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اپنی معصوم بیٹی کو ایک ایسے شخص کے حوالے کر دے جس کا کوئی دین ایمان تھا اور نہ بدکاریوں کی کوئی حد۔ اب پانچ چھ روز پہلے اس سنگین سلسلے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ بظاہر روڈ ایکسیڈنٹ میں مارے جانے والے نوجوان کا بھائی بھی بیدردی سے قتل کر دیا گیا تھا اور یہی نہیں خود مراتب علی کو بھی اس کی مزاحمت کی پاداش میں "قبر نشیں" کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

یہ وہ حالات تھے جو دھیرے دھیرے ایک عفریت کی طرح کتب فروش مراتب علی کے گھرانے کو نگلنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ صرف تین ہفتے بعد بادل راجپوت جیل سے رہا ہو کر مون محل پہنچنے والا تھا اور اس کے بعد افشاں کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ صرف اور صرف ایک ہی صورت تھی وہ مر جائے یا پھر کوئی اسے اپنی بیاہتا بنا لے۔ اور کون بناتا اسے بیاہتا؟ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ در پردہ شاید جھانسی شہر کے ہر فرد کو پتا چل چکا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں؟ ارد گرد کے لوگ تو مراتب علی سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔

عمران بدستور مراتب علی کے گھر میں تھا۔ وہ اپنا حلیہ اب مکمل طور پر تبدیل کر چکا تھا، لمبے بال، داڑھی اور گھنی مونچھیں سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ویسے بھی اب کالونی میں پولیس کی طرف سے اس کی تلاش مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ مراتب علی نے اڑوس پڑوس میں بتا دیا تھا کہ وہ اس کا ایک یتیم بھانجا ہے جو روزگار کی تلاش میں "گوالیار" سے اس کے گھر آیا ہوا ہے۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے مراتب علی کے گھر والوں کی حالت بُری ہو رہی تھی۔ پھر ایک روز مراتب کی بیوی کو دل کا دورہ پڑا اور وہ اسپتال میں جا لیٹی۔ دو تین روز بعد نہ جانے کس کیفیت میں مراتب علی رات کے وقت روتا ہوا عمران کے پاس آیا۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! مجھے پتا نہیں تم کون ہو، تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا خاندان کہاں ہے لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم کسی نیک ماں اور دلیر باپ کے بیٹے ہو۔ کیا تم افشاں کو بچانے کے لیے اس

سے نکاح کر سکتے ہو؟"

یہ ایک بڑا گمبھیر سوال تھا۔ عمران دانش نے عرصہ پہلے ایک شادی شدہ لڑکی سے عشق کیا تھا پھر اسے کھویا تھا اور اس کے ساتھ ہی سب کچھ کھو دیا تھا۔ اس نے یہ صفحہ ہی اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ اب وہ کسی کہانی میں تو دوستیاں بناتا تھا، کبھی کسی لڑکی سے پیار محبت کے دعوے بھی کرتا تھا، دکھاوے کی ٹھنڈی آہیں بھی بھر لیتا تھا مگر سب جانتے تھے کہ وہ شاید کبھی کسی اور لڑکی کو عمر بھر اپنا نہ سکے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

اب یہاں جھانسی کی اس کالونی میں وقت نے اسے ایک عجیب مقام پر کھڑا کر دیا تھا۔ اگر پیچھے ہٹتا تو ضمیر پر پڑنے والے لاتعداد بوجھ کے نیچے پستا چلا جاتا۔ شاید کبھی خود کو معاف نہ کر پاتا کہ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک مسلم لڑکی ایک زور آور کے ہاتھوں تاراج ہوئی، زندوں میں رہی نہ مُردوں میں۔ اگر مراتب علی کی بات مانتا تو کس دل سے مانتا؟ دل تو شاید اس کے پاس اسی دن نہیں رہا تھا جب اس کی پہلی اور آخری محبت اس سے جدا ہوئی تھی، کسی اور کی بنی تھی۔ اب وہ اس لڑکی افشاں کو ایک ازدواجی دھوکے کے سوا کیا دے سکتا تھا۔

وہ بڑی کٹھن رات تھی، جھانسی کے اس مکان میں۔ ہٹ دھرم و عیاش بادل راجپوت کا ڈر باپ بیٹی کا لہو نچوڑ رہا تھا۔ ایک موقع پر مراتب علی نے کہا۔ "بیٹا عمران! تمہارے پاس پستول ہے، تم گولی مار دو مجھے اور افشاں کو..... میں اپنے ہاتھوں سے ایسا نہیں کر پاؤں گا۔"

آخر عمران نے گمبھیر لہجے میں کہا تھا۔ "انکل! اس بات کی بھی تو کوئی گارنٹی نہیں کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود آپ کی بیٹی کی جان بچ جائے گی۔ وہ بادل راجپوت اسے حاصل نہ کر سکے گا تو اسے ویسے ہی جان سے مار دے گا۔"

"نہیں عمران۔" مراتب علی نے دیوانوں کی طرح کہا۔ "بڑے راجپوت اب بھی سربراہ ہیں۔ انہوں نے یہ وعدہ کیا ہے مجھ سے، اگر میری بیٹی شادی شدہ ہو گئی تو بادل اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔ اگر نہ چھوڑے گا تو وہ اپنے ہاتھ سے اسے روکیں گے۔ ان کا خاندان اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"انکل! بادل خود کچھ نہ کرے کسی اور کے ذریعے بھی آپ کی بیٹی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

مراتب علی نے سسک کر کہا۔ "وہ کہتی ہے اسے ایسی موت منظور ہے مگر بادل جیسے بدکردار کے حوالے ہونا منظور نہیں....."

سوہنکھ

ایک طویل بحث کے بعد عمران دانش نے کہا۔ "آپ کی بیٹی کو دینے کے لیے میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں اس سے ازدواجی تعلق بناؤں۔ آپ میری مجبوریاں نہیں جانتے۔ میرے حالات مجھے کسی صورت اجازت نہیں دیتے کہ میں اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں، مجھے اسے چھوڑنا پڑے گا۔"

"مجھے یہ بھی منظور ہے، ہمیں یہ بھی منظور ہے۔ تم جو چاہو گے ویسا ہو جائے گا۔"

اور پھر نیل سے اٹھنے والے طوفان کی آمد سے قبل دس دن قبل عمران دانش نے فیصلہ کر لیا تھا۔ ہاں یہ وہی عمران دانش تھا جو دوسروں کا درد سمیٹے قریہ قریہ پھرتا تھا ضرورت مندوں پر اپنا تن من نچھاور کرتا تھا۔ جن کی جان پر بن جاتی تھی ان کے لیے جان دینے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ ہاں یہ وہی تھا۔ اچھی بری سخت اور سخت تر ہر آزمائش سے گزر جانے والا۔ اس نے سینہ تان کر ہر خطرے کو ٹھیک کہہ کر افشاں سے نکاح پڑھوایا تھا۔

نکاح سے پہلے اس نے افشاں سے بھی کھل کر ساری بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جیسے ہی افشاں پر سے اور اس کے گھرانے پر سے یہ آفت ٹل جاتی ہے، وہ یہاں سے چلا جائے گا۔ ان کے درمیان طلاق یا طلاق ہو جائے گی۔ وہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرنے کے لیے آزاد ہو گی۔ صورت حال ہی ایسی بن گئی تھی کہ افشاں کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

ان دونوں کی شادی کے ایک ہفتے بعد ہی وہ شخص جیل سے نکل آیا تھا جس کے سینے میں اور پورے جسم میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ بہت تڑپا پھڑکا تھا مگر اب اس کے سامنے ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ خاندانی اصولوں کی اور ریت رواج کی رکاوٹ۔ اور ان اصولوں کا پاسدار بن کر بڑا راجپوت آریان ہی نہیں خاندان کے اور کئی معزز بھی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ پھر بادل کے کچھ خیر خواہوں نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ افشاں اور مراتب کے بھانجے کی شادی صرف دکھاوے کی ہے، دھوکا دیا جا رہا ہے۔ مون جیل کی خاتونوں میں سے وہ خاص خاتون آئی تھیں جو کسی لڑکی کو دیکھ کر اور اس سے مل کر فوراً بتا دیتی تھیں کہ وہ کنواری ہے یا نہیں۔ کہا جاتا تھا کہ وہ کنواری اور شادی شدہ عورت کی آواز شناخت کرنے کی بھی خاص صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں عورتیں بڑی اہم تھیں اور مشہور تھا کہ ان کی نسل دو صدیوں سے مون جیل کی خدمت گار ہے۔ یہ دونوں عورتیں کسی بہانے افشاں سے مل

اور انہوں نے بھی فوراً تصدیق کی تھی کہ مراتب علی کی بیٹی اب شادی شدہ ہے۔

مراتب علی والی اس کالونی میں زیادہ تر مسلمان ہی آباد تھے۔ اس سے پہلے تو وہ مراتب علی کے حالات فقط دیکھتے ہی رہے تھے اور ڈرے سہمے بیٹھے رہے تھے مگر اب ان میں سے بھی اکثر لوگوں نے حوصلہ پکڑا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو بادل راجپوت کی طرف سے کسی زیادتی کا دفاع کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ عمران دانش کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی۔ وہ ایک سورج کی طرح اپنے اردگرد کی ہر شے میں توانائی بھر کر اسے منور کر دیتا تھا۔ ان دنوں وہ ہر صورت حال کے لیے تیار اور مسلح رہتا تھا۔

پھر یوں لگا کہ یہ طوفان از خود ٹلنا شروع ہو گیا ہے۔ شاید مراتب اور اس کی بیوی کی دعائیں رنگ لا رہی تھیں۔ کہا جا رہا تھا کہ بادل کا اپنے باپ "بڑے راجپوت" سے بھی سخت جھگڑا ہوا ہے اور وہ بہت ڈپریشن میں ہے۔ شاید ہوس کی آگ، کسی نامعلوم بیماری کا خوف، خاندان کی مخالفت سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو گیا تھا۔ اس ڈپریشن میں اور شراب کے نشے میں دھت ہو کر ایک لگژری جیپ چلاتے ہوئے بادل بائی وے پر ایک خوفناک حادثے کا شکار ہوا۔ اس کا بڑا بھائی اور ایک ملازم بھی اس حادثے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

کتب فروش مراتب اور اس کی بیٹی کے لیے قدرت نے راستے کے کانٹے چن دیے تھے۔ اب مون محل کی طرف سے اس گھرانے کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

اور پھر ایک دن آیا جب عمران دانش نے مراتب علی اور افشاں کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔ وہ اب وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ افشاں نے طلاق یا خلع سے انکار کر دیا تھا مگر وعدہ تو وعدہ ہی تھا بالآخر باپ بیٹی کو نبھانا پڑا۔ ان کے درمیان خاموشی سے خلع ہو گئی۔ عمران نے مراتب علی اور افشاں سے التجا کی تھی کہ حالات کی گرد دب جانے کے بعد وہ جھانسی شہر سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ اس نے افشاں سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ اپنا گھر بسائے گی۔

حالات ایسے تھے کہ عمران دانش کو 120 گھنٹوں کے اندر اندر کسی بھی طرح انڈیا چھوڑ کر پاکستان پہنچنا تھا اور چھ ملکوں کو رپورٹ کرنا تھی اور پھر وہ چلا گیا۔

اس بات کا پتا عمران دانش کو قریباً تین سال بعد ہی لگا تھا کہ وہ انڈیا میں ایک بیٹے کا باپ بھی ہے، ماں نے جس کا نام بھی ابھی تک نہیں رکھا اور اس انتظار میں ہے کہ اس کا نام اس کا باپ رکھے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ افشاں نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ اس نے ایک خط میں افشاں پر بہت زور دیا تھا کہ وہ اپنا گھر بسائے۔ اسی خط میں اس نے اپنے بیٹے کا نام بھی تجویز کیا تھا، عمران (یہ ابھی دنوں کی بات ہے جب عمران دانش نے فوج چھوڑ دی تھی اور ذاتی طور پر اپنے بھارتی دشمنوں سے برسرِ پیکار تھا) وہ بہت گہرا شخص تھا۔ اس کے سینے میں پہلی محبت کا عمیق زخم تو تھا ہی، اس کے علاوہ بھی اس نے کئی طوفان چھپا رکھے تھے، وہ کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ اپنے بیٹے اور اس کی ماں سے عمران دانش کی ملاقات اس خط کے پانچ سال بعد ہی ہو پائی تھی۔ یہ اپنے سات سالہ بیٹے سے اس کی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ اس وقت بھی وہ جھانسی کے قریبی شہر گوالیار میں ایک ظالم جیل سپرنٹنڈنٹ اور اس کے دو ذاتی گارڈز کو انجام تک پہنچا کر آیا تھا۔ افشاں کی ماں وفات پا چکی تھی۔ مراتب علی بھی بیمار رہتا تھا مگر افشاں کا بھائی اب جوان ہو چکا تھا۔ ایک باہمت جوان۔ اس نے نوجوانی میں ہی کتابوں کے کاروبار کو بہت پھیلا لیا تھا۔

عمران دانش نے نوخیز عمران کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا اور پھر افشاں سے کہا تھا، جینے مرنے کا پتا تو اوپر والے کو ہے مگر میں جس طرح کی زندگی جی رہا ہوں، یہ زیادہ دیر نہیں چلنے والی۔ پتا نہیں کہاں کس موڑ پر شام ہو جائے۔"

"ایسا کیوں کہتے ہیں؟" وہ رو دی تھی۔

"بس تم سے ایک درخواست ہے افشاں، شاید تمہیں بھی معلوم ہی ہو گا، پاکستان میں ایک شہر ہے لاہور۔ پاکستان کے دوسرے شہروں کی طرح وہ بھی زندگی کا ایک خوب صورت گہوارہ ہے۔ میں نے وہاں بہت سے سہانے دن بتائے ہیں۔ میں اس کے گلی کوچوں میں رچ بس چکا ہوں۔ ان گلی کوچوں کے لوگ بھی مجھ میں رچ بس چکے ہیں۔ وہ لوگ دلکش کہانیوں کی طرح میرے لہو میں سمائے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ ناچیز کو بہت مانتے ہیں۔ مجھے ہیرو کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنے ہر دکھ سکھ کے وقت میری طرف دیکھتے ہیں۔ تم سمجھو کہ وہ میرے چھوٹے چھوٹے خاندان ہیں۔ اگر میں نہ رہا تو وہ مجھے بہت مس کریں گے۔"

افشاں نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہا۔ "مجھے تم کریں میں کیا کروں؟"

وہ عمران کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "میں حکم نہیں دے سکتا صرف درخواست ہی کر سکتا ہوں۔ اگر کسی وقت مجھے کچھ ہو گیا تو تم ان لوگوں کے لیے میرا خلا پُر کرنے کی

کوشش کروں گی۔ جب عمران جوان ہو تو اسے میرے بیٹے بھرے نمائندے کے طور پر ایک بار پاکستان ضرور بھیجنا۔ مجھے یقین ہے اسے ان گلی کوچوں میں اتنی محبت اتنی شفقت ملے گی کہ یہ سرشار ہو جائے گا۔ پھر کیا پتا کہ یہ چاہے کہ تم بھی اس کے پاس پاکستان چلی جاؤ۔"

افشاں کو یہ گفتگو پسند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "آپ بار بار ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ اللہ پاک آپ کو بہت لمبی زندگی دے۔" پھر وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

عمران دانش سمجھ گیا تھا کہ وہ براہِ راست کچھ نہیں سنے گی۔ اسے باقی جو کچھ کہنا تھا، ایک سربمہر خط میں لکھ دیا تھا اور لفافے پر لکھا تھا..... افشاں اس لفافے کو تب ہی کھولے جب اسے پتا چلے کہ میں اب دنیا میں نہیں ہوں۔

وقتِ رخصت وہ یہ خط خاموشی سے مراتب علی کو دے گیا تھا۔

افشاں کے لیے خط کھولنے کا وقت بہت ہی جلد آ گیا تھا۔ صرف اڑھائی ماہ بعد اسے یہ خبر ملی تھی کہ اپنی طرز کا وہ جدا شخص اب اس دنیا میں نہیں رہا..... وہ جا چکا ہے..... خود سے محبت کرنے والے لاتعداد لوگوں کو نوحہ کناں چھوڑ کر وہاں چلا گیا ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ رتناگری میں ایک خطرناک مشن سے پاکستان واپس پلٹتے ہوئے وہ بارڈر کے قریب انڈین آرمی کی فائرنگ سے زخمی ہوا تھا اور جانبر نہ ہو سکا تھا.....

تب برسات کی ایک اداس شام میں افشاں نے وہ لفافہ کھولا تھا، جس میں عمران دانش نے ایک بار پھر افشاں سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے لیے کوئی ساتھی چن لے کہ اس کے والد کی بھی یہی آرزو ہے کہ ان کے بعد وہ بے آسرا نہ ہو۔ تب اس نے افشاں کو بتایا تھا کہ اگر وہ اس کے بیٹے عمران کو پاکستان بھیجے گی تو وہاں وہ اکیلا نہ ہو گا۔ اسے ایسا ہی لگے گا کہ وہ اپنے باپ سے ملنے لاہور شہر میں اترا ہے۔ اس نے لکھا تھا..... افشاں! وہاں لاہور میں جو شخص ہے سمجھو کہ وہ میرا ہی ہمزاد ہے۔ ہم یک جان دو قالب کی طرح تھے۔ اس کے زیرِ سایہ عمران اسی طرح محفوظ و مامون ہو گا اور افشاں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ پاکستان جا کر اور لاہور کے گلی کوچوں سے آشنا ہو کر اتنا مسرور ہو گا کہ وہاں اس کا بس جانے کو دل چاہے گا اور ایسا ہوا تو وہ تمہیں بھی وہاں کھینچ لے جائے گا۔

میں وہیں مٹیل کے ڈیرے پر بجھتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے بیٹھا تھا اور تصورات میں کھو کر ماہین کو برسوں پہلے کی وہ رُوداد سنا رہا تھا جو عمران جونیئر کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔ وہ بھی جیسے اس رُوداد میں کھو گئی تھی اور یہ سب کچھ ہوتا اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں بار بار آنسو جھلملاتے تھے۔

رُوداد ختم ہوئی تو ہم کافی دیر تک گم صم بیٹھے رہے۔ شاید میری طرح ماہین کے تصور میں بھی عمران کی موجودہ صورتِ حال گھومنے لگی تھی۔ عمران دانش میرے یار میرے جگر نے کیا کہا تھا اور یہاں کیا ہو رہا تھا۔ شاید حقیقتیں ایسی ہی کھردری اور ناہموار ہوتی ہیں۔ یہ رُوداد اتنی طویل تھی کہ سناتے سناتے رات کے نو بج گئے۔ یہ کھانے کا وقت تھا۔ زعفران عرف زافی ڈیرے کی ایک ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانا تیار کر چکی تھی۔ وہ آوازیں دینے لگی تھی کہ ہم کھانے کے لیے آ جائیں۔

ہم ایک چٹائی پر اکٹھے ہی بیٹھ جاتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی اردگرد کے حالات پر تبصرہ جاری رہتا تھا۔ شاہ زیب نے جو مائیکرو کیمرا بہاولپور کے شانزے ہاؤس میں نصب کیا تھا۔ وہ مزید کوئی رزلٹ ابھی تک نہیں دے سکا تھا۔

ڈیرے پر ہم اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس کے علاوہ اخبار اور ٹی وی کے ذریعے اردگرد کے حالات سے بھی باخبر تھے، ابھی تک حالات ٹھیک ہی جا رہے تھے پھر بھی کچھ اندیشے ہر وقت ذہن میں منڈلاتے رہتے تھے۔ ان میں بڑا اندیشہ اس پُراسرار عورت کی طرف سے تھا جو اندھی ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتیں برقرار رکھے ہوئے تھی اور توقع سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہی تھی۔

دو تین دن پہلے شام کے وقت تو حد ہو گئی تھی۔ ہوا چل رہی تھی کہ اچانک پرندوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ یہ قدرے بڑے سائز کی چڑیاں ہی تھیں جو پنجاب کے دیہاتی علاقوں میں عام نظر آتی ہیں۔ وہ پتنگ پرواز کرتی ہوئی ایک بڑے جھنڈ کی صورت ڈیرے کی طرف آئیں اور ایک چکر کاٹا۔ زافی اور ماہین جو احاطے میں تھیں، بُری طرح ڈر گئیں اور چلاتی ہوئی کمروں کی طرف بھاگیں۔ قسطیار رائفل سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔ ہم بھی بُری طرح چونک گئے تھے۔ لیکن وہ عام چڑیاں تھیں۔ دو چکر کاٹ کر واپس چلی گئی تھیں۔ البتہ اس واقعے سے اندازہ ہوا کہ غیر ارادی طور پر ہم ہانا دانی کے حوالے سے ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ ڈیرے کے

وہ ملازم بھی حیران ہوئے تھے کہ لڑکیاں صرف چڑیوں کی وجہ سے اتنا کیوں ڈری تھیں۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ طفیل، اس کی بہن اور بوڑھا باپ خاص طور سے ہمارا شکریہ ادا کرنے کے لیے ڈیرے پر آئے۔ آج دوپہر طلاقے کے بدمعاش جواریوں کو شاہ زیب نے جس طرح طفیل کے گھر کے سامنے ذلیل کر کے بھگایا تھا وہ سب کے لیے ایک حیران کن واقعہ تھا۔ انوش اب بھی غنودگی کی حالت میں پڑا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی اور بال منتشر تھے۔ طفیل کو اپنے اس محسن دوست کی طرف سے بھی بہت فکرمندی تھی۔ طفیل گاجر کا حلوہ، ابلے ہوئے انڈے اور ڈرائی فروٹ وغیرہ لے کر آیا تھا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ وہ اب بالکل بے فکر ہو جائے۔ وہ غنڈے اب دوبارہ اپنا چہرہ نہیں دکھائیں گے۔

آج شاہ زیب جلدی سو گیا تھا، میں ابھی ٹی وی دیکھ رہا تھا کیونکہ بجلی آ رہی تھی۔ ساڑھے آٹھ نو بجے کا وقت ہو گا۔ یکایک مجھے کمرے سے باہر کھڑکی کی طرف ایک سایہ سا نظر آیا۔ یہ کسی عورت کا سایہ تھا۔ پتا نہیں کہ ذہن میں کیا آیا، میں لپک کر کھڑکی کی طرف گیا۔ کھڑکی کا پٹ کھولا تو بیرونی دیوار کی روشنی میں ایک لڑکی نظر آئی جو تیزی سے باغ کی طرف اوجھل ہو رہی تھی۔ کہیں یہ وہی گلابی اوڑھنی والی تو نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں گوہار زینت کی شبیہہ میری نگاہوں میں گھوم گئی۔ کہیں یہ وہی تو نہیں تھی جو کچھ دن سے مشکوک انداز میں ڈیرے کے اردگرد نظر آ رہی تھی۔ میں جلدی سے احاطے میں پہنچا اور پھر باہر نکل کر لڑکی کے پیچھے گیا۔ میں نے اسے چمکتی چاندنی میں مالٹوں والے باغ کی طرف اوجھل ہوتے دیکھا۔ حتی الامکان رفتار سے میں اس کے پیچھے لپکا۔ مجھے صاف پتا چلا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے اور بھاگنے کی کوشش میں ہے۔ اس احساس کے سبب میں نے رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ دو کتے شور مچاتے میرے پیچھے لپکے مگر پھر رک گئے۔ مگر لڑکی نہیں رکی، فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ میں پکارا۔ ''رک جاؤ۔''

وہ نہیں رکی۔ اس سے پہلے کہ وہ مالٹے کے اس چھوٹے سے باغ سے نکل پاتی، میں نے اسے جا لیا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور وہ رک گئی۔ اس کی اوڑھنی گلابی نہیں تھی اور نہ ہی اس پر سفید پھول تھے۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جس کی جھلک میں نے دو تین مرتبہ پہلے دیکھی تھی۔ یہ درمیانی شکل و صورت کی تھی، ہانپنے کے سبب اس کا سینہ بری طرح پھول پچک رہا تھا۔

جب میرے ذہن میں گوہار زینت کا خیال آیا تھا تو یونہی احتیاطی طور پر میں نے پستول اپنی جیکٹ سے نکال لیا تھا۔ بے دھیانی کے سبب یہ سیاہ پستول ابھی تک میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ پستول کی جھلک دیکھ کر لڑکی اور خوف زدہ ہو گئی۔ ہانپتی آواز میں بولی۔ ''چھوڑو مجھے۔ میں کوئی چور نہیں ہوں۔''

''چوروں کے ماتھے پر لکھا نہیں ہوتا..... اور کام تم نے چوروں والا ہی کیا ہے۔ کھڑکی کے پاس کیوں منڈلا رہی تھیں، کیا دیکھنا تھا تمہیں؟''

''مجھے کچھ نہیں دیکھنا تھا، ویسے ہی وہاں سے گزر رہی تھی۔ چھوڑیں میرا بازو، ورنہ میں شور مچا دوں گی۔''

''شور مچانے کے لیے یہ جگہ بالکل مناسب نہیں۔ یہاں کافی دور تک کوئی تمہاری آواز سننے والا نہیں ہو گا..... تمہیں بتانا پڑے گا کہ مجھے دیکھ کر بھاگی کیوں ہو؟''

وہ اپنا بازو چھڑانے کے لیے کسمسانے لگی۔ چاندنی میں اس کے چھوٹے چھوٹے جھمکے بھی اس کے جسم کی طرح لرزتے محسوس ہوتے تھے۔ اس نے شلوار قمیص اور اونی سویٹر پہن رکھا تھا، پاؤں میں دیہاتی طرز کا کھسا تھا۔

''پلیز..... پلیز..... چھوڑ دیں مجھے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''میں کب کہتا ہوں تم نے کچھ کیا ہے مگر کچھ کرنے کا ارادہ تو تھا تمہارا۔''

اس سے پہلے کہ لڑکی جواب میں کچھ کہتی، اس کی جرسی کی پاکٹ میں موجود فون پر کال کا مدھم میوزک سنائی دینے لگا۔

میں نے تیزی سے پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر یہ عام سا ٹچ موبائل نکال لیا۔ موبائل کی اسکرین پر کال کرنے والے کا جو نام چمک رہا تھا وہ جانو تاج تھا۔ ذرا توقف کر کے میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے ایک کھنکتی ہوئی لیکن غصیلی آواز ابھری۔ ''کہاں مر گئی ہو شہناز۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ صبح دس بجے سے پہلے ہمیں نکلنا ہے یہاں سے۔ نہیں تو گاڑی چھوٹ جائے گی۔''

میں خاموش رہا۔ آواز پھر ابھری۔ ''اوئے بولتی کیوں نہیں ہو؟''

اچانک سگنلز کمزور ہونے کی وجہ سے کال ڈراپ ہو گئی۔

''ہاں بھئی، یہ جانو تاج کون ہے جو تمہیں جلدی جلدی بلا رہی ہے۔ کہیں بھاگنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''یہ میری سہیلی ہے۔ میرے نہ آنے پر پریشان ہو رہی ہے..... ہمیں گھر والوں کے ساتھ ایک شش شادی پر لاہور جانا ہے۔'' وہ ہکلائی۔

میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، پھر اس کے بال

اپنی مٹھی میں جکڑ لیے..... پستول کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔
"میں اتنا اچھا بندہ نہیں ہوں، میری باتوں کا ٹھیک جواب نہ دیا..... تو یہاں کچھ بھی ہو جائے گا تمہارے ساتھ۔"
میرے تاثرات دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو چمک گئے۔ وہ کچھ دیر منت سماجت کرتی رہی پھر اس نے جو کچھ بتایا، اس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔ دو روز پہلے جن لٹیروں نے خلیل کے گھر کے سامنے تماشا لگایا تھا، ان کی لوٹ درگت بنی تھی۔ ان کی درگت بنانے والے لمبے قد کے جوان نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ گاؤں کی دو چار لڑکیاں تو اس پر جیسے مرمٹی تھیں۔ شہناز بھی اسے پسند کرنے والوں میں شامل تھی۔ آج اڈے کے پاس سے گزرتے ہوئے پتا نہیں کیوں اس کا دل چاہا کہ اس جی دار کو ایک بار دیکھے۔
شہناز نامی یہ لڑکی یہ سب کچھ کہہ تو رہی تھی مگر معلوم نہیں کیوں مجھے اس کی باتوں پر پوری طرح بھروسا نہیں ہو رہا تھا، وہ جیسے کچھ چھپا رہی تھی بلکہ کافی کچھ چھپا رہی تھی۔
میں نے اس کے بالوں پر بدستور جارحانہ گرفت قائم رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جالو تاج کہاں رہتی ہے اور کیا کرتی ہے؟"
"یہاں باغاں والی کی ہی ہے جی۔ ہمارے گھر کے ساتھ والا گھر ہے۔ بب..... بالکل شریف لڑکی ہے جی۔"
ان دونوں لڑکیوں پر میرا شک کم ہونے کے بجائے بڑھ رہا تھا۔ میں بولا۔ "اگر میں کہوں کہ میں اس شریف لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں تو پھر.....؟"
میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی مگر اس بات پر اس لڑکی شہناز کا رنگ جس طرح زرد ہوا، وہ چاندنی میں صاف نظر آیا۔ میں ایک بار پھر تھوڑا سا چونکا۔ دال میں کچھ کالے کا احساس بڑھ رہا تھا۔ میں اس صورتِ حال کو کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔
کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے کہا۔ "تمہاری اس جالو تاج کے گھر اور کون کون ہوتا ہے؟"
"جی، فی الحال تو اس کا ماموں ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ وہ بھی میرے اور اس کے ساتھ ہی لاہور جا رہا ہے۔ یہ..... دراصل میرے بھتیجے کی شادی ہے، جس پر میں ان دونوں کو لاہور لے جا رہی ہوں۔"
"اور تو گھر میں کوئی نہیں؟"
"ہاں جی..... نن نہیں جی۔" وہ بری طرح گڑبڑا رہی تھی۔
"تم لوگوں کو صبح دس بجے نکلنا ہے پر ابھی سے اتنی پھوڑی کیوں پڑی ہوئی ہے؟"
"مس سامان شامان باندھنا ہے جی۔ اور تیاری بھی کرنی ہے سوہرے سے۔ بہادی اٹھنا ہوگا۔"
"چلو، ابھی سویرا بہت دور ہے..... میں مانتا ہوں تمہاری تاج سے۔"
وہ ایک بار پھر منت سماجت کرنے لگی کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ ایک غیر شخص کو اس طرح گھر میں کیسے لے جا سکتی ہے۔ گاؤں میں لوگ باتیں بنانے لگیں گے۔
"کوئی باتیں نہیں بنا سکتا۔" میں نے کہا۔ "پولیس کو تفتیش وغیرہ کے لیے لوگوں سے ملنا ہی پڑتا ہے۔"
"پپ..... پولیس.....؟" وہ مزید خوف زدہ ہو کر مجھے سرتاپا دیکھنے لگی۔
"ہاں فی الحال سادہ کپڑوں میں ہوں۔ چلو آگے لو۔"
وہ بُری طرح بوکھلا چکی تھی۔ میرے ہاتھ میں دبا پستول اسے کسی خوفناک مخلوق کی طرح نظر آ رہا تھا۔
میں اسے لے کر چل پڑا۔ باغ سے نکل کر ہم گنے کے اونچے کھیتوں میں داخل ہو گئے۔ یہ کھیت گاؤں کی آبادی سے جا ملتے تھے۔ کنارے پر پہنچ کر میں نے کہا۔
"اب تم آگے آگے چلنا میں تم سے آٹھ دس قدم پیچھے رہوں گا۔ یہ دیکھو پستول یہ میری چادر کے پلو کے نیچے رہے گا، سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"
وہ سر ہلا کر رہ گئی۔
"تم بس دروازہ کھٹکھٹانا۔ اس لڑکی کے ماموں سے میں خود بات کر لوں گا۔"
وہ لڑکی کانپتی میرے آگے آگے چل پڑی۔ سردیوں کی اس چاندنی میں گلیاں سونی نظر آتی تھیں۔ بس ایک دو عمر رسیدہ افراد سے واسطہ پڑا جنہوں نے مجھ پر اور میرے آگے چلتی شہناز پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ہم پختہ گلیوں سے گزر کر ہم ایک قدرے بڑے گھر کے سامنے پہنچے۔
میں شہناز کے قریب پہنچا تو وہ ڈرے انداز میں بولی۔ "تاج کے ماموں تو شاید سو گئے ہوں گے۔ اس کا بھائی بھی سو رہا ہوگا۔ آپ کو تاج سے ہی ملنا ہے نا۔ میں آواز دے کر اسے باہر بلا لیتی ہوں، آپ دروازے پر ہی اس سے مل لیں۔"
"اس سے ملنا ہی نہیں تھوڑی پوچھ گچھ بھی کرنی ہے۔" میں نے کڑے لہجے میں کہا۔ "دستک دو دروازے پر۔"
اس نے پھر بھی دستک نہیں دی۔ ہولے سے پکاری۔
"تاج..... تاج....."
قدموں کی چاپ سنائی دی، پھر کسی نے کنڈی گرا کر دروازہ کھول دیا۔ سب سے پہلے مجھے سفید پھولوں والی

گلابی اوڑھنی کی جھلک ہی نظر آئی تھی۔ یہ وہی خوش قامت لڑکی تھی جسے میں پہلے بھی دور سے دیکھ چکا تھا۔

"چلو اندر۔" میں نے شہناز کو مخاطب کر کے حکم سے کہا۔

شہناز، اپنی سہیلی کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔ "یہ..... یہ کہہ رہے ہیں کہ میں..... پولیس ہوں۔ تت..... تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کک..... کیا بات ہے جی؟" لڑکی نے کہا۔

"اگر گھر میں کوئی مرد ہے تو اسے بلا لو، اگر نہیں بھی تو پریشان نہیں ہونا۔ میں بس دو چار سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

اندر والی لڑکی بھی تذبذب میں نظر آ رہی تھی۔ میں ہولے سے قدم اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دو منٹ بعد ہم گھر کے بیٹھک نما کمرے میں بیٹھے تھے۔ یہاں ایک ادھ بجھی انگیٹھی موجود تھی، مونگ پھلی کے بہت سے چھلکے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف مجھے تین چار سلائی مشینیں نظر آئیں۔ ایک طرف کڑھائی شدہ لیڈیز کپڑے بھی تہ کیے پڑے تھے۔ دونوں لڑکیاں آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔ شاید نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی اور بھی جاگ جائے۔ میں نے زرد بلب کی روشنی میں دھیان سے گلابی شال والی لڑکی کو دیکھا۔ گھبراہٹ کے باوجود وہ خوب صورت بلکہ حسین نظر آ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں لڑکی سے کوئی سوال کرتا ایک عجیب بات ہوئی۔ ساتھ والے کمرے سے کھانسی کی آواز آئی۔ پھر کسی عمر رسیدہ شخص نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"کہاں ہو تم؟ شہناز..... شہناز..... تاجور۔"

جس لفظ نے میرے جسم میں کرنٹ سا دوڑایا وہ "تاجور" تھا۔ یہ نام میں نے دو چار بار حال میں ہی سنا تھا۔ ایک دفعہ پہلوان حشمت کی زبانی اور دو تین دفعہ شاہ زیب کی زبانی۔ جب بہاولپور میں فرصت کے کچھ لمحات میں، میں نے اس سے اس کے ماضی کے بارے میں سوالات کیے تھے، شاہ زیب کی باتوں سے پتا چلا تھا کہ بہت پہلے پنجاب کی ایک دیہاتی لڑکی اس کے دل کو بھائی تھی اور وہ اسے ڈھونڈنے اور اس سے دوبارہ ملنے کے لیے ڈنمارک سے پاکستان چلا آیا تھا۔

میں بے ساختہ سوچنے لگا، گلابی شال والی اس تاجور عرف تاج اور شاہ زیب کو بھانے والی اس تاجور میں کوئی تعلق ہے یا وہ کوئی اور لڑکی تھی۔ میں اسے دیکھتا چلا گیا۔ وہ دیہاتی طرز کی شلوار قمیص میں تھی۔ انگیٹھی کی مدھم حدت میں چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ بالوں کی دو لٹیں خم کھا کر اس کے شفاف رخسار کو بار بار چھونے لگتی تھیں، جنہیں وہ بے خیالی میں پیچھے ہٹا دیتی تھی۔

میں نے اپنے تند و تیز اندرونی احساسات کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا اور نارمل لہجے میں تاجور عرف تاج سے کہا۔ "شاید آپ کے ماموں آواز دے رہے ہیں، جا کر دیکھ لو۔"

تاجور کے بجائے شہناز اٹھی۔ "آ رہی ہوں ابا جی۔" اور ڈگمگاتی ہوئی سی باہر چلی گئی۔

میں نے کن انکھیوں سے پھر اس تاجور کو دیکھا۔ وہ اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی، واضح طور پر گھبرائی ہوئی نظر آتی تھی۔ آخر ہمت کر کے بولی۔ "آ..... آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"مجھے تو لگنے لگا ہے کہ بہت کچھ پوچھنا پڑے گا۔ شاید اس کے لیے یہ رات بھی ناکافی ہوگی۔"

اس نے اپنی آنکھیں پٹ پٹا کر حیرت آمیز خوف سے میری جانب دیکھا۔ "میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔"

"میں بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔" میں نے بھی اس کی طرح دھیمی آواز میں کہا اور اس کی سہیلی شہناز کی طرف دیکھنے لگا جو شاید عمر رسیدہ شخص کی بات سن کر پھر واپس آ گئی تھی۔

میں نے انگیٹھی میں دو مزید لکڑیاں ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ کیوں لگ رہا ہے کہ تم دونوں ہی مجھ سے غلط بیانی کر رہی ہو۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" تاجور عرف تاج نے اپنی اوڑھنی درست کرتے ہوئے کہا۔

"شہناز! تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم تاج کی ہمسائی ہو لیکن یہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ابا جی اپنے گھر کے بجائے پڑوسیوں کے گھر میں سو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے ہی گھر میں سو رہے ہیں اور یہی تمہارا گھر ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

شہناز نے خشک لبوں پر زبان پھیری، سر جھکا کر بولی۔ "بس جی..... گھبرا گئی تھی..... پتا نہیں ایویں کیا بات کر دی۔ دراصل ہم....." وہ ہکلا کر چپ ہو گئی۔

"چلو اب سب صاف صاف بتا دو۔ یہ تمہارا اور تمہارے ابا جی کا گھر ہی ہے نا؟ تمہارے ابا جی..... اور تاجور کے ماموں؟"

اس نے اپنا جھکا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ تم وہاں طفیل کے ڈیرے پر کیا لینے گئی تھیں..... اور پہلی سوال تاج میں تم سے بھی ہو چکا

ہوں۔ تم بھی وہاں ڈیرے کے آس پاس نظر آتی رہی ہو؟"

میرے اس دوسرے سوال نے تاج کے تمتمائے رخساروں میں زردی کی آمیزش کردی۔ اپنی حنائی انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔ "ایسا کچھ نہیں ہے جی۔ وہاں ڈیرے پر جو جھگڑا ہوا تھا، اسے دیکھنے کے لیے ہم وہاں رک گئی تھیں۔ بس ایک دفعہ پہلے میں وہاں سے گزری تھی۔ ہمارا راستہ ہی وہ ہے۔"

میں نے ٹھہرے لہجے میں اس سے اچانک پوچھا۔ "تمہارا تعلق چاند گڑھی گاؤں سے بھی رہا ہے؟"

یہ سوال تاج کے سر پر بم کا دھماکا ثابت ہوا۔ میں نے اس کے چہرے کی زرد رنگت اور ہاتھوں کی لرزش صاف محسوس کی۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن شاید اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

تب وہ ایک دم سنبھل کر بولی۔ "ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ آپ کون ہیں؟ کیوں ہم سے ایسے سوال پوچھ رہے ہیں؟"

میں جو نتیجہ نکالنا چاہتا تھا، وہ نکال چکا تھا۔ یہی وہ لڑکی تاجور تھی جس سے کسی وقت شاہ زیب کے مراسم رہے تھے پھر اس کی شادی قسطینا سے ہوئی اور وہ اپنی زندگی میں آگے بڑھ گیا، اب زندگی کی کتاب کا وہ باب جو بند ہو چکا تھا، پھر حالات کی ہوا کے سبب، اس کے ورق پھڑ پھڑا رہے تھے۔

آج اس چاندنی رات میں یہ کس طرح کا اتفاق ہوا تھا؟

تاجور نے جو آخری جملہ جھنجلا کر بولا تھا، وہ قدرے بلند آواز میں تھا۔ شہناز نے گھبرا کر دبی آواز میں کہا۔ "تاج، آہستہ بولو۔ اسفند بھی جاگ نہ جائے۔"

میں سمجھ گیا کہ اسفند اس لڑکے کا نام ہوگا جسے شہناز نے تاجور کا بھائی بتایا تھا۔

تاجور اب بار بار اپنے سر اور سینے پر اوڑھنی درست کر رہی تھی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔ میں نے سوچا کہ دونوں لڑکیوں کا خوف کم کرنا چاہیے۔ وہ جو میرے ذہن میں سنگین قسم کے شکوک تھے وہ تو اب دور ہو چکے تھے، میں سمجھ گیا تھا کہ آج رات شاہ زیب کے ماضی قریب کے ایک گمشدہ کردار سے میری ملاقات ہوئی ہے۔

میں نے دھیمے لب و لہجے سے ان کا خوف کم کرنے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب ہوا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرا تعلق پولیس سے ہے لیکن اس وقت میں ہرگز پولیس نہیں ہوں اور ایک عام شخص کی حیثیت سے ان سے بات کر رہا ہوں۔

تاجور کی بڑی بڑی آنکھوں میں ذہانت کا عکس نمایاں تھا۔ یقیناً اب وہ سمجھ گئی تھی کہ بات کو مزید چھپایا نہیں جا سکتا۔ یکایک اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اس نے دائیں بائیں دیکھا اور منت ریز لہجے میں بولی۔ "آپ مجھے اچھے انسان لگے ہیں، آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

"بے خوف ہو کر بات کرو تاجور، تم مجھے مددگار پاؤ گی۔"

"میں یہ چاہتی ہوں جی..... کہ آپ یہ سب کچھ اپنے تک رکھیں، پلیز پلیز۔ کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی کی بھی زندگی میں میری وجہ سے کوئی پریشانی آئے۔ ویسے ہم صبح ہی یہاں سے جا رہے ہیں۔" اس نے کمرے کی دائیں جانب اشارہ کیا۔ وہاں ایک اٹیچی کیس بند پڑا تھا۔ دوسرا ابھی کھلا تھا اور لگتا تھا کہ اس میں کپڑے وغیرہ رکھے جا رہے ہیں۔

"کیا واقعی کسی شادی پر جا رہے ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

دونوں کے چہروں نے بتا دیا کہ یہ جھوٹ تھا یا غلط بیانی کہہ لیں۔ میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کچھ کھلاؤ پلاؤ گے نہیں۔"

شہناز جلدی سے بولی۔ "چائے بنا لوں؟"

"نہیں، ہم گاؤں میں ہیں اگر کوئی دیسی چیز ہے مونگ پھلی جیسی تو وہ لے آؤ۔"

وہ گئی اور ایک ٹرے میں چڑوے (بھنے ہوئے چپٹے چاول) لے آئی جن میں ریوڑیاں ملی ہوئی تھیں اور ساتھ بادام تھے، مونگ پھلی بھی ایک تھالی میں موجود تھیں۔

میں نے تاجور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے تاجور، میں تمہاری کہی ہوئی بات کا پاس کروں گا۔ وعدہ ہے کہ تم سے ملاقات کے بارے میں شاہ زیب سمیت کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔ لیکن تم بھی ایک قول دو۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ گی اور بتاؤ گی کہ تم یہاں چاند گڑھی سے دور اس گاؤں میں کیسے موجود ہو اور آج رات یہ شہناز جو تمہاری پھوپی زاد ہے وہاں ڈیرے پر کیوں گھوم رہی تھی؟"

تاجور نے طویل سانس لی، اپنے شہد رنگ بالوں کو سمیٹ کر پھول دار اوڑھنی کے نیچے کیا اور بولنے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

میں نے کہا۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔ میں اپنے ساتھیوں کو بتا دوں، وہ مجھے ڈھونڈتے نہ لگ جائیں۔"

میں نے موبائل فون پر پہلوان حشمت کو کال کی۔ مجھے پتا تھا کہ وہ ابھی جاگ رہا ہوگا۔ میں نے پہلوان کو بتایا

کہ مجھے یہاں ایک مشکوک دیہاتی نظر آیا تھا، اس کا ٹھکرا دہاتا ہوا قہقہہ دیر تک آیا ہوں۔ فکر کی بات نہیں جلد ہی آجاؤں گا۔

بات ختم کر کے میں دوبارہ تاجور کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ جیسے سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ میں نے ہی سوال کرنا مناسب سمجھا۔ ''تاجور! جہاں تک چاچا حشمت کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے۔ تمہاری شادی ہو چکی تھی۔''

''جی ہاں ہوئی تھی شادی۔'' اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔

''پھر؟''

''نہیں چل سکی۔ ٹوٹ گئی۔ اس بات کو اب تین سال ہو چکے ہیں۔''

یہ میرے لیے ایک انکشاف تھا۔ میں سوچنے لگا وہ کیسا بدنصیب شخص ہوگا جو اس جیسی بظاہر با اخلاق اور خوب صورت لڑکی کے ساتھ نبھا نہ کر سکا۔

''کوئی بچہ ہے؟''

اس کا جواب تاجور کے بجائے شہناز نے نفی میں دیا۔ میں نے موضوع بدلتے ہوئے ایک طرف رکھی سلائی کڑھائی کی مشینوں کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا۔ ''یہ کس کی ہیں؟''

''ہماری ہی ہیں جی۔'' تاجور نے کہا۔ ''ہم یہاں لڑکیوں کے لیے سلائی کڑھائی کا سینٹر کھولنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایسے دو چار سینٹر دوسرے علاقوں میں اور بھی کھولے ہیں ہم نے۔''

میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ اب یہاں باغاں والی گاؤں کا سینٹر تو نہیں کھل سکے گا، کیونکہ تم اب ہنگامی طور پر سب کچھ سمیٹ کر یہاں سے نکل رہی ہو؟''

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو چمک گئے۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ ہونے سے دانتوں میں دبا لیا۔ وہ مجھے بتانا چاہ بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔ البتہ جو وعدہ ابھی اس نے مجھ سے کیا تھا، وہ اسے بولنے پر مجبور بھی کر رہا تھا۔ رات بکسر خاموش تھی۔ انگیٹھی میں دہکے کوئلے سردی کی شدت کو کم کر رہے تھے۔ اگلے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں چاند گڑھی کی تاجور نے جو کچھ بتایا، اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خوب صورت تاجور کا شوہر شفیق کسی بھی طرح اس کے جوڑ کا نہیں تھا۔ تاہم وہ ایک سیدھا سادہ، محبت کرنے اور ناز اٹھانے والا شوہر ضرور تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا تاجور نے اسے اپنا مقدر سمجھ کر دل و جان سے قبول کیا تھا اور اسے ایک شوہر والی ساری محبت اور عزت دی تھی لیکن یہاں ایک حد منفی کردار بھی موجود تھا اور وہ تھا شفیق کی ماں۔ ساس اور بہو کے اختلافات کہاں نہیں ہوتے مگر کہیں کہیں کسی ایک فریق کی بدمزاجی سے یہ سنگین صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ فریق تاجور کی ساس تھی۔ یہ شادی اس کی مکمل رضامندی سے نہیں ہوئی تھی۔ تین چار ماہ میں ہی اس نے تاجور کا ناک میں دم کر دیا۔ جیسے کچھ لوگوں کو زیادہ عزت راس نہیں آتی اسی طرح تاجور کی ساس ہاشم بی بی کو توقع سے زیادہ سلیقہ شعار اور خوب صورت بہو راس نہیں آ رہی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے اس کے سیدھے سادے بیٹے پر اپنے حسن کا جادو چلا دیا ہے اور وہ اس کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ قطرہ بھی مسلسل پتھر پر گرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے۔ یہاں بھی یہی کچھ ہوا۔ شفیق پریشان رہنے لگا۔ دوسری طرف ہاشم بی بی طعنہ زنی اور گالی گلوچ کے بعد مار پیٹ تک پہنچ گئی۔ اس کا ہاتھ روکنے والا کون تھا؟ وہ یتیم تھی، دونوں بھائی ابھی بہت چھوٹے تھے، ماموں عمر رسیدہ تھا۔

ایک عید کے موقع پر ہاشم بی بی نے تاجور سے سخت جھگڑا کیا۔ اس پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا کہ وہ شادی سے پہلے پاک صاف نہیں تھی، اس کا یارانہ چل رہا تھا۔ تاجور خاموش رہی۔ اس کی خاموشی اس عورت کو مزید بھڑکاتی تھی۔ وہ اسے لکڑی سے مارنے کے لیے آگے بڑھی، تو خود ہی سیڑھیوں سے پھسل گئی۔ اسے چوٹیں آئیں۔ اسی دوران میں شوہر شفیق بھی آ گیا۔ ہاشم بی بی نے اسے بتایا کہ تاجور نے اسے دھکا دے کر گرایا ہے۔ ماں کی حالت دیکھ کر شفیق کا ہاتھ تاجور پر اٹھ گیا۔ اس نے تاجور کو تھپڑ مارا۔ یہیں پر ان کی زندگی کو فل اسٹاپ لگ گیا۔ چند ماہ بعد خلع ہو گئی۔

اس واقعے کے بعد تاجور کی زندگی میں بہت تبدیلی آئی۔ پرائیویٹ طور پر پڑھنا تو اس نے شادی کے بعد ہی شروع کر دیا تھا۔ خلع کے بعد اس نے تعلیم پر زیادہ توجہ دی اور چار سال کے اندر اندر کافی کچھ حاصل کیا۔ چاند گڑھی وغیرہ تو اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ یہاں باغاں والی گاؤں میں اپنے ماموں کے پاس آ چکی تھی۔ بچے تو کوئی تھا نہیں۔ اسے اپنی زندگی بے مقصد محسوس ہوتی تھی۔ اس کیفیت میں کچھ اضافہ ہونے لگا تو اس نے ایک اہلِ خاتون سے ملاقات کی جو علاقے میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دے رہی تھی۔ بچیوں کو دست کاری کی طرف لانا تھی اور ساتھ ساتھ خیر اطلاعیہ پڑھائی بھی کرانی تھی کہ کچھ

لڑکیوں کو پڑھانے کی مخالفت کرتے تھے۔ تاجور اس کے ساتھ اٹیچ ہو گئی اور پھر اپنا تن من اس کام میں لگا دیا۔ جانے والے اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

اس گفتگو کے دوران میں تاجور نے ایک دو بار اس خاتون کا نام بھی لیا جس کے ساتھ منسلک ہو کر اس نے چھوٹے چھوٹے دست کاری سینٹروں کا کام شروع کیا تھا جب اس نے تیسری بار خاتون کا نام لیا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا نام لیا تم نے اپنی دوست کا؟"

"دوست نہیں جی۔ آپ انہیں انچارج کہہ سکتے ہیں یا پھر بڑی باجی کہہ لیں۔ مقدس نام ہے ان کا..... مقدس زین۔"

میرے ذہن میں ایک دم تیز جھکڑ سا چلا۔ یہ نام تو چند دن پہلے ہی میں نے سنا تھا۔ پھر بہاولپور میں رانی جان کی کوٹھی کے وہ سارے مناظر میری نگاہوں میں گھوم گئے جو اب تک سوہان روح بنے ہوئے تھے۔ ہمارا جونا تھن عرف جون کی گرفت میں آ جانا، میرا اور جون کا ناکرا۔ پر حملوں کے حملے، سب کچھ تصور میں گھوم گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ دلدوز منظر بھی جب جنونی جون نے جواں سال مقدس کے ہاتھ میں جوتی پکڑوائی اور پھر خود ہی بار بار اپنے سر پر ماری تھی۔ اس نے مقدس کے پاؤں کو ہاتھ لگائے تھے اور اس کے ہاتھوں سے اپنی کمر بھی دیکی سلاخ سے مزید داغ دار کروائی تھی۔ ڈوگرے کے ساتھی اے ایس آئی فراست کا کہنا تھا کہ یقیناً ایک رات پہلے ہی اس سے ملتی جلتی قبیح حرکات اس شخص نے اس لڑکی کے ساتھ کی ہوں گی اور پھر اسی دن چند گھنٹوں کے بعد ہم نے مقدس زین کو پھر دیکھا تھا، اس مرتبہ وہ بھی جنونی حالت میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا جو اس نے معلوم نہیں کیسے حاصل کیا تھا۔ اس نے ایک مرد اسی کو جہنم واصل کر کے خود کو بھی گولی ماری تھی۔

"آپ کیا سوچنے لگے؟" تاجور کی آواز نے مجھے خیالوں سے چونکایا۔

"ک..... کچھ نہیں۔" میں نے خود کو سنبھالا، پھر ایک لکڑی سے انگیٹھی کی گرم راکھ کو کریدتے ہوئے کہا۔ "مقدس زین اب کہاں ہیں؟"

وہ عام سے لہجے میں بولی۔ "ان کی رہائش خانیوال کے ایک قریبی قصبے میں ہے۔ آج کل کچھ سیاسی لوگ ان کے کام کی مخالفت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ دنوں سے انہوں نے ذرا خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

تاجور ذرا توقف سے بولی۔ "دراصل میں اکیلی ہی ان کے ساتھ نہیں ہوں کچھ اور عورتیں بھی ہیں جو مقدس صاحبہ کا ساتھ دے رہی ہیں۔ تین چار ہفتے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے اپنا فون بند کر رہی ہیں۔ حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں تو رابطہ بحال کریں گے۔"

"ان کی مخالفت کرنے والے لوگ کون ہیں؟"

"جی وہی کورے اَن پڑھ اور ضدی قسم کے کچھ مقامی لوگ جو ہمارے دور دراز علاقوں میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ بچوں اور خاص طور سے لڑکیوں کو بالکل گونگا بہرا بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔" وہ دکھ بھرے انداز میں بولی۔ "بہرحال مقدس صاحبہ ایسے معاملوں کو حل کرنا جانتی ہیں۔ ایک ریٹائرڈ فوجی افسر صاحب کی بیوی بھی ہیں جو اُن کا ساتھ دیتی ہیں۔"

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ یہ تاجور بے چاری کیا جانتی تھی کہ وہ جس مقدس کی بات کر رہی ہے، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ بے شک وہ دلیر اور بہادر ہو گی، اس کے ارادے مضبوط ہوں گے مگر کچھ ایسے لوگ اس کے راستے میں آ گئے تھے جو اس کے تصور سے کہیں زیادہ طاقتور اور سفاک تھے۔ وہ اسے زندہ درگور کرنا چاہتے تھے مگر اس نے اپنی بساط کے مطابق بلکہ شاید بساط سے بڑھ کر مزاحمت کی تھی اور اپنی جان ہاری تھی۔

"بڑے بلند خیال ہیں مقدس صاحبہ کے۔" تاجور نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ "جو لوگ ان کے کام کو سمجھتے ہیں، ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔"

"شادی شدہ ہیں؟" میں نے پوچھا۔

تاجور بولی۔ "جی ہاں، ایک بچہ بھی ہے پانچ چھ سال کا، اذلان نام ہے۔ وہ بھی اپنی ماں اور نانا کی طرح ماشاء اللہ بڑا ذہین ہے، حیران کر دیتا ہے۔"

میں تاجور اور شہناز کی باتیں تو سن رہا تھا مگر دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ تاجور کا تعلق ایک ایسی عورت سے نکل آیا تھا جو جرم بے گناہی میں ماری جا چکی تھی۔ اسے مارنے والے ایسے لوگ تھے کہ جس ہوا میں سانس لیتے تھے، اسے بھی زہریلا بنا دیتے تھے۔ تاجور ابھی تک بالکل بے خبر تھی کہ مقدس زین کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔ اس بات کا علم بھی اسے نہیں تھا کہ مقدس سے تعلق ہونے کے سبب وہ خود بھی کتنے سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتی ہے۔

میں اس گھر کی صورت حال اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ تاجور جو راتوں رات شہناز اور اپنے بھائی کے ساتھ یہاں

سے نکل کر لاہور جا رہی تھی، اس کی وجہ کوئی اور معاملہ نہیں تھا۔ وہ صرف اس وجہ سے عارضی طور پر یہ جگہ چھوڑ رہی تھی کہ یہاں شاہ زیب موجود تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں شاہ زیب سے اس کا سامنا نہ ہو جائے۔ وہ اپنے ماضی کے اس باب کو ہرگز دوبارہ کھولنا نہیں چاہتی تھی۔

پتا نہیں کیوں میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر مقدس زرین نامی وہ لڑکی ماری جا چکی ہے تو ان خواتین کو بھی کسی نہ کسی درجے کا خطرہ لاحق ہے جو اس کے ساتھ منسلک ہیں یا منسلک رہی ہیں۔ مطلب یہ کہ تاجور اور شہناز و ثمیرہ کو بھی حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں ابھی یہ سب کچھ ان دونوں لڑکیوں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ تاجور اب یہ بات سمجھ چکی تھی کہ اگر میں نے چاند گڑھی کا نام معنی خیز انداز میں لیا ہے تو پھر میں اس کے اور شاہ زیب کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ جانتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ میری طرف دیکھ کر اس کے چہرے پر بار بار سرخ رنگ لہرا جاتا اور خلائی پلکیں بے ساختہ جھک جاتیں۔ وہ منفرد قسم کی دیکھی خوب صورتی کی مالک تھی۔ ذہن میں خیال ابھرا کہ اگر شاہ زیب جیسا "جہاں گرد" اس کی محبت میں گرفتار ہوا تھا تو شاید ٹھیک ہی ہوا تھا۔

آخر کوشش کر کے تاجور دل کی بات زبان پر لے ہی آئی۔ "میں ان..... شاہ زیب صاحب کو جانتی ہوں۔ چار پانچ سال پہلے چاند گڑھی میں ان سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑی مہربانی سے ہمارے..... ایک دو خاندانی مسئلے بھی حل کیے تھے۔ اس دن جب ان کو اتفاقاً یہاں دیکھا تو بہت زیادہ حیرانی ہوئی۔ طفیل کے ڈیرے پر غنڈوں کے ساتھ ان کی لڑائی دیکھ کر کئی لوگ کھیتوں میں جمع ہو گئے تھے۔ میں بھی اپنے چھوٹے بھائی اسفند کے ساتھ وہاں سے گزر رہی تھی۔ ہکا بکا رہ گئی۔ ان سے ملنا چاہتی تھی مگر..... پھر مجھے یہ اچھا نہیں لگا۔"

اس موقع پر میں اس سے پوچھ سکتا تھا کہ اگر ملنا اچھا نہیں لگا تھا تو پھر اس کے بعد بھی وہ دو بار ڈیرے کے آس پاس نظر کیوں آئی۔

اسی دوران میں باورچی خانے کی طرف سے شوں شوں کی آواز آئی۔ تاجور نے جو دودھ چولہے پر رکھا تھا، وہ اُبل گیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف لپک گئی۔ وہ چائے بنانا چاہ رہی تھی اور پھر برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ سے اندازہ ہوا کہ وہ چائے بنانے میں لگ گئی ہے۔ یقیناً چائے بنانے کے ساتھ ساتھ وہ میری آمد اور موجودہ صورتِ حال کے بارے میں بھی پریشانی سے سوچ رہی تھی۔

میں نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے شہناز سے پوچھا۔ "شہناز، چلو مان لیا کہ تاجور تو اس لیے ڈیرے کی طرف گئی تھی کہ وہ شاہ زیب کو پہلے سے جانتی تھی۔ شاید اس سے بات کرنا چاہتی ہو لیکن تم وہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"سچی بتاؤں..... یا اِدھر اُدھر کی ماروں؟" وہ بھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

میں ان دونوں کی جھجک اور گھبراہٹ دور کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

"اِدھر اُدھر کی تو تم نے پہلے بھی بہت ماری ہیں، اب سچ ہی بتا دو۔" میں نے مونگ پھلی چھیلتے ہوئے کہا۔

شہناز نے گہری سانس لے کر باورچی خانے کی طرف دیکھا۔ پھر اسی دھیمے لہجے میں بولی۔ "دیکھیں اگر میں جو باتیں آپ سے کر رہی ہوں، پلیز اپنے تک ہی رکھیے گا۔" میں نے اسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہ رازداری کے انداز میں کہنے لگی۔ "پتا نہیں آپ کو یہ سب معلوم ہے یا نہیں مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کچھ سال پہلے تاجور اور ان شاہ زیب صاحب میں کافی قریب کا تعلق رہا ہے۔"

"قریب کا کیا مطلب؟"

وہ ٹھہرے لہجے میں گویا ہوئی۔ "محبت..... یہ محبت کرتے تھے ایک دوسرے سے لیکن، پھر ہوا وہی جو محبت میں عام طور پر ہو جاتا ہے۔ ان کے رستے علیحدہ ہو گئے۔ یہ اپنی اپنی دنیا میں گم ہو گئے..... اب اتنے عرصے بعد اس گاؤں میں شاہ زیب صاحب کو دیکھ کر تاجور دنگ رہ گئی تھی۔ پھر مجھے بھی تاجور سے ہی پتا چلا کہ طفیل کے ڈیرے پر جس بندے نے علاقے کے نامی گرامی جواریوں کو لہولہان کر کے یہاں سے بھگایا ہے، یہ وہی شاہ زیب صاحب ہیں جن سے کبھی..... تاجور کا تعلق تھا اور بات شادی کے قریب قریب پہنچ چکی تھی۔"

اس نے ایک گہری سانس لی جیسے یہ بات کہتے ہوئے وہ خود بھی اندر سے دکھی ہوئی ہو۔ گہری سانس لے کر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"ابھی آپ نے پوچھا ہے کہ کچھ دیر پہلے میں وہاں ڈیرے پر کیا کرنے گئی تھی، تو اس کا جواب یہی ہے کہ میں بھی ان شاہ زیب صاحب کو دیکھنا چاہتی تھی جن کا تاجور کی زندگی میں اتنا عمل دخل رہا ہے۔ صبح تو ہم نے یہاں سے

چلی جاتا ہے مگر یہ موقع کہاں ملتا تھا۔ تاجور مجھے منع کرتی رہی لیکن میں نے کہہ سن کر اس سے اجازت لے ہی لی۔"

"تو پھر دیکھ لیا شاہ زیب کو؟"

"ہاں جی — پر کھڑکی کے شیشے سے بس ایک جھلک ہی نظر آئی۔ وہ سو رہے تھے۔ کمرے میں روشنی بھی کم تھی۔ پھر اتنے میں آپ کو پتا چل گیا۔ میں ڈر گئی اور بھاگ نکلی۔"

"چلو اب تو ڈر کچھ کم ہو گیا ہو گا۔" میں نے چھیلی ہوئی مونگ پھلی کے چھدرانے ہتھیلی پر صاف کر کے شہناز کی ہتھیلی پر رکھے۔

شہناز نے پھر کن انکھیوں سے باورچی خانے کی طرف دیکھا۔ "انکل جی، آپ سے ملے ڈیڑھ دو گھنٹے ہی ہوئے ہیں۔ پر پتا نہیں کیوں آپ اپنے اپنے سے لگے ہیں۔ اب یہ بھی مجھے معلوم نہیں کہ مجھے یہ بات آپ کو بتانی چاہیے یا نہیں مگر دل چاہتا ہے کہ آپ کو کم از کم تاجور کے بارے میں تھوڑا بہت ضرور بتاؤں۔"

"تم بلا جھجک بات کر سکتی ہو۔"

"انکل جی! شاید آپ یہ سن کر حیران ہوں کہ رستے جدا ہونے کے باوجود یہ کملی تاجور کبھی بھی شاہ زیب صاحب کو بھول نہیں سکی۔ یہ اب بھی ان سے اتنا پیار کرتی ہے کہ میں اور آپ شاید سوچ بھی نہیں سکتے۔ اقرار نہیں کرتی اور نہ ہی شاید کبھی کرے گی پر میں نے پہروں تک اسے سوچوں میں گم بیٹھے دیکھا ہے، راتوں میں بھی کسی وقت رو پڑتی ہے۔ کہتی یہی ہے کہ اسے بچھڑے ہوئے یاد آتے ہیں۔ کسی اور کو پتا ہو یا نہ پتا ہو پر میں جانتی ہوں جی۔ ان بچھڑے ہوؤں میں اسے جو سب سے زیادہ یاد آتا ہے، وہ یہ شاہ زیب صاحب ہیں۔"

اتنے میں باورچی خانے کی طرف سے تاجور کی آواز آئی۔ "شہناز چینی والا ڈبا کہاں ہے؟"

"تاج! کھڑکی والے خانے کی طرف رکھا ہے۔" شہناز نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز دی۔ پھر بالکل دھیمی آواز میں بولی۔ "انکل جی! کیا یہ شاہ زیب صاحب واقعی شادی شدہ ہیں؟"

"ایسا ہی ہے۔ بلکہ ان کی وائف بھی یہاں ساتھ ہیں۔ یہاں یہ لوگ فارم وغیرہ کے لیے کوئی جگہ دیکھ رہے ہیں۔"

"بس یہی وجہ ہے جی کہ تاجور اب یہاں سے نکل جانا چاہتی ہے۔ شاید وہ یہ سوچتی ہے کہ کہیں اس کی وجہ سے شاہ زیب صاحب کی شادی شدہ زندگی میں کوئی اُلجھن، پریشانی پیدا نہ ہو جائے۔ میں نے اور اباجی نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی ہے مگر ارادے کی بڑی پکی ہے، رکے گی نہیں۔"

"لاہور میں تم لوگ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"خاص لاہور نہیں جی۔ لاہور کے پاس ہی ایک قصبہ ہے پتوکی — وہاں کے ایک دیہاتی علاقے میں ایک دست کاری سینٹر بنایا ہوا ہے مقدس جی نے۔ ابھی تاجور نے مقدس زین جی کے بارے میں بتایا ہے نا آپ کو۔ ہم وہیں اس سینٹر میں جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تاجور یا پھر شاید ہم دونوں ہی اس سینٹر میں ٹھکانا کر لیں۔ بس اباجی ذرا بیمار رہتے ہیں لیکن بڑا بھائی جو شارجہ میں ہے پاکستان واپس آ رہا ہے، وہ اباجی کو سنبھال سکتا ہے۔"

ان دونوں بے خبر لڑکیوں کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جو ارادہ باندھ رہی ہیں، وہ کتنا تشویشناک ہے۔ نہ ہی ابھی تک انہیں یہ پتا چلا تھا کہ ان کی مقدس جی کس صورتِ حال سے دوچار ہو چکی ہیں۔ میں تیزی سے سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ باورچی خانے سے کسی چیز کے تلے جانے کی خوشبو آ رہی تھی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ گھر میں بنے ہوئے شامی کباب تھے۔

شہناز نے دھیمی آہنگ میں کہا۔ "ایک چھوٹے سے اٹیچی کیس میں اس نے چاند گڑھی کے دنوں کی پتا نہیں کیا کیا چیزیں سنبھال رکھی تھیں۔ کچھ پرانے کپڑے تھے، کچھ چوڑیاں، کچھ چیزوں سے اترنے والے گفٹ پیپر — پچھلے سے پچھلے سال ایک عید کے موقع پر اس نے چھت پر جا کر یہ سب کچھ ایک تندور میں جلا ڈالا۔ اب کہنے کو تو کہتی ہے کہ معروف ہو گئی ہے اور سب کچھ بھول گئی ہے — پر — میں جانتی ہوں کہ سچ نہیں کہتی۔"

پھر ایک دم جیسے شہناز کو کچھ یاد آیا۔ "انکل جی! آپ تو شاہ زیب کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور لگتا ہے کہ سب کچھ جانتے بھی ہیں۔ کیا کبھی آپ کو بھی لگا ہے کہ شاہ زیب صاحب — میرا مطلب ہے کہ ان کو تاجور یاد ہو گی؟ کہتے ہیں نا کہ مرد جلد بھول جاتے ہیں۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے مختصر جواب دیا۔ میرا ذہن تو اس نئی صورتِ حال میں اُلجھ گیا تھا، جس کا تعلق تاجور اور شہناز کے یہاں سے نکل جانے سے تھا۔ یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا البتہ شدید خطرے کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسی دوران تاجور بھاپ اڑاتی چائے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ ایک سوگوار سی خوب صورتی

کے غیر مرئی ہالے میں دکھائی دیتی تھی۔ کمرے سے گھر کے صحن کی جھلک بھی دکھائی دیتی تھی، پورے چاند کی یہ رات دھیرے دھیرے آگے سرک رہی تھی اور صحن میں چاندنی کے زاویے بھی بدل رہے تھے۔ کسی قریبی کمرے سے کسی وقت تاجور کے ماموں غنڈ میں کھانس دیتے تھے تو وہ دونوں چونک جاتی تھیں۔

چائے پیتے ساتھ ہی تاجور اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"شہناز! تم باتیں کرو میں ذرا سامان سمیٹ لوں۔ پھر صبح وقت پر جلدی پڑ جائے گی۔"

وہ اس ادھ کھلے بڑے اٹیچی کے پاس پہنچ گئی جس میں میرے آنے سے پہلے سامان پیک کیا جا رہا تھا۔ کچھ رنگ برنگے کپڑے تھے، رنگ برنگے دھاگوں کی نلکیاں تھیں، کڑھائی کے ڈیزائنوں کے کاغذ تھے۔

ایک طرح سے تاجور کی طرف سے مجھے یہ اشارہ بھی تھا کہ اب رات کا آخری پہر ہے، میں یہاں سے چلا جاؤں تو مناسب ہے۔

میں گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اٹیچی کیس کا ڈھکنا بند کرتے ہوئے نرمی سے تاجور کی کلائی تھامی۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اسے اٹھا کر دوبارہ کرسی پر لے آیا۔ "تاجور! اگر میں یہ کہوں کہ تمہارا اس طرح شہناز اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ لاہور جانا ٹھیک نہیں تو پھر.....؟"

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت اُمڈ آئی۔

"آ.....آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم دونوں اس دور دراز گاؤں میں بیٹھی ہوئی ہو۔ ان حالات کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو جو تمہارے اردگرد موجود ہیں۔"

"آپ..... کن حالات کی بات کر رہے ہیں جی؟" تاجور بولی۔

"میں فی الحال زیادہ نہیں بتا سکتا، مگر اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ جس جگہ تم دونوں جانا چاہ رہی ہو وہ اب زیادہ محفوظ نہیں..... بلکہ شاید یہاں اس گھر میں موجود رہتے ہوئے بھی تمہیں بہت حفاظت کی ضرورت ہے۔"

دونوں لڑکیوں کی آنکھوں میں خوف سا لہرایا۔ تاجور نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ "سنو تاجور! تم دونوں کے اردگرد کے حالات اتنے خراب ہیں کہ تمہارے تصور میں نہیں آسکتے۔ میں تمہارا دشمن نہیں خیر خواہ ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ مقدس زین سے تمہارا آخری رابطہ کتنے دن پہلے ہوا تھا؟"

تاجور نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تین ہفتے تو ہو ہی چکے ہیں۔"

"میں تم دونوں کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ مشکل میں ہے، بہت زیادہ مشکل میں۔ بس اب اور کچھ نہ پوچھنا۔ بس یوں سمجھو کہ یہاں ایک بہت بڑی گیم چل رہی ہے۔ بس ایک آگ جل رہی ہے۔ فی الحال تم اس آگ کی تپش سے بہت دور ہو مگر اس کی چنگاریاں تم تک پہنچ بھی سکتی ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ابھی تم دونوں یہاں سے نکلو۔"

تاجور گہری نظروں سے مجھے دیکھتی جا رہی تھی پھر جیسے کہیں اس کے دل کے اندر سے آواز آئی ہو اور وہ سمجھ گئی ہو کہ میں جو کہہ رہا ہوں غلط نہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے شیشہ رخساروں پر تشویش کی پرچھائیاں لہراتے دیکھیں۔

مجھے لگا کہ لوہا گرم ہے، دوسری چوٹ لگا دینی چاہیے۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تاجور اور شہناز ایک بڑے کی حیثیت سے اسے میری درخواست سمجھو یا میرا حکم۔ تم دونوں ابھی کہیں نہیں نکلو گی۔ میں تم سے مسلسل رابطے میں رہوں گا..... تاجور تم مجھے اپنا موبائل نمبر دو۔"

"لل..... لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" میں نے محبت بھرے حکم سے کہا۔

اگلے دو چار منٹ میں نے تاجور کو سمجھانے میں صرف کیے۔ اسے یہ بھی یقین دلایا کہ نہ صرف اس کا یہ موبائل نمبر مجھ تک ہی رہے گا بلکہ اپنے وعدے کے مطابق، میں شاہ زیب کو ہماری آج کی ملاقات کے بارے میں کوئی بھنک نہ پڑنے دوں گا۔ گفتگو کے بالکل آخر میں تاجور نے قدرے شک کے لہجے میں کہا۔ "انکل جی، کیا آپ لوگ واقعی یہاں فارم کی زمین وغیرہ دیکھنے کے لیے آئے ہیں؟"

"تاجور! میں تمہارے اس سوال کا جواب بھی بعد میں دوں گا۔ فی الحال میں جانا چاہتا ہوں کہ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔"

☆☆☆

یہ طفیل کے ڈیرے پر ہمارا ایک اور سنہری دھوپ والا دن تھا۔ میں نے شاہ زیب کو بھی بتایا تھا کہ کل رات حیران کن طور پر یہاں ایک پرانے شناسا سے ملاقات ہوگئی اور وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ شاہ زیب نے بھی مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

اب سہ پہر ہو چکی تھی۔ مجھے لنچ کے بعد پہلوان حشمت چارپائی دھوپ میں ڈالے بیٹھا تھا اور مکی پاس

دیواری سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ آج کل ذرا ٹیڑھا ہو کر بیٹھتا تھا۔ اس کے یوں ٹیڑھا بیٹھنے کی "وجہ" میرے اور شاہ زیب کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھی۔ رانی جان کی کوٹھی میں جنونی غنڈوں نے ہمیں بھی تھوڑا بہت زخمی کیا تھا مگر پہلوان کی پشت سے تو باقاعدہ ایک چھوٹی سی بوٹی ہی نکال لی گئی تھی۔ یہ زخم کافی نیچے آیا تھا۔ پہلوان کو بیٹھنے میں دشواری ہوتی تھی مگر ڈاکٹروں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ کمر میں بل پڑا ہے۔

رانی بھی پہلوان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ پہلوان اس پر اپنی شاعری کی دھار تیز کر رہا تھا۔ کاغذ پر ایک شعر لکھ کر اس نے رانی کو دکھایا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ کچھ دیر بعد ذرا ناک چڑھا کر بولی۔ "چاچا حشمت! مجھے تو شعر کا کوئی خاص مزہ نہیں آیا۔ ویسے بھی دیکھیں نا شعر کا ایک مصرعہ چھوٹا اور دوسرا بڑا ہے۔"

پہلوان حشمت بولا۔ "دیکھو بیٹا جی! جب شاعری ٹھیک سے ناں بیٹھ سکتا ہو تو پھر مصرعہ تو چھوٹا بڑا ہو ہی جاوت ہے۔ میری بی..... میرا مطلب ہے میری کمر ذرا ٹھیک ہو جاوے تو شعر بھی ٹھیک ہو جاویں گے۔"

اسی اثنا میں ماہین چادر میں لپٹی لپٹائی باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھیں رونے سے متورم رہتی تھیں۔ عمران کی حالت زار کا دکھ ہی اس کے لیے کم نہیں تھا مگر اب اشفاق کی موت کا صدمہ بھی سہنا پڑا تھا۔ پورے دن میں وہ مشکل سے سات آٹھ نوالے ہی لیتی ہوگی۔ آج قسطینا نے مشورہ دیا تھا کہ ماہین کو تھوڑی آؤٹنگ کرائی جائے۔ یہاں سے تھوڑی دور ایک ڈیرے پر تازہ گڑ بنانے کا کام ہو رہا تھا۔ اس طریقہ کار کو دیکھنا ایک دلچسپ عمل تھا۔ ہم نے طفیل کی سفید مہران کار استعمال کی اور تین چار کلومیٹر دور اس مقام پر پہنچ گئے جہاں "محنت کش دیہاتی" جوش و خروش سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ یہ مناظر اتنے دلچسپ تھے کہ ہم شام گہری ہونے تک وہاں موجود رہے۔ واپسی پر ہم ابھی طفیل کے ڈیرے سے خاصے دور ہی تھے کہ میرے موبائل پر کال کے سگنل آئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ تاجور والا نمبر ہی تھا حالانکہ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ خود فون کرے گی۔ میں نے کن انکھیوں سے شاہ زیب کی طرف دیکھ کر کال ریسیو کی۔ "ہیلو انکل!" تاجور کے لب و لہجے نے بُری طرح چونکایا۔

"ہیلو، خیریت ہے؟"

"خیریت نہیں ہے انکل..... بالکل نہیں ہے، وہ جیسے رو پڑی تھی۔ "آ..... آپ جتنی جلدی ہو سکے یہاں آجائیں۔ خدا کے لیے جلدی کریں۔"

میں سناٹے میں رہ گیا۔ لگتا یہی تھا کہ تاجور اپنے ماموں کے گھر سے ہی بول رہی ہے مگر اس کے قریب کوئی بچہ بھی بیٹھا ہوا تھا جو شاید رو رہا تھا۔ آواز سے اس کی عمر پانچ چھ سال کے لگ بھگ محسوس ہوتی تھی۔ "میں آرہا ہوں، لیکن....." میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی فون بند ہو گیا۔

شاہ زیب، قسطینا اور ماہین حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ وہ اچھلتی کودتی ڈیرے کی طرف بڑھنے لگی۔ شاید میرے تاثرات ہی کچھ ایسے تھے کہ کسی نے مجھ سے زیادہ سوال نہیں کیے۔ میں نے صرف اتنا ہی بتایا کہ یہاں میرا ایک جاننے والا مصیبت میں ہے۔ قسطینا اور ماہین کو ڈیرے پر اتار کر اور ایک رائفل لے کر میں نے مہران کار اس گھر کی طرف دوڑا دی جہاں کل شب تاجور اور شہناز سے ملاقات ہوئی تھی۔ شاہ زیب میرے ساتھ ہی تھا۔ اس نے کہا۔ "تابش صاحب! کوئی لڑکی کال کر رہی تھی؟"

میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اندھیرا اب گہرا ہو چکا تھا۔ ابھی ہم اس گھر سے ایک فرلانگ دور ہی تھے کہ آگ کی روشنی اور دھوئیں کے مرغولے دکھائی دیے۔ پھر تابڑ توڑ فائرنگ ہونے لگی۔ شاہ زیب نے گن تیار حالت میں کر لی۔ میرے سینے میں دھڑکن کسی برچھی کی طرح چلنے لگی۔ جو پہلا خیال ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ کہیں یہ سیاہ چہرہ جوگا تھن ہی تو نہیں؟ لیکن پھر فوراً ہی ذہن نے اس خیال کو رد کر دیا۔ میں نے گاڑی کو گھر سے تھوڑے فاصلے پر درختوں میں ہی روک لیا۔ جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ پورا گھر دھڑا دھڑ جل رہا تھا جہاں کل چمکتی ہوئی چاندنی میں چاندنی جیسی تاجور اور اس کی سہیلی شہناز کو دیکھا تھا.....

آگ کے قریب ہی کچھ فاصلے پر ایک ڈبل کیبن گاڑی اور مسلح افراد دکھائی دے رہے تھے۔ کھیر دار شلواریں، لمبے کرتے، جھاڑ جھنکاڑ داڑھیاں۔ تب جلنے والے گھر کے شعلوں کا عکس ایک ایسے چہرے پر پڑا جس نے مجھے اندر تک جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ وہ گرومستان تھا۔ کوٹھ نوشیر کا حیوان صفت عامل۔ جاہلوں کی ایک بڑی جمعیت جسے پیر و مرشد مانتی تھی اور یہ پیر و مرشد کوٹھ کے اسکول میں قریباً پندرہ سو معصوم بچوں کی جان لے چکا تھا۔ شعلوں کی روشنی میں اس کے گلے میں نارنگی منکوں کی مالائیں دمک رہی تھیں۔ میرے لہو میں چنگاریاں سی چھوٹ گئیں۔

تابش اور شاہ زیب کی بکھائی میں خطرناک کھیل کے سنسنی خیز واقعات کا ماجرا اگلے ماہ پڑھیے

پولیس والی

عبدالرب بھٹی

کچھ وارداتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کھوج و جستجو کے باوجود کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا... وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور مجرم آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے... ایک چھوٹے شہر میں تسلسل سے ہونے والی وارداتوں کا ماجرا...

پولیس والے سے تعلق رکھنے والی ایک پولیس والی کی ندامت.....

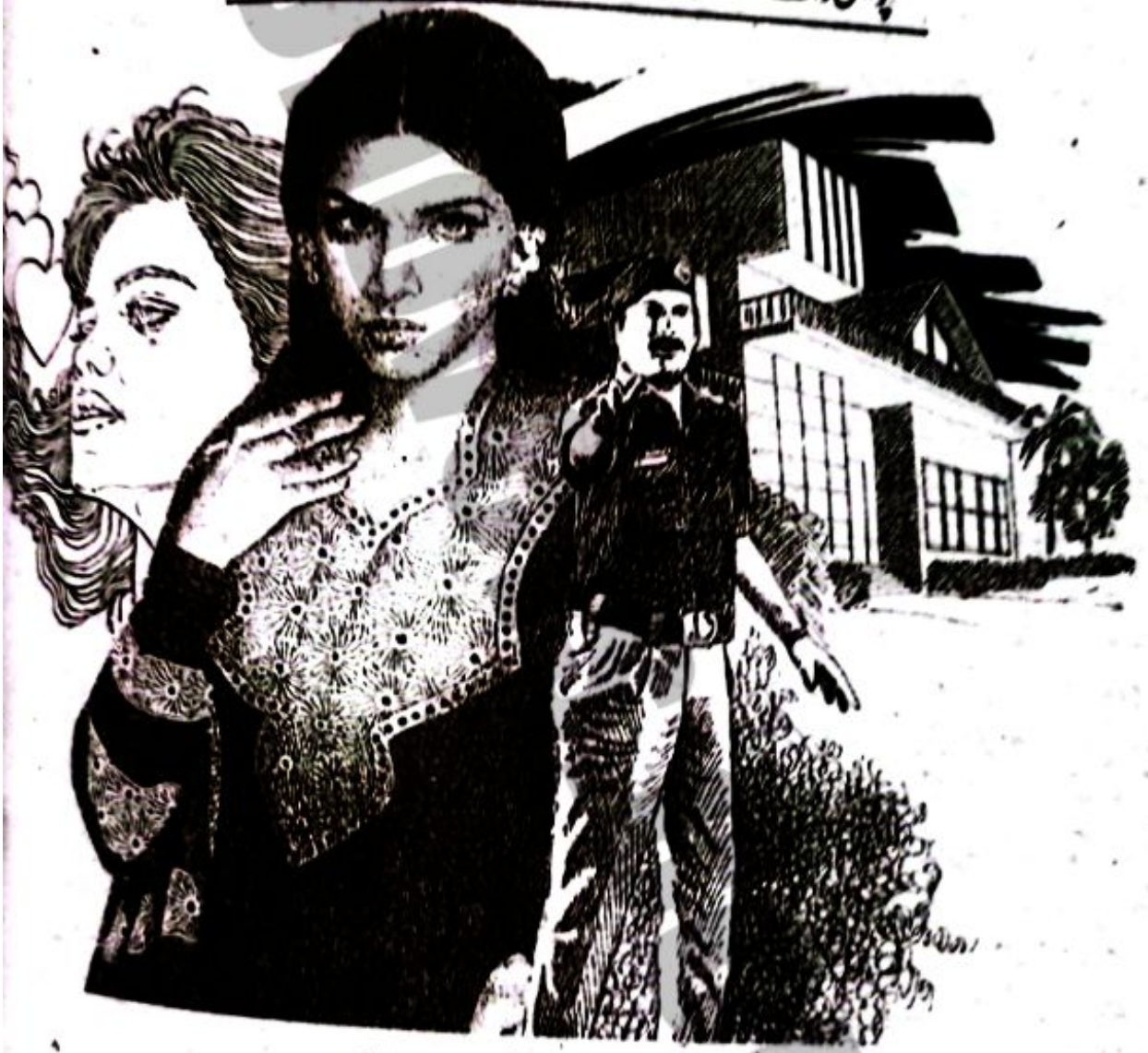

ساٹھ سالہ بوڑھی مسز اعیلا شہریار..... کے جھریوں بھرے چہرے پر انسپکٹر اشعر قیوم کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک دولت مند بیوہ تھی اور اس وقت چوری کی رپورٹ درج کروانے آئی تھی۔ اس کے ہمراہ کوئی نہیں تھا۔ البتہ اس نے اپنے گھریلو ملازمین کی تفصیل سے انسپکٹر کو آگاہ کر دیا تھا، جس میں قابلِ ذکر ملازمہ ایک جوان لڑکی مریم تھی۔

مسز اعیلا شہریار، شہر کے ایک پوش علاقے میں رہتی تھی۔ اس کی اولاد بھی کوئی نہ تھی۔ دنیا میں اب وہ تھی، یا پھر

اس کے تو ہر سمے یاری چوری ہوتی جا رہی ہیں جو، ایک عدد بڑے اقامتی ہوٹل، فیکٹری اور کمرشل علاقوں میں واقع دو عظیم الشان شاپنگ مال پر مشتمل تھیں۔

"تو آپ کا کہنا ہے کہ....." سب کچھ سننے کے بعد انسپکٹر اشعر قیوم نے کہا۔ "آپ ایک ہفتے سے گھر سے باہر تھیں۔ اس دوران میں کسی دن کوئی شخص کھڑکی کا شیشہ کاٹ کر اندر داخل ہوا اور اس نے تمہارا بہت سا قیمتی سامان چرا لیا۔"

"بالکل ایسا ہی ہوا۔" مسز انیلا نے کہا۔ "لیکن ایک اہم بات جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں انسپکٹر! کہ چور نے میرا سیف کھولنے کی بھی بہت کوشش چاہی تھی لیکن وہ اسے نہیں کھول سکا۔ سیف کی بیرونی حالت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر کافی زور آزمائی کی گئی ہے، دراصل وہ نمبروں سے کھلنے والا سیف ہے۔ شکر ہے کہ سیف میں میرے تمام قیمتی زیورات بچ گئے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی اناڑی چور تھا۔" اشعر نے کہا۔ "آج کل کے ہوشیار اور چالاک چوروں کے لیے تو پیچیدہ سے پیچیدہ سیف کھول لینا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے اس نے نیا نیا یہ کام شروع کیا ہو۔" انیلا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مسز انیلا! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں تاکہ جائے واردات کا معائنہ کر سکوں۔" بالآخر اشعر نے کہا، اور اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسز انیلا بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ باہر مسز انیلا کی کار کھڑی تھی انہیں زیادہ دور نہیں جانا تھا۔ مسز انیلا بہت اچھی ڈرائیور تھی۔

"مسز انیلا۔" اشعر نے کہا۔ "کیا آپ کے ذہن میں کسی ایسے شخص کا نام آ سکتا ہے جو آپ سے واقف ہو اور یہ بات بھی جانتا ہو کہ آپ کے گھر میں کافی اشیا موجود ہیں اور جسے اس بات کا بھی علم ہو کہ آپ ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر تفریح کے لیے جا رہی ہیں؟"

"اگر آپ کے ان سوالات کا مقصد یہ ہے کہ میں کسی پر شبہ کر رہی ہوں تو میرا جواب نفی میں ہے۔" مسز انیلا نے کہا۔ "مجھے کسی پر شبہ نہیں ہے، کوئی ایسا نام میرے ذہن میں نہیں ہے۔ ویسے یہ بات تو بہت سے لوگوں کو معلوم تھی کہ میں ایک ہفتے کے لیے باہر جا رہی ہوں۔"

"یقیناً مریم کو بھی یہ بات معلوم ہو گی۔ کیا اس کا کوئی دوست، میرا مطلب ہے....." کہتے ہوئے انسپکٹر اشعر نے دانستہ اپنا جملہ معنی خیز انداز میں اُدھورا چھوڑا۔

"مریم میرے ساتھ گئی تھی۔" مسز انیلا نے کہا۔ "مریم ہر لمحہ میرے ساتھ رہی۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جس کے ایسے لڑکوں سے تعلقات ہوں جو گھروں میں چوریاں کرتے پھریں۔ وہ ایک شریف النفس اور نیک کردار کی لڑکی ہے اور میں اس سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھتی کہ وہ اس قسم کے کسی گھٹیا معاملے میں خود کو ملوث کرے گی۔"

اشعر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔ ذرا دیر میں مسز انیلا کا گھر آ گیا۔ اس نے اشعر کو وہ کھڑکی دکھائی جس کا شیشہ کاٹ کر چور اندر داخل ہوا تھا۔ یہ کھڑکی مکان کے دائیں رخ پر واقع تھی اور چور نے غالباً اس کا انتخاب اس وجہ سے کیا تھا کیونکہ اس طرف ایک بڑا سا پیڑ لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے کھڑکی آڑ میں ہو گئی تھی۔

غائب ہونے والی اشیا میں متعدد قیمتی گلدان، سنگ مرمر کی بنی ہوئی آرائشی اشیاء، کانسی کی بعض اشیاء اور نقش و نگار سے مزین سلور کے کچھ برتن کے علاوہ الیکٹرانک ملٹی میڈیا کی بیش قیمت ڈیوائسز بھی شامل تھیں۔ دیکھا جاتا تو خاصا قیمتی سامان تھا جو چور لے اُڑا تھا۔

انسپکٹر اشعر نے ہر چیز کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا لیکن اسے جائے واردات سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملی جو کسی جانب رہنمائی کرتی ہو۔ یوں اس نے کھڑکی پر انگلیوں کے نشانات تلاشنے کی بھی کوشش چاہی، لیکن چالاک چور نے کہیں کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے یہ سارا کام دستانے پہن کر انجام دیا تھا۔

مریم ایک سیدھی سادی، عام گھریلو قسم کی لڑکی تھی۔ مسز انیلا نے بتایا کہ وہ گزشتہ چھ سال سے اس کے ساتھ ہے۔ جب وہ مسز انیلا کے پاس آئی تھی تو ایک چھوٹی بچی تھی۔ اب وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ مسز انیلا کو بھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

اشعر نے بڑی باریک بینی سے ہر جگہ کا جائزہ لیا۔ اب تک اسے کوئی چیز نہیں مل سکی تھی۔ معاً..... اسے کھڑکی کے پاس کوئی انچ بھر قطر کا ربر کا ایک چھلا پڑا دکھائی دیا۔ اشعر نے آہستگی سے جیب سے رومال نکالا اور اس چھلے کو اس میں رکھ لیا۔

"کیا آپ اپنے گھر میں اس قسم کے چھلے رکھتی ہیں؟" اشعر نے رومال پر رکھ کر وہ چھلا مسز انیلا کو دکھایا۔

"نہیں....." مسز انیلا نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "مجھے اس قسم کے چھلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آپ مریم سے بھی پوچھ لیں۔ شاید وہ لائی ہو۔"

مریم نے بتایا کہ اس ربر کے چھلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اشعر نے اسے رومال میں لپیٹ کر بڑی احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہاں سے چلا آیا۔ تاہم اس نے مسز انیلا اور مریم کو ہدایت کردی تھی کہ اگر کوئی اور مشتبہ بات محسوس ہو یا کوئی نئی بات معلوم ہو تو وہ اسے ضرور آگاہ کریں۔

☆☆☆

انسپکٹر اشعر اس چوری کی وجہ سے سخت تشویش میں مبتلا تھا اور پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف سے اسے سخت جواب طلبی کا اندیشہ تھا۔ اس کی وجہ صرف مسز انیلا کے گھر میں ہونے والی چوری نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ گزشتہ چھ ماہ کے دوران اس علاقے میں چوری کی نو وارداتیں ہو چکی تھیں اور ان تمام وارداتوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے پہلی تو یہ کہ آٹھ گھروں میں چوری کی واردات ایسے وقت میں ہوئی جبکہ گھر والے کہیں کئی دن کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے اور گھر میں تالا لگا ہوا تھا۔ دوسری مشترک بات یہ تھی کہ تمام وارداتوں میں مکان میں داخل ہونے کے لیے دروازے کے بجائے کوئی کھڑکی استعمال کی گئی تھی اور اس کا شیشہ کاٹ کر اندر کا راستہ بنایا گیا تھا۔ کھڑکی میں داخل ہونے کے بعد چور نے دروازہ کھولا تھا اور اس کی واپسی باقاعدہ دروازے کے ذریعے ہی ہوئی تھی۔

اب تیسری مشترک بات ان ساری چوریوں میں یہ تھی کہ گھر کے اندر موجود سیف یا لاکر توڑے یا کھولے نہیں گئے تھے۔ اگرچہ انہیں توڑنے یا کھولنے کی کوشش ضرور کی گئی تھی۔ گویا ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ چوری کرنے والے نے سیف اور الماریوں سے بھی مال نکالنے کی کوشش چاہی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

ان نو چوریوں میں یہ تین باتیں مشترک تھیں۔ ان سے اشعر نے چند بنیادی نتائج اخذ کر لیے تھے۔ اول تو یہ کہ یہ ساری وارداتیں کسی ایک شخص نے ہی کی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ شخص پیشہ ور طور پر اکیلا ہی یہ وارداتیں کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا کوئی اور ساتھی موجود نہیں تھا۔ تیسری بات یہ تھی کہ یہ شخص جو کوئی بھی تھا، اس میدان میں نو وارد تھا اور پیشہ ور چوروں کی طرح سیف اور الماریوں کے تالے کھولنے اور توڑنے کا ماہر بھی نہیں تھا۔ اب اشعر کو اس شخص کی تلاش تھی لیکن اس شخص کی تلاش، اشعر کے لیے بطور خاص اس لیے بہت زیادہ مشکل تھی کہ وہ ہسٹری شیٹروں میں شامل نہیں تھا اور اس کا کوئی ریکارڈ پولیس اسٹیشن میں موجود نہیں تھا۔

یہ کوئی بہت بڑا شہر نہیں تھا بلکہ ایک درمیانہ درجے کا شہر تھا۔ جس کی اپنی ایک الگ ہی دنیا تھی۔ اس شہر نما قصبے میں تھوڑی سی مدت کے دوران ایک ہی انداز میں ہونے والی آٹھ چوریوں نے ہلچل پیدا کر دی تھی اور شہر سے نکلنے والے اخبار اور الیکٹرونک میڈیا میں پولیس پر کافی تنقید کی جارہی تھی۔ اعلیٰ افسران .... میں ڈی ایس پی سجاد شاہ قابلِ ذکر تھا، اس سلسلے میں وہ برابر اشعر پر زور دے رہا تھا کہ وہ جلد از جلد چوریوں کا پتا لگانے کی کوشش کرے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ چور نو وارد ہونے کے باوجود اتنا ہوشیار تھا کہ کوئی نشان ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ مسز انیلا کے کیس میں پہلی بار اشعر کو ربر کا وہ چھلا ملا تھا جسے اس نے بڑی احتیاط سے رکھ لیا تھا اگرچہ اسے کوئی خاص اُمید نہیں تھی کہ اس چھلے سے کوئی مدد مل سکے گی تاہم اس نے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

اشعر، مسز انیلا کے گھر سے باہر نکلا تو اس نے چاروں طرف گھوم کر مکان کا چکر لگایا۔ یہاں بھی اسے کوئی سراغ ملنے میں ناکامی ہوئی۔ پھر وہ گھومتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اس کا دماغ مسلسل اس گتھی کو سلجھانے کی فکر میں لگا ہوا تھا لیکن اس اُلجھی ہوئی ڈور کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک کامیاب اور تجربہ کار پولیس آفیسر تھا اور اسے خود پر پورا بھروسا تھا کہ ایک بار اسے ذرا سا سراغ، ذرا سی نشانی مل جائے، پھر وہ چور کو تو اس کی قبر سے بھی کھود نکال لائے گا۔

وہ انہی خیالات میں غلطاں تھا کہ پیچھے سے اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور بے اختیار ایک گہری ہمکاری لے کر رہ گیا۔ وہ اجمل تھا۔ ایک مقامی مگر فعال اور مستعد رپورٹر۔ وہ اس کے کئی بار کام آ چکا تھا۔ دونوں میں دوستی بھی تھی اور اندر سے ''دوستی'' بھی۔

''تم یقیناً مسز انیلا کے گھر سے آ رہے ہو۔ اس کے گھر میں چوری ہوئی ہے نا؟''

''ہاں، میں مسز انیلا کے گھر سے ہی آ رہا ہوں۔'' اشعر نے اجمل سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''ایک پیالی چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اجمل نے پوچھا۔

''بڑا اچھا خیال ہے۔'' اشعر نے جواب میں کہا۔ ''میں خود بھی اس کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔'' وہ دونوں ایک قریبی ریسٹوران میں داخل ہو گئے اور چائے کا

آرڈر دے دیا۔

"تم اب تک کسی نتیجے پر پہنچے ہو؟" اجمل نے پوچھا۔

"اگر یہ سوال تم اپنی پیشہ ورانہ حیثیت سے کر رہے ہو تو میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" اشعر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں صرف ذاتی اور دوستانہ حیثیت میں یہ سوال پوچھ رہا ہوں۔ جو کچھ تم کہو گے۔۔۔ وہ میڈیا میں نہیں آئے گا۔"

"تو پھر سنو....." تب ہی اشعر نے افسردگی سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ چوری کی ان نو وارداتوں کے باوجود میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا ہوں۔ البتہ چند بنیادی نتائج میں نے ضرور اخذ کیے ہیں لیکن ان کی خاص اہمیت نہیں ہے۔"

"تمہیں مسز انیلا کے گھر سے بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا؟" اجمل نے پوچھا۔

"نہیں۔" اشعر نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ "چور اناڑی ہونے کے باوجود کافی چالاک ہے۔ وہ دستانے پہن کر وارداتیں کرتا ہے اور کسی چیز پر اپنی انگلیوں کے نشانات نہیں چھوڑتا۔"

"میرے ایڈیٹر نے مجھے آج صبح ہی ہدایت دی ہے کہ میں مسز انیلا سے جا کر ملوں اور اس واقعے کی پوری تفصیل معلوم کر کے ایک چٹ پٹی اور باتصویر خبر تیار کروں۔" اجمل نے بتایا۔ "میں مسز انیلا کی طرف ہی جا رہا تھا کہ میں نے دور سے تمہیں دیکھ کر سوچا کہ تم سے بھی مل لوں۔ شاید کوئی نئی بات معلوم ہو سکے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس تمہارے لیے کوئی خبر نہیں ہے۔"

اسی اثنا میں ویٹر چائے رکھ کر چلا گیا۔ اب اشعر چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"بہرحال، میں اتنی تو خبر چلا ہی سکتا ہوں کہ انسپکٹر اشعر قیوم زور و شور سے اس کیس کی تفتیش کر رہا ہے۔" اجمل نے ہنستے ہوئے کہا۔ چائے کا کپ اس نے بھی ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"ضرور لکھو، ویسے آج کل تمہارا چینل اور اخبار کیسا چل رہا ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک ہی چل رہا تھا۔"

"تھا، سے تمہارا کیا مطلب؟"

"ابتداء میں تو دھواں دھار رہا، پھر اب نجانے کیوں رفتہ رفتہ ریٹنگ نیچے آ رہی ہے۔"

"تم لوگ بھی دوسرے چینلز کی طرح نیوز کے ساتھ ڈراموں وغیرہ کا بھی تڑکا لگاؤ نا، آج کل تو سکہ بند صحافیوں کے بجائے صحافیوں سے بھی ڈرامے لکھوائے جا رہے ہیں۔"

"ہاں، اب کچھ ایسا پلان کر رہے ہیں۔" اجمل نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"اب یہ بتاؤ، وہ..... سامعہ کیسی چل رہی ہے؟" کہتے ہوئے انسپکٹر اشعر کے چہرے پر جھینپی جھینپی مسکراہٹ در آئی۔

"او..... سامعہ..... تمہاری سابقہ محبوبہ..... وہ ہمارے ہی شعبۂ نیوز میں کام کر رہی ہے، ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔ آج کل وہ..... عمران کے ساتھ فیلڈ ورک میں دیکھی جا رہی ہے۔" اجمل نے بتایا۔ اشعر کو اس کا انداز بیاں "چٹخارے" لیتا ہوا لگا۔

پھر تھوڑی دیر تک ان کے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد دونوں رخصت ہو گئے۔ اشعر کا دماغ اب سامعہ کے تصور میں گم ہو گیا۔ سامعہ اس کی محبوبہ تھی اور گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ اور حسین..... اشعر اور سامعہ کا عشق تقریباً ایک سال تک ہی چلا۔ اشعر نے اسے متعدد بار اس بات کی پیشکش کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے، لیکن سامعہ کا اصرار تھا کہ وہ پولیس کی نوکری چھوڑ کر کوئی اور اچھی سی نوکری کر لے جس میں اسے اچھی چوڑی تنخواہ ملے اور جان کا رسک بھی نہ ہو، زندگی تاکہ آرام سے گزار سکیں۔ سامعہ خود بھی فیلڈ رپورٹر تھی، وہ اسی اخبار کے ٹی وی چینل کی فیلڈ رپورٹر تھی، جس کے اخبار کا اجمل رپورٹر تھا۔ اشعر کو اپنا کام پسند تھا اور نوکری بھی۔ اس نے سامعہ کو بہت سمجھایا کہ اسے جتنی تنخواہ ملتی ہے، وہ ان دونوں کے معقول گزارے کے لیے کافی ہے اور جان کا رسک تو ہر کام میں ہی ہوتا ہے۔ لیکن سامعہ نے انکار کر دیا اور اسی طرح دونوں کے درمیان تعلقات خراب ہوتے چلے گئے جو بالآخر دوریوں پر منتج ہوئے۔

اب سامعہ نے اشعر سے ملنا بالکل ختم کر دیا تھا۔ اگرچہ اشعر نے کئی بار اسے فون بھی کیا، سامعہ کی سنگ دلی اور بے مروتی کی حد تھی کہ اس نے اشعر کا نمبر ہی بلاک کر ڈالا تھا۔ ایسا رویہ دیکھ کر اشعر نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔

اجمل کی زبانی ہی کبھی کبھار اسے سامعہ کے بے

معاشقے کی خبر ملتی رہتی تھی۔ جیسا کہ اب اس نے بتایا تھا کہ وہ آج کل..... اپنے لیٹلا پارٹنر عمران کے ساتھ زیادہ دیکھی جاری تھی۔ تاہم اس پر اشعر کو حیرت ہوئی تھی کہ..... عمران کی آمدنی جتنی تھی، اس کا خرچ اس سے بہ ظاہر زیادہ نظر آتا تھا۔ اشعر نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ شاید وہ کہیں پارٹ ٹائم کام کرتا ہو۔ عمران، سامعہ کو اکثر سے اعلیٰ ہوٹلوں اور کلبوں میں لے جاتا تھا اور وہ دونوں بڑی مہنگی تفریح کیا کرتے تھے۔ خبر گرم تھی کہ عنقریب دونوں شادی بھی کرنے والے تھے۔ عمران نے حال ہی میں اپنی پرانی گاڑی فروخت کر کے قسطوں پر ایک نئے ماڈل کی گاڑی بھی خرید لی تھی۔

اشعر کا ذہن خود بخود عمران کے معاملے میں الجھتا چلا گیا۔ اس نے سنجیدگی سے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ عمران کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے۔ اچانک اس کے ذہن رسا میں دیر کے بعد اس چھلے کا خیال آگیا جو اسے مسز انیلا کے گھر..... سے ملا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے ایک مفروضے کے تانے بانے بُننے لگا۔ لیکن ابھی اسے خود بھی اپنا خیال بالکل بے جان معلوم ہو رہا تھا۔ تاہم اس نے اپنے متعین کردہ خطوط پر تحقیق کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا۔

اشعر جب اپنے دفتر واپس پہنچا تو اسے ڈی ایس پی سجاد شاہ کا بلاوا آگیا۔

"کہو، کیا خبر ہے؟ اشعر میاں؟" سجاد شاہ نے پوچھا۔ "کوئی کام کی بات معلوم ہو سکی ہے یا ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مارنے میں لگے ہوئے ہو؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں۔" اشعر نے جواب دیا۔ "لیکن شاید میں جلد ہی کوئی کامیابی حاصل کر سکوں۔"

"موقع واردات سے کوئی چیز دستیاب ہوئی؟" سجاد شاہ نے پوچھا۔

"سوائے اس ربر کے چھلے کے اور کچھ نہیں۔" کہتے ہوئے اشعر نے اپنے رومال میں سے ربر کا چھلا نکال کر سجاد شاہ کو دکھایا۔

"تمہارے خیال میں یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" سجاد شاہ نے پوچھا۔

"سر! میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے چھلے گھروں میں اخبار پھینکنے والے ہاکر استعمال کرتے ہیں، وہ اخبار کو رول کر کے اس پر ربر کا یہ چھلا چڑھا دیتے ہیں اور پھر کھڑکی کے راستے یا مکان، فلیٹ کے کھلے صحن میں پھینک دیتے ہیں۔" اشعر نے کہا۔

"ہمم..... اور کچھ؟"

"بہر حال، مجھے اس ربر کے چھلے کے سوا اور کوئی چیز وہاں نہیں مل سکی۔ لیکن میں نے اپنی تفتیش کے لیے کچھ خطوط متعین کر لیے ہیں۔ اگرچہ یہ خطوط ابھی کوئی واضح شکل اختیار نہیں کر پائے ہیں تاہم مجھے امید ہے کہ میں اس ڈور کا سرا پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"دسویں واردات ہونے سے پہلے پہلے تمہیں کسی نتیجے پر پہنچ جانا چاہیے۔" سجاد شاہ گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔ "نو وارداتوں کا اب تک کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔ میڈیا ہم سے سخت ناراض ہے، کئی اخباروں نے تو ہمارے خلاف اداریے بھی لکھ ڈالے ہیں۔"

"میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہوں سر۔" اشعر نے مؤدبانہ جواب دیا۔

☆☆☆

اگلے دن اشعر پھر مسز انیلا کے ہاں پہنچا تھا۔

"کیا آپ روزانہ کوئی اخبار منگواتی ہیں؟" اشعر نے مسز انیلا سے سوال کیا۔

"اخبار کون منگواتا ہوگا اب..... موبائل پر ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔" مسز انیلا بولی۔ "لیکن انسپکٹر! تمہاری بات غلط بھی نہیں، اخبار اب بھی آتے ہیں، ہمارے پڑوس میں، چند ایک میری طرح بوڑھے لوگ صبح ناشتے کی میز پر اخبار دیکھنا پسند کرتے ہیں، میرے شوہر کو بھی یہی عادت تھی، اسی لیے میں نے کہا کہ تمہاری بات غلط بھی نہیں، وہ ہاکر، غالباً نعمان، ہمارا بہت پرانا اخبار والا ہے، ڈائجسٹ بھی میں کبھی کبھار اس سے منگوا لیتی تھی، یا ہفتہ وار میگزین..... میں نے اسے اب تک نہیں منع نہیں کیا ہے۔ شہریار کا شوق تھا اسی لیے میرا دل نہیں چاہا۔"

"مختصراً یہ کہ اخبار آتا ہے؟" اشعر اس کی پرگوئی سے قدرے بیزار ہو کر بولا۔

"ہاں۔"

"ہاکر کا نام نعمان بتایا آپ نے۔"

"ہاں۔ میں بائیس سالہ نوجوان ہے وہ..... کہیں تم مریم کی طرح اس پر بھی شبہ کرنے کی غلطی تو نہیں کر رہے ہو انسپکٹر؟ بتائے دیتی ہوں کہ وہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔"

"نہیں، مسز انیلا.....!" اشعر نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نعمان پر قطعی کوئی شبہ نہیں کر رہا اور آپ مہربانی کر کے اسے اس بارے میں کچھ نہیں بتائیے گا۔ کیا وہ اخبار رول کر کے کھڑکی سے اندر پھینکتا ہے؟"

"نہیں۔" مسز انیلا نے جواب میں کہا۔ "ہم لوگ گھر

کے سامنے والے حصے کی کھڑکیاں کھلی چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ وہ اخبار دروازے کے نیچے سے ڈال کر جاتا ہے۔"

"جب آپ شہر سے باہر گئی تھیں تو آپ نے یقیناً ان دنوں کے لیے اخبار بند کر دیا ہوگا؟" اشعر نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ بولی۔ "میں اور مریم دونوں ہی جا رہے تھے تو اس صورت میں اخبار بھلا یہاں کون پڑھتا؟"

"بہت بہت شکریہ۔ مسز انیلا۔" اشعر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ نعمان سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ میں اس بے چارے لڑکے کو بلاوجہ پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم اطمینان رکھو انسپکٹر! میں اس سے کچھ نہیں کہوں گی۔" مسز انیلا نے کہا۔

اس کے بعد اشعر باری باری ان تمام لوگوں کے پاس گیا جن کے گھروں میں اس وقت چوریاں ہوئی تھیں۔ جب وہ گھروں میں تالے لگا کر شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اشعر نے ان سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ کون سا اخبار پڑھتے ہیں۔ ان سب لوگوں نے "روزنامہ سحر" کا نام لیا اور اشعر کے استفسار پر انہوں نے آگے بتایا کہ نعمان نامی ایک لڑکا ان کے گھروں میں اخبار ڈالتا ہے۔ اشعر نے ان سب لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ نعمان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔

اشعر کو اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ بالکل صحیح خطوط پر کام کر رہا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے بُری طرح اُلجھی ہوئی ڈور کے ایک سرے کو پکڑ لیا ہے۔

دوسرے دن اشعر نے روزنامہ "سحر" کے دفتر میں اجمل کو فون کر کے اس سے کہا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اجمل نے اسے شام کے وقت ایک ہوٹل میں بُلا لیا۔

اشعر جب اس ہوٹل میں پہنچا تو اجمل پہلے سے اس کا منتظر تھا۔

"مجھے حیرت ہے! تمہیں مجھ سے ایسا کیا ضروری کام پڑ گیا کہ دفتر کے بجائے، یہاں ملاقات کے لیے بلا لیا.....؟ کوئی خاص بات ہے؟"

"کچھ زیادہ خاص نہیں۔" اشعر نے جواب دیا۔ "دراصل دفتر میں تم بہت مصروف ہوتے ہو گے اسی لیے میں نے تمہیں یہاں زحمت دی ہے۔"

"یہ تو ہے۔" اجمل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "خیر، کوئی بات نہیں ویسے تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ..... تمہارے باقاعدہ خریداروں میں اگر کوئی

اپریل 2026ء کا شمارہ ایک نظر میں

تریاق

الجھے معمے سلجھانے والے ایک پرعزم نوجوان کی داستان **فرح بخاری** کے قلم کی روانی

کالا طوفان

ماضی کا آئینہ، بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات **ایے آر راجپوت** کے قلم سے

رمز شناس

خوف میں لپٹی پوشیدہ رازوں کی کڑیاں ملانے والے ایک رمز شناس کی دلچسپ داستان..... **نازیہ کامران کاشف** کی اچھوتی تحریر

جنگ باز

معاشرتی ناسوروں اور درندوں کی خوں ریز سازشوں اور زخم زخم ہونے والے ایک جنگ باز کی دلدوز داستان **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم کی جادوگری

اس کے علاوہ

عیوق بخاری، عمران قریشی، جاوید بسام، ماہ وش طالب، محمد عثمان ذوالفقار، صائمہ دانش و دیگر کی خوب صورت تحریریں

چند دنوں کے لیے شہر سے باہر جاتا ہے تو انہیں اخبار کی ترسیل روکنے کا کیا طریقہ ہوتا ہے؟"

"خریدار ہمیں معاہدے کے مطابق ایک ہفتہ پہلے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ چند دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہے ہیں اسی لیے اس عرصے تک ترسیل روک دی جائے۔ پھر سرکولیشن کے شعبے والے ایسے خریداروں کی فہرست تیار کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ہاکرز کو بھی اس سے آگاہ کر دیتے ہیں۔"

"یہ فہرست کون تیار کرتا ہے اور یہ کس کی تحویل میں رہتی ہے؟" اشعر نے پوچھا۔

"یہ فہرست عمران اور سامعہ مل کر تیار کرتے ہیں اور یہ انہی میں سے کسی کی تحویل میں رہتی ہے۔ غالباً یہ عمران کی تحویل میں رہتی ہے۔" اجمل نے بتایا اور پوچھا۔ "لیکن تمہیں اس غیر اہم سی شے میں کیا دلچسپی پیدا ہو گئی؟"

"بس، یوں ہی۔" اشعر نے کہا پھر آگے بولا۔ "میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اپنی بات کی پوری وضاحت کر سکوں، ممکن ہے تمہارے تعاون سے میں آئندہ چند دنوں تک کوئی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"ٹھیک ہے....." اجمل نے دوستانہ فراخ دلی سے کہا۔ "تم مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟"

کیا تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ تم اس نئی فہرست کی، جو اب بننے والی ہو یا بن رہی ہو، ایک نقل مجھے کچھ دیر کے لیے لا دو؟" اشعر نے پوچھا تو اجمل ذرا دیر کو چپ سا ہوا پھر بولا۔

"میں تمہارے لیے اتنا کر سکتا ہوں کہ لنچ ٹائم میں جب عمران اور سامعہ دونوں کھانا کھانے کے لیے نیچے ریسٹورنٹ میں چلے جاتے ہیں، وہ فہرست تمہیں لا کر دوں، اور تم فوراً فوٹو اسٹیٹ، بلکہ نہیں....." اجمل رکا..... "بہت آسان طریقہ اپناتے ہیں۔ میں اس فہرست کی فوٹو اپنے سیل فون پر لے کر تمہیں واٹس ایپ کر دیتا ہوں۔"

"یہی بہتر رہے گا۔" اشعر نے کہا۔ "یہ بتاؤ، تم کسی نعمان نامی ہاکر کو جانتے ہو؟"

"یار، ہاکر تو بے چارے مکھیوں کی طرح ہیں، یاد رہتے ہیں بھول جاتے ہیں۔" اجمل ہنسا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"

اس کے بعد دونوں رخصت ہو گئے۔ دوپہر تک اجمل نے لسٹ اسے بھیج دی۔ اشعر اب غور سے اس لسٹ کو دیکھنے لگا۔ یہ لسٹ سات آدمیوں کے ناموں پر مشتمل تھی جو اپنے پورے خاندان کے ساتھ کچھ عرصے کے لیے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ آئندہ چند دنوں میں ان گھروں پر اخبار کی ترسیل بند ہونے والی تھی۔ اشعر نے اسی وقت اپنے ایک فعال اور ہوشیار مخبر خدا بخش کو یہ نام لکھ کر دیے، اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ جلد از جلد ان ساتوں افراد کی مالی حیثیت اور سماجی رتبے کی تفصیل سے اسے آگاہ کرے۔

مخبر خدا بخش نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہ ساری تفصیلات لا کر اسے دے دیں۔ مخبر کے مطابق سات میں سے صرف دو آدمی ہی ایسے تھے جو خاصے متمول اور دولت مند تھے، باقی پانچ، معمولی سے ملازم پیشہ، جن میں ریٹائرڈ بھی شامل تھے، دو ایک دکان دار تھے۔

اولذکر دو آدمیوں کو اشعر نے نامزد کر دیا۔ ایک کامران فاروق تھا، دوسرا وجاہت خان..... دونوں ہی کل شہر سے باہر اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ روانہ ہو رہے تھے۔ تاہم اب اشعر کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ وہ ان دونوں میں سے کس کا انتخاب کرے، جہاں سے اس نے اپنی "مہم جوئی" کا آغاز کرنا تھا۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کے گھر میں بھی واردات ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دونوں ہی مال دار تھے اور دونوں کے گھروں میں کافی قیمتی سامان ہونا چاہیے تھا۔

آخر اشعر نے پھر مفروضے کا استعمال کرتے ہوئے قرعہ اندازی کی۔ جس میں کامران کا نام نکل آیا۔ جبکہ وجاہت خان کے ہاں اس نے اپنے اسسٹنٹ اکرام بیگ کو تین پولیس والوں کے ہمراہ، جاسوسی کے لیے الرٹ کر دیا، کہ اگر وہاں ایسی کوئی متوقع واردات ہوئی تو چور کو پکڑنے سے پہلے اسے بھی فوراً فون پر مطلع کر دے، وغیرہ۔

لہٰذا..... اشعر نے شام کو سیدھا کامران کے گھر کا رخ کیا۔ کامران ایک دراز قامت، بردبار قسم کا آدمی تھا۔ اشعر نے اپنے تعارف کے بعد اسے پوری طرح اعتماد میں لے لیا۔ پہلے تو کامران نے ہچر مچر سے کام لیا لیکن پھر بات یہی تھی کہ وہ خود بھی گھر خالی چھوڑ کے جانے سے پریشان تھا۔ چوریوں کی وارداتیں، خبروں کی صورت، اس تک بھی پہنچی تھیں۔ تب اس نے اشعر کے ساتھ تعاون کی ہامی بھر لی۔ تاہم آخر میں اس نے الجھ کر پوچھا کہ آخر اسے اتنا یقین کیوں ہے کہ چور اسی گھر کا رخ کرے گا؟ جواب میں اشعر نے کہا۔

"یہ محض ایک مفروضہ ہے کامران صاحب! چوری ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی..... لیکن میں جن خطوط پر کام کر رہا

ہوں۔ اس کی لائن آف ایکشن پر مجھے پورا بھروسا ہے۔ یوں بھی پولیس اسی طرح ہی کارروائی کر کے بڑے سے بڑے مجرموں کو گرفت میں لاتی رہی ہے۔" کامران مطمئن نظر آرہا تھا۔

دوسرے دن صبح کامران اپنی بیوی بچوں کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔ گھر کی چابیاں وہ اشعر کو دے گیا تھا۔ اشعر نے صبح کے کچھ دیر بعد ہی اپنی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ یوں وہ دوپہر کو ہی کامران کے بنگلے پر آ گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر وہ شام کو آیا تو شاید نعمان یا ان کا (چوروں کا) کوئی "ریکی" کرتا ساتھی اسے دیکھ نہ لے۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ دھیرے دھیرے سناٹا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ بنگلا تاریکی میں غرق تھا۔ جیسا کہ خالی بنگلے کو ہونا چاہیے۔ اشعر کا دھیان اپنے سیل فون پر بھی تھا کہ کیا خبر چور یہاں کے بجائے وجاہت خان کے بنگلے کا رخ کرے، تو اسے ایس آئی اکرام بیگ اسے کال کر سکتا ہے۔ رات کے تقریباً گیارہ بج گئے۔ تب ہی اچانک اشعر کو کھڑکی پر ہلکی ہلکی کھٹر پٹر کی آوازیں سنائی دیں۔ یکلخت اس کے اعصاب تن گئے۔ یہ آواز پہلو والی کھڑکی کی طرف سے آرہی تھی۔ اشعر ایک دم چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا سروس ریوالور سیدھے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کی نظریں اس اندھیرے میں سامنے شیشے پر جمی ہوئی تھیں جس کے پیچھے اسے ایک دھندلا سا سایہ نظر آرہا تھا۔

آخر سائے نے شیشے کو آہنگی سے الگ کر لیا اور اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھول دی۔ کھڑکی کھل گئی اور سایہ اندر آ گیا۔ سائے نے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا تھا۔ اشعر کو باکر نعمان کا جو حلیہ بتایا گیا تھا وہ اس سائے سے کچھ ملتا جلتا اسے محسوس ہوا تھا۔ درمیانی قامت، چھریرا جسم، وہ سر سے گردن تک عجیب سے نقاب میں ملفوف تھا۔

سایہ آہستہ آہستہ پنسل ٹارچ کی روشنی میں سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر جیسے ہی اس نے لائٹ آن کی، اشعر نے ریوالور کا رخ سائے کی طرف کر کے گرج دار آواز میں کہا۔

"خبردار.....! دوسری حرکت مت کرنا، ورنہ گولی چلا دوں گا۔"

سایہ وہیں ساکت ہو گیا۔ پھر اگلے ہی لمحے اس کے لبوں سے جیسے بے اختیار نکل گیا۔

"اشعر..... تم.....!" کہتے ہی سائے نے بڑا سا نقاب..... اتار پھینکا۔ اشعر بھی اس شناسا آواز پر..... چونکے بغیر نہ رہ سکا تھا اور پھر سائے کی "نقاب کشائی" کے بعد تو اس کی حیرت سے آنکھیں پھیل کر رہ گئی تھیں۔

"سامعہ..... تم.....!" اشعر کے لہجے میں غیر یقینی تھی۔ "تت..... تو..... اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری وارداتیں تم کر رہی تھیں.....؟"

"ہاں، اشعر.....!" سامعہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "منصوبہ بندی عمران کی ہوتی تھی اور عمل میں کرتی تھی اور ہم دونوں قتل قتل کے حصے دار ہوتے تھے، لیکن تمہیں کیسے علم ہوا کہ آج رات یہاں چوری ہونے والی ہے؟"

"مسز ایلیا کے گھر بھی تم نے ہی چوری کی تھی؟" اشعر نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" سامعہ نے جواب دیا۔ "میرے پاس اس کا اقرار کرنے کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟"

"غالباً تمہارے پرس سے نکل کر وہاں ربر کا ایک چھلا گر گیا تھا جو اخبار لپیٹنے کے کام آتا ہے۔" اشعر نے کہا۔ "اور صرف اسی ایک چھلے نے میرے ذہن میں یہ موہوم سا خیال پیدا کیا کہ ان ایک جیسی چوریوں کی وارداتوں کا اخبار سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ باقی کام میرے لیے زیادہ مشکل نہ تھا۔"

"میں ایسے چھلے اکثر اپنی پتلون کی جیب میں رکھتی ہوں۔" سامعہ نے جواب میں کہا۔ "ممکن ہے ایک چھلا وہاں گر گیا ہو۔ بہرحال، مجھے ہرگز اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میں اس طرح اتنی آسانی سے پکڑی جاؤں گی۔ تم چاہو تو مجھے ابھی ہتھکڑی لگا سکتے ہو۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"پھر عمران کیا کرے گا؟" اشعر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"عمران پر خاک ڈالو۔" سامعہ نے حقارت سے کہا۔ "وہی تو میری تباہی کا ذمے دار ہے۔"

"لیکن میں تمہیں تباہ نہیں ہونے دوں گا جان من!" اشعر نے اس کا نرم و نازک ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اس لیے کہ تم عادی مجرم نہیں ہو، لیکن ہاں ایک شرط ہے کہ تم یہ تسلیم کرو کہ پولیس کی نوکری میں کوئی برائی نہیں۔ بلکہ یہ انسان کو برائی سے بچاتی ہے۔"

سامعہ نے بے اختیار اپنا سر اشعر کے سینے پر ٹکا دیا۔

"چور ہونے سے پولیس والا ہونا کہیں بہتر ہے۔"

"پولیس والا نہیں..... پولیس والی..... کہو۔" اشعر مسکرایا اور سامعہ بھی ہنس دی۔

◆◆◆

دہشت

حسام بٹ

چھیالیسویں قسط

کامیابی اسی کو ملتی ہے جو ثابت قدم اور مستقل مزاجی سے اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے۔ وقت کی ایک بے رحم، سفاک کروٹ نے اس کے جیون میں زہر گھول دیا تھا۔ ناکردہ جرم کی پاداش میں اس کا لڑکپن اور جوانی قید و بند کی صعوبتوں کی نذر ہوگئیں۔ زمانہ اسیری نے ایک طرف اس کے دل و دماغ پر مسرت کے ان مٹ نقوش چھوڑے تو دوسری جانب اس نے علم و ہنر کا بحر بے کنار اپنے وجود میں سمیٹ لیا۔ اس نے آزاد عملی میدان میں قدم رکھا تو نت نئے دشمنوں سے اس کا سابقہ پڑا۔ جلد ہی اس پر منکشف ہوا کہ خالق نے اسے زمینی خداؤں کی سرکوبی کے لیے تخلیق کیا ہے۔ مقصد حیات واضح ہوا تو اس نے خود کو منشائے قدرت کے سامنے سرنگوں کردیا۔ اس کارزار فنا و بقا کی آبلہ پا جدوجہد میں ایک دل نشیں مہ جبیں اس کی رفیق سفر ٹھہری۔ اپنے اطراف میں پھیلی شوریدہ لہروں کو برداشت کرتے ہوئے اس کا سفر جاری تھا جہاں یہودیوں کا سازشی ذہن دنیا پر حکمرانی کا اپنا خواب شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتا تھا۔

چند لمحوں میں زندگی بدل دینے والے عیار دشمنوں کی ہوش ربا حیلہ سازیاں

دستک در پر ہو یا سر پر، سننے والے کو چونکا دیتی ہے۔ یہ سوچ کر کہ ڈینئل کاری سے بات ہونے جارہی ہے، جاسم کے اعصاب تن گئے تھے۔ وہ اس فرزند دجال لعنت اللہ تک رسائی حاصل کرنے کی بہتیری کوشش کر چکا تھا مگر ہر راستہ بند گلی میں جا کر ختم ہو جاتا اور اب غیر متوقع طور پر وہ اس سے ہم کلام ہونے والا تھا۔ جاسم ایک گہری سانس لے کر ہر قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"ایمشل! آپ کا مشن کہاں تک پہنچا.....!" ڈینئل کاری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "کیا ٹوبان آپ کے ریڈار پر ہے؟"

"ایمشل کو لقمہ مار گیا ہے۔" جاسم نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔ "وہ کسی سوال کا جواب دینے کے قابل نہیں رہا۔"

"شٹ..... تم!" کاری کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ "تم ٹوبان ہو؟"

"کوئی شک.....؟" جاسم نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "میں ایمشل کے ریڈار میں سے باہر نکل آیا ہوں اور اس سے نمٹنے کے بعد میں ماؤنٹ زائن کا رخ کروں گا۔"

"ایمشل سے میری بات کراؤ.....!" ڈینئل کاری نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"نہیں کرا سکتا....." جاسم نے ضدی لہجے میں کہا۔ "اب آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہوگی اور وہ بھی صرف تم سے!"

"تم بہت غلط کر رہے ہو ٹوبان.....!" کاری نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

"غلط کے ساتھ غلط ہی ہوتا ہے، بندہ کرے یا مالک..... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" جاسم نے بھی جواباً دھمکی دار لہجے میں کہا۔ "تم اپنے گرد کھنچے ہوئے نادیدہ حصار کو مضبوط اور ناقابل شکست بنالو۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دے رہا ہوں..... صرف تین دن!" جاسم نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا، پھر ان الفاظ میں اضافہ کردیا۔ "تین دن کے بعد میں کسی بھی وقت..... تمہارا ٹینٹوا دبانے آرہا ہوں.....!"

"ہم آرام سے بیٹھ کر.....!" ڈینئل کاری نے قدرے نرم لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ.....!" جاسم نے جارحانہ انداز میں کہا۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد جاسم نے لائن کاٹ دی اور سیل فون کو سوئچ آف کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ایمفل کاری سے یہ مشکل جیمس بیکاٹ اس کی بات ہوئی ہوگی۔ اس قلیل مدت کے دوران میں ایمفل کو اپنی شیطانی قوتوں کو آزمانے کا موقع مل گیا تھا۔ جاسم نے تیز دھار چھری کو ایمفل کی شہ رگ پر رکھتے ہوئے کاری سے مکالمہ کیا تھا لیکن چند لمحات کے لیے ایمفل پر سے اس کی توجہ ہٹ گئی تھی اور ایمفل نے جاسم کی اسی لمحاتی بے دھیانی کا فائدہ اٹھایا تھا۔

گیسٹ ہاؤس کے اس کمرے میں ایک درمیانے درجے کا دھماکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی آتش دان یکا یک بجھ گیا۔ وہ آتش دان ہی اس کمرے میں روشنی کا واحد ذریعہ تھا۔ جلتے ایندھن میں وہ لوگ اپنا کام چلا رہے تھے اور اب وہاں، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والا گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔

تاریکی ہوتے ہی ساکورا نے بے ساختہ ایک چیخ ماری۔ وہ آتش دان کے نزدیک بیٹھی چائنش کا سوپ تیار کر رہی تھی۔ اچانک چھا جانے والے اندھیرے نے اسے بوکھلا دیا تھا اس لیے وہ گھبرا کر چیخ اٹھی تھی۔ اس کی آواز سے خوف اور بے بسی جھلکتی تھی۔ یہ ناگہانی جاسم کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ دبئی آف دی کنگز، مصر کے ایک ہوٹل میں قیام کے دوران میں، زشار نے اس کی آنکھوں میں جو جدت کا رنگ نظر لگائے تھے، ان کی برکت سے وہ تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ انیش نے گویا جاسم کی آنکھوں میں نائٹ وژن انفرا ریڈ گوگلز "فٹ" کر دیے تھے۔

جاسم تیزی سے ساکورا کی طرف لپکا۔ تاریکی کے باوجود بھی وہ کمرے کے ماحول کو اچھے سے دیکھ سکتا تھا۔ اس نے ساکورا کو کسی چھوٹے بچے کے مانند اپنی گود میں اٹھا لیا اور کمرے کے ایک دور افتادہ حصے میں پہنچانے کے بعد، اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ساکورا! تم چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو۔ باقی سب میں سنبھال لوں گا۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کسی صورت تمہاری جان نہیں آنے دوں گا۔ ٹھیک ہے....."

ساکورا نے "ٹھیک" کا جواب "ٹھیک ٹھاک" انداز میں دیا۔ وہ جاسم کے ساتھ ایسے چپک گئی جیسے اس کے بدن ہی کا حصہ ہو۔ ساکورا کا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا۔ جاسم اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا مگر یہ صورتِ حال ناز برداری اور دل داری کے لیے سازگار نہیں تھی۔

"ساکورا! ایمفل خطرناک جادوگر ہے....." جاسم نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "مجھے جانے دو تاکہ میں اس کے کمال کا توڑ کر سکوں۔ اگر میں نے دیر کر دی تو وہ شیطان ہماری جیتی ہوئی بازی کو پلٹ کر، ہار میں بدل دے گا۔"

ساکورا، اس کی بات کو تو سمجھ رہی تھی مگر اچانک بدلے والے حالات نے اس کے دل و دماغ پر ایک خوف سا بٹھا دیا تھا اور اس خوف کا تریاق صرف ایک ہی طرح ممکن تھا۔ جاسم نے وہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے اس کی گویائی کو فریز کر دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک دم شانت ہو گئی۔ جاسم کے گرم جوش ہونٹوں نے زہر مہرہ کا کردار نبھاتے ہوئے ساکورا کے خدشات کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔

ایمفل جن سفاک حالات سے گزر کر اس گیسٹ ہاؤس تک پہنچا تھا، وہ اس کی سفلی گم کرنے کے لیے کافی تھے۔ اس نے دردناک موت کو اپنے رُوبرو کھڑے قاتلانہ انداز میں مسکراتے دیکھ لیا تھا۔ اس پر مستزاد، جاسم نے جس روکھے پھیکے بلکہ بدتمیز لہجے میں ایمفل کاری سے بات کی تھی، وہ ایمفل کے لیے قابلِ ہضم نہیں تھا۔ جو شخص اس کے ساتھ وہ سلوک کے ساتھ ایسا رویہ اپنا سکتا تھا، وہ اس کا کیا حشر کرنے والا تھا، یہ سوچ کر ہی اس کا پتا پانی ہو رہا تھا اس لیے تمام تر بے بسی اور لاچاری کے باوجود بھی موقع ملتے ہی اس نے قبالہ کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنی جان بچانے کی آخری سعی کی تھی۔ اس کے جنتر منتر اور منتر نے گیسٹ ہاؤس کے اس بیڈ روم کو جاسم کے لیے ایک رصدگاہ میں تبدیل کر دیا تھا۔

جاسم تاریکی میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ سو، وہ رصدگاہ اسے بہت کچھ دکھا رہی تھی۔ وہ بیڈ روم میں رکھے ایمفل کے بیرون سوٹ کیس کو حیرت بھری نگاہ سے تک رہا تھا۔ ابھی تک جاسم نے اس سوٹ کیس کو کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ جیسے ہی ساکورا کو ہمت اور حوصلے کا "ڈوز" دے کر ایمفل کی جانب پلٹا، بیرون سوٹ کیس پٹاخے سے کھل گیا۔

سوٹ کیس کے کھلنے کا انداز صد فیصد ایسا لگ رہا تھا جیسے دور بیٹھے کسی شخص نے ریموٹ کنٹرول کی مدد سے اسے کھول دیا ہو۔ جاسم نے تاریکی میں کرسی پر بیٹھے ہوئے بے دست و پا ایمفل کی طرف دیکھا۔ ایمفل کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اپنے گرد و پیش سے قطعی بے نیاز ہو کر زیرِ لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ شاید وہ مہرانی زبان کا کوئی جاپ تھا۔ جاسم کو یہ سمجھنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ ایمفل دنیا کے سب سے خطرناک جادو قبالہ کو عمل میں لا رہا تھا۔ موت کے جبڑوں میں دبا ہونے کے باوجود بھی اپنی سلامتی کے لیے "ہاتھ پاؤں" مار رہا تھا۔ جاسم نے نظر پھیر کر خود پر غرد حمل جانے والے سوٹ کیس کی سمت دیکھا تو اس کی

حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مذکورہ سوٹ کیس کے اندر ایک "ہیومن زد" دکھائی دے رہا تھا۔

اس چھوٹے سے چڑیا گھر میں تقریباً ہر جانور موجود تھا اور وہ سب بچوں کے کھیلنے والے ربر کے جانور تھے۔ ایسے کھلونوں کا سیٹ ہر ٹوائز شاپ پر بہ آسانی دستیاب ہوتا ہے۔ جاسم ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایمشل نے وہ کھلونا جانور اپنے سوٹ کیس میں کیوں بھر رکھے ہیں کہ ان میں سے ایک جانور میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ سوٹ کیس سے باہر نکل آیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ تیزی سے بڑھ کر اپنے پورے قد کاٹھ کا ہو گیا..... وہ ایک خونی بھیڑیا تھا۔

وہ بھیڑیا جاسم کو گھور رہا تھا۔ بھیڑیا لاکھ درندہ سہی مگر وہ اپنے شکار کے لیے دیگر جانوروں پر ہی حملہ آور ہوتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اس کا رویہ اتنا خطرناک اور جان لیوا نہیں ہوتا الّا یہ کہ کوئی انسان اسے اپنی غیر انسانی حرکتوں سے اتنا زچ کر دے کہ وہ درندگی پر مجبور ہو جائے۔

اس جانور کو اپنے رُوبرو کھڑے دیکھ کر جاسم کو شک گزرا کہ وہ کوئی بھیڑیا نہیں بلکہ جرمن شیفرڈ ڈاگ یعنی "جی ایس ڈی" ہے۔ کسی بھیڑیے اور جی ایس ڈی کے قد کاٹھ اور جسامت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ البتہ ان کے چہرے کی بناوٹ تھوڑی مختلف ہوتی ہے۔ جلد ہی جاسم اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اس کے مقابل ایستادہ جانور دراصل جی ایس ڈی اور بھیڑیے کی کراس بریڈ (مخلوط النسل) ہے۔

ان لمحات میں جاسم کا دماغ ہشاش بشاش اور ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ اشعار اور انور یان نے اسے قبالہ کے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا تھا۔ سامری جادوگر نے بھی فرعون کے دربار میں، قبالہ کا استعمال کر کے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کئی سانپ تخلیق کر دیے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ان جادوئی سانپوں پر پھینکا تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک اژدر بن گیا تھا، پھر اس اژدر نے سامری کے سانپوں کو نگل لیا تھا۔

یہ تمام تر خیالات سیکنڈ کے دسویں حصے میں جاسم کے ذہن سے گزر گئے۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اس نے اپنے مدِمقابل جرمن شیفرڈ کو نظر انداز نہیں کیا تھا اسی لیے جب وہ مشتعل جانور اس پر حملہ آور ہوا تو جاسم اپنے بچاؤ کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

جی ایس ڈی نے ایک لمبی جست بھر کر جاسم پر ایک کیا۔ جاسم بجلی کی سی سرعت سے اپنے دائیں پہلو پر جھک گیا۔ یہ حکمتِ عملی سودمند ثابت ہوئی۔ جی ایس ڈی اس کے شانے پر سے گزرتے ہوئے دور جا گرا۔ اگر جاسم کی جھکائی میں مائیکرو سیکنڈ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو جی ایس ڈی اس کا چہرہ بگاڑ دیتا۔

جی ایس ڈی (جرمن شیفرڈ ڈاگ) کو پولیس ڈاگ، ڈیٹیکٹو ڈاگ اور "کے۔ نائن" کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے اور جاسم پر حملہ آور ہونے والے جی ایس ڈی میں تو بھیڑیے کا "پوٹنز" بھی لگا ہوا تھا اس لیے وہ مخلوط النسل جانور کچھ زیادہ ہی خطرناک ہو گیا تھا۔

جاسم کے مدِمقابل درندے نے کمرے کے فرش پر گرنے کے بعد اٹھنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کی پھرتی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اب وہ منہ اٹھا کر حلق سے "اوووو" کی آواز نکال رہا تھا۔ یہ خالصتاً ایک بھیڑیے کی فطرت تھی۔ ایک بھیڑیا جب کسی مشکل میں ہوتا ہے تو وہ گردن اٹھا کر اسی طرح کی آوازیں نکالتا ہے۔ یہ "اوووو" کی صدا دراصل اس کے ساتھیوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ آ کر اس کی مدد کریں۔

جاسم اس حیوانِ مطلق سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں تیز دھار چھری تھام رکھی تھی۔ وہ اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ میرون سوٹ کیس کے اندر "حملہ آوروں" کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اگر ایمشل کو وہ شیطانی کھیل جاری رکھنے کا موقع مل جاتا تو وہ جاسم کے لیے ایک کے بعد ایک مشکل کھڑی کر سکتا تھا۔ لہٰذا قبالہ کا راستہ روکنا ضروری تھا اور اس کے لیے ایمشل کا انٹا غفیل ہونا بنیادی شرط تھی۔

جی ایس ڈی اور وولف کے اختلاط سے تیار کیا جانے والا وہ خونی درندہ کینہ توز نظر سے جاسم کو گھور رہا تھا۔ کیونکہ اس کا وار خالی گیا تھا۔ اس ناکامی نے اس جانور کا غیظ و غضب بڑھا دیا تھا۔ کسی کرکٹ باؤلر کے انداز میں اسٹارٹ لیتے ہوئے وہ جاسم کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ جاسم کو حیرت ہوئی کہ اس کی طرح وہ درندہ بھی اندھیرے میں دیکھنے پر قادر تھا اسی لیے وہ سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔

یہ تو اچھا تھا کہ وہ کمرا تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا ورنہ اس خونیں مقابلے کو دیکھ کر بے چاری ساکورا کا برا حال ہو جاتا۔ وہ اندھیرے میں دبکی بھی محض اٹھاخ کی آوازیں سن رہی تھی۔

اس بار مقابل نے فضا میں بلند ہونے کے بجائے گراؤنڈ اٹیک کیا۔ جاسم اپنے بچاؤ میں، چھری کو دائیں بائیں اور اوپر نیچے حرکت دینے لگا۔ اگر جاسم کے سامنے

کوئی انسان فائٹر ہوتا تو وہ اس کی حرکات وسکنات کو دیکھ کر اپنے ڈیفنس اور کاؤنٹر اٹیک کے بارے میں سوچتا۔ کسی جانور یا پھر کسی مخبوط الحواس انسان کا مقابلہ کرنے کے لیے اسی کی طرح کا حیوانی رویہ اپنانا پڑتا ہے۔

وہ کھسیل درندہ جیسے ہی جاسم کے نزدیک آیا، جاسم نے رقص کرنے والے انداز میں جھک کر چھری سے اس کے پیٹ پر وار کیا اور جھکے جھکے تیز رفتاری سے دوسری سمت نکل گیا پھر ایک لمبی لوٹ لگا کر وہ ساکورا کے بیڈ کے نزدیک پہنچ گیا جس کے اوپر ایمثل کا میرون سوٹ کیس کھلا پڑا تھا۔

جب جاسم نے اپنے دشمن پر وار کیا، وہ درندہ اپنے پچھلے پاؤں پر کھڑا جاسم کو جھنجوڑنے کی کوشش کر رہا تھا لہٰذا چھری نے اس کے پیٹ پر ایک کاری کٹ لگایا۔ جانور کے حلق سے اذیت بھری غراہٹ برآمد ہوئی اور اس گھائل درندے نے جواباً اپنے دشمن پر زقند لگا دی۔

جاسم اس کی طرف سے ایسی کسی بیجانی کارروائی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ وہ درندہ جیسے ہی جاسم کے اوپر آیا، وہ رول کرتے ہوئے بیڈ کی پائنتی کی طرف چلا گیا۔ میرون سوٹ کیس اب اس سے ایک ہاتھ کی دوری پر تھا۔ جی ایس ڈی سیدھا جا کر ساکورا والے بیڈ کے اوپر گرا۔ جاسم جانتا تھا کہ اس کا دشمن کوئی اصلی جرمن شیفرڈ نہیں ہے بلکہ ایمثل نے قبالہ کے زور پر ایک کھلونا کتے کو میدان میں اتارا تھا۔ شیطانی عملیات کی حقیقت ایک لحاظ سے مصنوعی ہوتی ہے یعنی انسان کی نگاہ کے سامنے جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے، وہ محض ایک فریبِ نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ اس واہیات صورتِ حال سے ڈر گئے تو سمجھو مر گئے..... ابلیسی قوتوں کے سامنے ڈٹ کر، بے خوف وخطر کھڑے ہو جائیں تو وہ آپ کا ایک بال بھی بانکا نہیں کر سکتیں۔

دو بار کی ناکامی کے بعد جی ایس ڈی کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔ جاسم نے اس کی انا اور نسلی تفاخر کو خاصی ٹھیس پہنچائی تھی۔ گویا اس کا حسب نسب اور خاندانی وقار خاک میں مل گیا تھا۔ اس بے توقیری نے اسے آپے سے باہر کر دیا اور وہ بیڈ پر سے اچھل کر جاسم پر جھپٹا۔ اس کی جھپٹ میں زمانے بھر کا قہر بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے شکار کو پھاڑ کر حساب بے باق کرنا چاہتا تھا مگر جاسم اسے ایسا کوئی موقع دینے کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔

جی ایس ڈی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آج اس کا پالا کسی شکار سے نہیں بلکہ ایک منجھے ہوئے شکاری سے پڑا تھا۔

وہ جیسے ہی غراتے ہوئے جاسم کی طرف لپکا، جاسم نے پسپائی اختیار کرنے والے انداز میں، چاروں خانے چت ہو کر چھری والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ جی ایس ڈی جیسے ہی اپنے ٹارگٹ پر پہنچا، تیز دھار چھری اس کے سینے میں پیوست ہو گئی۔ جاسم لوٹ لگا کر اس کے نیچے سے نکل گیا۔

گھائل جی ایس ڈی بیڈ روم کے فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ جاسم نے اپنے دشمن پر نگاہ رکھتے ہوئے میرون سوٹ کیس کو بند کیا اور پوری قوت سے گھما کر اسے آتش دان میں پھینک دیا۔ اگلے ہی لمحے وہاں دو تماشے ہوئے۔ جیسے ہی وہ بریف کیس آتش دان کے اندر پہنچا، آتش دان دوبارہ روشن ہو گیا۔ اسی دوران میں شدید زخمی جی ایس ڈی نے ایک غیر معمولی لانگ جمپ لگائی اور سیدھا جا کر آتش دان میں لینڈ کیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی راستہ بھولے ہوئے پرندے کو اپنا گھونسلا نظر آ گیا ہو۔

اب کی بار ایک زوردار دھماکا ہوا۔ آتش دان میں روشن آگ نے میرون سوٹ کیس اور اس جی ایس ڈی کو فراخ دلی سے "خوش آمدید" کہا اور اپنی فطرت کے مطابق، جی جان سے ان کے تکا بوٹی سیکنے لگی۔

"جی ایس ڈی" کے ساتھ ٹریجڈی والا معاملہ سالہا سال سے چلا آ رہا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں اس اعلیٰ نسل کتے کی شناخت ہی کو تقسیم کر دیا گیا تھا۔ نازی اسے "جرمن شیفرڈ" کے نام سے پکارتے تھے جبکہ اتحادیوں کے نزدیک یہ "السیشن" تھا۔ یہ تفریق آج بھی روا رکھی جاتی ہے۔

"یہ تم نے کیا کر ڈالا.....؟" تمام تر لاچاری کے باوجود بھی ایمثل نے نیم احتجاجی لہجے میں کہا۔ "وہ سوٹ کیس میرے لیے بہت اہم تھا۔"

"میں نے تمہارے جادوئی سوٹ کیس کی چتا جلا دی ہے۔" جاسم نے اس کے نزدیک جا کر کرخت لہجے میں کہا۔ "اب میں تمہاری بلی چڑھانے جا رہا ہوں تاکہ تمہارے ناپاک وجود میں موجود قبالہ کے جراثیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی پورنجیل ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ کمرے میں روشنی ہوتے ہی وہ اپنی عارضی پناہ گاہ سے نکل آئی تھی۔

"ساکورا! چائنز کا سوپ لے آؤ....."

"اوکے باس! ابھی لائی.....؟" وہ فرمانبرداری سے بولی۔

"سوپ میں ارنجی ڈرنک ملانا نہیں بھولنا۔"

"نہیں بھولوں گی سر!" ساکورا نے مستعدی سے کہا۔

ایک منٹ کے اندر ساکورا نے وہ آرڈر "پلیس" کر دیا۔

"میں یہ سوپ نہیں پیوں گا۔" ایمثل نے بدکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے تم پر بھروسا نہیں ہے ٹوبان.....!"

"تمہارے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے ایمثل!" جاسم نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ "یہ میرا رچایا ہوا کھیل ہے۔ اس کے اصول میں نے بنائے ہیں، تمہیں ہر حال میں ان اصولوں کو قبول کرنا پڑے گا۔"

"چانش کے سوپ کی حد تک تو ٹھیک ہے.....!" وہ بے بسی سے بولا۔ "لیکن ساکورا نے انرجی ڈرنک کے نام پر اس سوپ میں جو کچھ ملایا ہے، وہ مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا ہے۔ تم میری جان بھی تو لے سکتے ہو۔"

"زندگی دینے اور زندگی لینے کا اختیار صرف ربِ کائنات کے پاس ہے ایمثل.....!" جاسم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔ "میں تو تمہاری کیموتھراپی کرنے والا ہوں۔ تمہارے رگ و ریشے میں قبالہ اور دیگر سفلیات کا زہر سرایت کر چکا ہے۔ تمہاری ڈرائی کلینگ بہت ضروری ہے۔"

ایمثل کے دونوں گھٹنے اور دونوں شانے ناکارہ ہو چکے تھے۔ وہ انہیں حرکت دینے کے قابل نہیں تھا۔ جاسم نے اس کی کمر اور گردن کو بھی کس کے کرسی کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ سو، وہ اپنی زبان سے "نہ، نہ" اور "نہیں، نہیں" کی تکرار کر کے چانش کے سوپ کو پینے سے انکار کر رہا تھا مگر اس سنسنی خیز ڈرامے کا رائٹر، ڈائریکٹر اور پروڈیوسر جاسم تھا۔

"ساکورا! میں اس بدذات کی ناک کو دبا کر، سانس کی آمد و شد کو معطل کرتا ہوں.....!" جاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم سوپ اس کے منہ میں انڈیل دو۔ میں بھی دیکھتا ہوں، یہ کب تک سانس روکے "کیموتھراپی" کی راہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ چانش کا توانائی بخش سوپ اس کے اندر اتر کر ہی رہے گا۔ معدے میں یا پھیپھڑوں میں، اس بات کا فیصلہ یہ خود ہی کرے گا۔"

آئندہ دو منٹ میں جاسم اور ساکورا نے ایمثل کے ساتھ وہی کیا جو تجربہ کار مائیں اپنے ضدی بچوں کو دوائی پلاتے وقت کرتی ہیں۔ ادھر سوپ ایمثل کے حلق سے اترا، اُدھر اس کی حالت غیر ہو گئی۔

انرجی ڈرنک کے نام پر چانش کے سوپ میں جو کیمیکل ملایا گیا تھا، وہ درحقیقت "کلورین ڈائی آکسائیڈ" تھا۔ اسے پانی صاف کرنے کے عمل "کلورینیشن" میں استعمال کیا جاتا ہے جو بیکٹیریا، وائرس، فنگس اور دیگر جراثیم کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کیمیکل ڈیابند خوراک کو محفوظ رکھنے والے پروسس کا بھی حصہ ہوتا ہے مگر ایک خاص مقدار میں..... لیکن ساکورا نے چانش کے سوپ میں جتنا کلورین ڈائی آکسائیڈ ملایا تھا، وہ پانچ ہزار گیلن پانی کی کلوری نیشن کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس سُپر ہیوی ڈوز کے نتیجے میں ایمثل کی حالت تو غیر ہونا ہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایمثل کے چہرے اور پورے بدن پر سبزی مائل پھپھولے نمودار ہوئے جن کے اندر سے زہریلا مواد خارج ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ایمثل اس دنیا سے اُس دنیا میں منتقل ہو گیا۔

ساکورا وحشت بھری نظر سے اس دل دوز اور کریہہ منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جی متلانے لگا۔ قبل اس کے کہ وہ قے کر دیتی یا چکرا کر گر جاتی، گیسٹ ہاؤس کے داخلی دروازے پر غیر انسانی انداز میں دستک ہونے لگی۔

اپنی بگڑتی ہوئی کیفیت کو فراموش کر کے، ساکورا نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور سہمی ہوئی آواز میں جاسم سے پوچھا۔

"ٹوبان! یہ کون ہو سکتا ہے.....؟"

"وہی تمہارا عاشقِ زار.....!" جاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اس چوکھٹ کا مجاور..... سفید قربہ قطبی ریچھ!"

"اسے ہم سے کیا چاہیے.....!" بے ساختہ ساکورا کے منہ سے نکلا۔ "ہم تو پہلے ہی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ پولر بیئر یہاں کیا لینے آیا ہے.....؟"

"پولر بیئر کی سونگھنے کی صلاحیت بہت تیز اور قوی ہوتی ہے۔" جاسم نے معتدل انداز میں کہا۔ "اس کے نتھنوں نے "بھانپ" لیا ہے کہ ہم نے اس کی ضیافت کے لیے ابھی ایک تازہ شکار کیا ہے۔"

ساکورا نے بے چین نظر سے ایمثل کی طرف دیکھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو ساکورا.....!" جاسم نے رسان بھرے لہجے میں کہا۔ "ایمثل کی لاش ٹھکانے لگانے کے لیے اس ہمار کے معدے سے زیادہ موزوں کوئی اور جگہ ہو نہیں سکتی۔ پتا نہیں، اس نے کب سے انسانی گوشت کا مزہ نہیں لیا۔ تم دروازہ کھول دو، میں ایمثل کی لاش کھینچ کر گیسٹ ہاؤس کے باہر پہنچاتا ہوں....."

ساکورا نے اجنبی زدہ انداز میں جاسم کو دیکھا۔ اس کے

چہرے پر تذبذب اور آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ساکورا.....!" جاسم نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "کوئی بھی عاشق اپنے معشوق کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ وہ قطعی ریچھ تمہیں کچھ نہیں کہے گا..... میری گارنٹی ہے۔"

ساکورا چپ چاپ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

جب کوئی انسان کسی اعلیٰ اور حساس سرکاری عہدے پر فائز ہوتا ہے تو پھر آفس ٹائمنگ، ویک اینڈ، ویکلی آف..... جیسے معاملات کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اسے ٹوئنٹی فور بائی سیون آن جاب رہنا پڑتا ہے۔ اسرائیل کا کرائم منسٹر بی این یاہو بھی سالہا سال سے ایسی ہی ہاٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا لہٰذا اتوار کی شام بھی وہ اپنے آفس میں موجود اور مصروف تھا۔ اسے جوئش لابی کے کرتا دھرتا افراد کی پشت پناہی حاصل تھی اس لیے اس کا اقتدار ابھی جاری و ساری تھا۔ انہی بااثر یہودی زعما میں ایک جید اور معتبر شخصیت ڈینئل کاری کی بھی تھی۔ گزشتہ روز موساد کے چیف ڈیوڈ بارنیا نے یاہو سے ایک درخواست کی تھی مگر ابھی تک وہ بارنیا کے لیے کچھ بھی نہیں کر پایا تھا اور اس کا سب سے بڑا سبب کاری کی وہ کال تھی جو اس نے بارنیا کے حوالے سے یاہو کے سامنے ظاہر کی تھی۔ کاری نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا تھا۔

"یاہو! بارنیا سے کہہ دینا کہ وہ ٹوبان کے سلسلے میں مجھے فون کرنے کی زحمت نہ کرے.....!"

یاہو بارنیا کے کام تو آنا چاہتا تھا مگر اسے کوئی محفوظ راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالآخر بارنیا ہی نے اسے ایک راہ سجھا دی۔ وہ بارنیا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی کال آ گئی۔

"ہیلو!" یاہو نے کال اٹینڈ کرتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔

بارنیا نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ "یاہو! کیا میخوباد سے تمہاری بات ہو گئی؟"

"میں ابھی ان سے رابطہ کرنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آ گیا....." یاہو نے مخالفت بھرے انداز میں جواب دیا۔ "تم سناؤ، تمہاری طرف کیا چل رہا ہے۔ کیا تم نے حسنہ المعروف بہ بلوما کی واپسی کا بندوبست کر دیا ہے؟"

"اب میں کیا بولوں یار.....!" بارنیا نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم سٹھیا گئے ہو کیونکہ یہ اندازہ تو چودہ سال پہلے تمہاری زندگی میں قدم رکھ چکا۔ اس وقت تم پورے چھتر سال کے ہو۔ ابھی آٹھ دن پہلے ہی تو تم نے اکیس اکتوبر کو اپنا برتھ ڈے منایا ہے.....!" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

"میں نے کل تمہیں بتایا تھا کہ بلوما اچانک کہیں غائب ہو گئی ہے۔ گزشتہ روز شام سات بجے (نیویارک کے وقت کے مطابق، دوپہر ایک بجے) اس کی فلائٹ تھی۔ چھ بجے مجھے اطلاع دی گئی کہ وہ موساد کے، نیویارک والے سیف ہاؤس سے پُراسرار انداز میں غائب ہو گئی ہے۔ اس سے ایک گھنٹا پہلے میں میخوباد سے بات کر چکا تھا۔ میں نے انہیں ٹوبان کی خطرناک کارروائیوں اور اس کے فرار کی رپورٹ دی تھی۔ وہ مجھ سے سخت خفا تھے اسی لیے بلوما کے بارے میں ان سے بات کرنے کی دوبارہ میری ہمت نہیں ہوئی تھی اور میں نے اس سلسلے میں تم سے درخواست کی تھی کہ....."

"آئی ایم سوری بارنیا....." یاہو نے قطع کلامی کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "میں تمہارا کام بھولا نہیں تھا مگر کیا بتاؤں..... تھوڑی دیر پہلے عالی جاہ نے مجھے بھی خوب ڈانٹ پلائی ہے۔ میں اسی وجہ سے ڈسٹرب تھا۔ وہ غزہ والے معاملے کو لے کر میری کارکردگی سے زیادہ خوش نہیں ہیں۔ خیر.....!" وہ لمحے بھر کو رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"بارنیا! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اس سچویشن کو اپنے طریقے سے ہینڈل کر لوں گا۔"

"شکریہ یاہو۔" بارنیا نے تشکرانہ انداز میں کہا۔ "تم واقعی میرے سچے دوست ہو۔"

"مجھے دوست بھی کہتے ہو اور تکلفات سے بھی باز نہیں آتے!" یاہو نے شاکی لہجے میں کہا۔

"اب چھوڑ بھی نا یار.....!"

"چھوڑ دیا۔" یاہو نے معتدل انداز میں کہا۔ "تم مجھے بلوما اور ٹوبان کے حوالے سے تازہ ترین حالات سے آگاہ کرو، پھر میں عالی جاہ سے بات کرتا ہوں۔"

آئندہ دس منٹ میں بارنیا نے یاہو کو جو کچھ بتایا اس میں کئی ایک کام کی باتیں تھیں۔ یاہو نے بارنیا کو تسلی دی اور تھوڑی دیر بعد دوبارہ بات کرنے کا وعدہ کر کے ہر دل عزیز کو فون لگا دیا۔

تیسری گھنٹی پر یاہو نے اس کی کال ریسیو کر لی۔ اور کاری اس وقت ایک ساتھ بیٹھے ٹوبان کی بدنصیبی سے جام سنجیدہ گفتگو کر رہے تھے۔ ٹوبان کی حیثیت سے جام نے

ڈینئل کاری کے دماغ میں ایک بھونچال پیدا کر دیا تھا۔

"ہیلو.....!" یافو نے کاری کو کال کے بارے میں بتانے کے بعد کہا۔

"سر! مجھے بدمالتو سے بات کرنا ہے۔" یاہو نے لجاجت بھرے انداز میں کہا۔ "ثوبان اور بلوما کے حوالے سے مجھے کچھ پتا چلا ہے.....!"

"ایک منٹ ہولڈ کریں مسٹر پرائم منسٹر.....!" یافو نے کہا۔

"او کے سر.....!" یاہو جلدی سے بولا۔

یافو نے مائیکروفون پر ہاتھ رکھ کر کاری کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ کاری نے بیزاری سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

یافو نے اپنا سیل فون اسپیکر پر ڈالنے کے بعد یاہو سے کہا۔ "مسٹر پرائم منسٹر! عالی جاہ لائن پر ہیں۔"

"میخوباد! ثوبان اور بلوما کا معاملہ اگرچہ میرے ہاتھ سے ڈیل نہیں ہو رہا مگر یہ اہم اطلاعات آپ تک پہنچانا ضروری ہیں۔" یاہو نے قدرے یانہ لہجے میں کہا۔ "ڈیوڈ بارنیا نے مجھے دو خبریں دی ہیں....."

"بارنیا خود کہاں ہے؟" کاری نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال داغ دیا۔

"وہ بہت زیادہ ڈرا ہوا ہے سرکار.....!" یاہو وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وہ آپ کی ناراضی سے خوف زدہ ہے اس لیے اس نے مجھے بات کرنے کو کہا ہے۔ سمجھ لیں کہ وہ موساد کی کارکردگی کو لے کر بہت شرمندہ ہے۔"

"ٹھیک ہے، سمجھ لیا۔" کاری نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "اب بتاؤ تم کون سی دو خبریں لے کر آئے ہو؟"

"ان میں سے ایک اچھی اور ایک بری خبر ہے عالی جاہ!" یاہو نے معقول انداز میں کہا۔ "جیسا آپ کا حکم ہو، میں پہلے وہ خبر سناؤں گا۔"

ڈینئل کاری نے کہا۔ "پہلے بری خبر سناؤ تاکہ بعد میں اچھی خبر سن کر پہلی خبر کی کدورت جاتی رہے....."

"بارنیا کو نیویارک والی ٹیم نے اطلاع دی ہے کہ فلائٹ سے دو، ڈھائی گھنٹے پہلے بلوما ان کی کسٹڈی سے نکل گئی ہے۔" یاہو نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آپ بارنیا سے پہلے ہی بہت زیادہ ناراض ہیں اس لیے وہ گزشتہ شام یہ منحوس خبر آپ کو نہیں دے سکا۔ اپنے اندر ہمت نہ پا کر اس نے یہ کام میرے ذمے لگا دیا تھا اسی لیے میں....."

"بلوما کسی سڑک چھاپ غنڈے کی قید میں نہیں بلکہ موساد کی تحویل میں تھی یاہو.....!" کاری نے برہم لہجے میں کہا۔ "وہ کوئی خطرناک مجرم تھی اور نہ ہی موساد کے ایجنٹس کوئی موم کے بنے ہوئے تھے جو وہ انہیں چکما دے کر نکل گئی۔ مجھے تو یہی محسوس ہو رہا ہے کہ بارنیا اپنے لوگوں کی غفلت اور ناکامی کو چھپانے کے لیے نت نئی کہانیاں گھڑ رہا ہے۔"

"پہلے مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا عالی جاہ.....!" یاہو نے کہا۔ "میں نے اس بارے میں اس سے کئی ایک اہم سوال کیے تو اس نے نہایت ہی عجیب بات بتائی.....!"

کاری نے چونکے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "کون سی عجیب بات؟"

"بلوما کو نیویارک والے سیف ہاؤس کے جس کمرے میں زیر حراست رکھا گیا تھا، اس کے بند دروازے پر باہر ایک مضبوط تالا بھی ڈالا گیا تھا۔" یاہو نے جواب دیا۔ "صرف یہی نہیں بلکہ دروازے کے سامنے ایک مسلح گارڈ پہرا بھی دے رہا تھا لیکن جب بلوما کو روانگی کی تیاری کرنے کا کہنے کے لیے دروازہ کھولا گیا تو مذکورہ کمرا خالی تھا۔ مسلح گارڈ کا کہنا ہے کہ اس نے بلوما کو کمرے سے باہر نکلتے نہیں دیکھا اور کمرے کے اندر کسی قسم کی کوئی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ حیرے کی بات تو یہ ہے کہ اس کمرے سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔"

"تو تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ....." کاری نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا۔ "بلوما پہلے بھاپ بن کر کمرے کی فضا میں تحلیل ہوئی اور پھر ہوا کی صورت چپ چاپ وہاں سے "فرار" ہو گئی.....؟"

"بارنیا کو شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ ثوبان کوئی عام انسان نہیں ہے میخوباد!" یاہو نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "وہ یا تو کوئی خاص قسم کا جادو جانتا ہے اور یا پھر کوئی پُراسرار ہستی اس کی پشت پناہی کر رہی ہے اور وہی نامعلوم ہستی ثوبان اور اس کے ساتھیوں کی مدد بھی کرتی ہے۔ بلوما کو اسی پُراسرار طاقت نے غائب کیا ہے۔"

"اس پُراسرار ہستی کے معاملے کو میں دیکھ لوں گا یاہو....." کاری نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "اب تم مجھے اچھی خبر سناؤ۔"

"اچھی خبر یہ ہے کہ موساد کے تین شاطر ایجنٹس نے ثوبان کو کھوج نکالا ہے.....!" یاہو نے بارنیا کی فراہم کردہ معلومات کو انکشاف انگیز انداز میں کاری تک پہنچاتے ہوئے بتایا۔ "اس کے ساتھ ایک جاپانی لڑکی بھی ہے۔

انہوں نے لانگ ایئر بن کے برفیلے مضافات میں پہاڑی پر بنے ہوئے ایک آسیب زدہ گیسٹ ہاؤس میں پناہ لے رکھی ہے۔ آج رات میں کسی وقت وہ ہوشیار ایجنٹس نہایت ہی رازداری سے اس گیسٹ ہاؤس پر ہلا بول کر ثوبان کو اپنے قابو میں لے لیں گے۔"

"یاہو.....!" ڈینئل کاری نے جوشیلے انداز میں کہا۔ "بارنیا کو اچھی طرح سمجھا دو کہ ثوبان کو قابو نہیں، نیست و نابود کرنا ہے۔ وہ اپنے ایجنٹس کو بتا دے کہ اس منحوس گیسٹ ہاؤس پر راکٹ پھینکیں یا بم برسائیں، ثوبان کو کل صبح کا سورج نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگر موساد نے یہ کام کر دکھایا تو میں بارنیا کی ساری کوتاہیوں کو معاف کر دوں گا۔"

کاری کے اس جوش جذبات میں ایمشل تمیوڈور کے عبرت ناک انجام کا عمل دخل تھا یا پھر یہ جاسم کی اس دھمکی کا اثر تھا جو اس نے کاری سے دو، دو ہاتھ کرنے کے حوالے سے دی تھی۔ بہرکیف، ان لمحات میں وہ اچھے خاصے ذہنی دباؤ میں تھا۔

"جو حکم عالی جاہ.....!" بی این یاہو نے فرمانبرداری سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی کاری کے اشارے پر یافو نے سیٹلائٹ رابطہ موقوف کر دیا۔ یاہو کی کال سے پہلے کاری اور اس کا نائب یافو ثوبان یعنی جاسم کی سنسنی خیز دھمکی کے حوالے سے تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔

"ہاں..... تو ہم کہاں تھے؟" کاری نے گفتگو کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو بحال کرتے ہوئے یافو سے استفسار کیا۔

"عالی جاہ! ثوبان کی دھمکی کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی کوئی حیثیت.....!" یافو نے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ فلسطینی دہشت گرد کسی بھی صورت یہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور میرے اس دعوے کی ٹھوس وجوہات ہیں۔"

"میں ان وجوہات سے آگاہ ہونا چاہوں گا۔" ڈینئل کاری نے دلچسپی بھری نظر سے یافو کی طرف دیکھا۔

"ثوبان اگر ٹیلی پورٹیشن کی سائنس سے واقف تھا تو یہ طے ہے کہ وہ اپنی یہ صلاحیت کھو چکا ہے لہٰذا اس کے لیے نادیدہ پرواز کرنا ممکن نہیں رہا۔" یافو نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کہ اگر وہ اس وقت ٹیلی پورٹیشن کے قابل ہوتا تو پھر اتنے فرار ہونے اور راکٹ کے ٹھکانے کو تباہ کرنے کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آنکھیں بند کرتا اور کہیں سے کہیں نکل جاتا۔ یہ تو ہو گئی ایک دلیل کہ اس نے آپ کو جو دھمکی دی ہے، وہ قابل عمل نہیں۔ اب میں آتا ہوں، دوسرے پہلو کی طرف.....!" یافو سانس ہموار کرنے کی غرض سے تھما تو کاری گہری نظر سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

"ٹیلی پورٹیشن کی سائنس میں ٹیلی پورٹر کو اس مقام کے درست "جی پی ایس" کوآرڈی نیٹس کی ضرورت ہوتی ہے جہاں اسے پہنچنا ہوتا ہے۔" یافو اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ماؤنٹ زائن کے جی پی ایس۔ کوآرڈی نیٹس کبھی بھی کسی ٹیلی پورٹر کو اس رہائش گاہ تک رسائی حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ آپ نے اپنے روحانی عمل سے اس جگہ کو نادیدہ بنا رکھا ہے۔ اس مخصوص مقام کے اردگرد ایک ایسا طلسماتی حصار موجود ہے جسے توڑنا یا عبور کرنا ممکن نہیں۔ دنیا کی جدید ترین آر ایف (ریڈیو فریکوئنسی) ڈیوائسز اور جی پی ایس۔ ٹریکرز اس مقام کو ٹریس کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یعنی جی پی آر ایس کے توسط سے ٹرانسفر ہونے والا ڈیٹا اور سگنلز ہمارا سراغ لگا سکتے ہیں اور نہ ہی گلوبل پوزیشننگ سسٹم (جی پی ایس) کے کوآرڈی نیٹس اس رہائش گاہ کی رئیل ٹائم لوکیشن تک پہنچنے یا پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جی پی ایس اور جی پی آر ایس کی ٹیکنالوجی آپ کے کھینچے ہوئے نادیدہ حصار کے سامنے بے بس، مجبور اور ناکارہ ہیں۔"

"ٹھیک ہو گیا۔" کاری نے ایک اطمینان بھری گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے عمل، علم اور کارکردگی پر پورا بھروسا ہے کہ یہ جگہ ناقابل تسخیر ہے لیکن کچھ اور زاویے بھی توجہ طلب ہیں۔"

ڈینئل کاری خاموش ہوا تو یافو باادب، باملاحظہ اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحات کے سکوت کے بعد اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔

"ہم اس صورت حال کے ایک اہم کردار کو کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کر سکتے یافو..... اور اس کردار کا نام ہے راشد ظاہری یا بصارت مین۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کوئی فرضی کردار نہیں ہے.....!" لمحاتی توقف کر کے اس نے دو، تین گہری سانسیں لیں پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میجنجر کے ہوٹل کانٹی نینٹل میں [illegible] کو دیکھا گیا تو اور میجنجر کے صحرا میں بھی اسی بندے نے دانیال کی ٹیم کے چھکے چھڑائے۔ انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کیا تھا۔ ہوٹل کانٹی نینٹل میں اس نے ایک جانب موساد کے ایجنٹس کی مٹی

پلید کی تو دوسری طرف ہیری کو وہاں سے ریسکیو [illegible] کے بعد اس کی بھرپور مدد کی تھی۔ ثوبان [illegible] کو انٹرویو دیتے ہوئے [illegible] بصارت امین کا ذ[illegible] لانگ ایئر مین پہنچائے [illegible] نے کا [illegible] بھی بصارت امین سے [illegible] پر ہاتھ دیا ہے اور [illegible] نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اب یاہو یہ بتا کر گیا ہے کہ نیویارک سے بلوما اچانک غائب ہو گئی ہے اور وہ بھی ایک تالا بند کمرے کے اندر سے۔ بصارت امین کی ذات سے منسوب جتنی کہانیاں ہم تک پہنچی ہیں، ان میں کسی حد تک مبالغہ آرائی تو ہو سکتی ہے مگر انہیں کھوکھلا یا من گھڑت نہیں کہا جا سکتا۔ وہ شخص کوئی افسانہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور میں اس نامعلوم حقیقت کو اپنی کسوٹی میں دیکھنا چاہتا ہوں..... اور وہ بھی جلد از جلد۔"

"اس سلسلے میں، میں ایک تجویز دے سکتا ہوں عالی جاہ!" یافو نے بہ صد احترام کہا۔

"ضرور..... میں سن رہا ہوں۔" دیغل کاری گہری سنجیدگی سے بولا۔

"ثوبان اور بلوما اس وقت ہماری دسترس میں نہیں ہیں عالی جاہ!" یافو نے معتدل انداز میں کہنا شروع کیا۔ "لیکن ہیری اور اس کی گرل فرینڈ مریا مکمل طور پر دانیال کی سرویلنس میں ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کے لیے گمبھیر مشکلات کھڑی کر کے زندگی اور موت کے مسائل پیدا کر دیں تو بصارت امین ضرور ان کی مدد کو لپکے گا اور یہی موقع ہو گا کہ ہم اس شخص کو اپنے قابو میں کر لیں یا پھر اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔"

"آئیڈیا عمدہ اور فوری طور پر قابلِ عمل ہے۔" کاری نے تحسین انداز میں اپنے نائب کی طرف دیکھا۔ "یافو! میں آپ کی ذہانت اور معاملہ فہمی کا معترف ہوں۔ اب یہ بھی بتائیں کہ اس حوالے سے آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟"

"[illegible] ڈاکٹر شولا اور ثو[illegible] اس وقت فیکٹری میں ایک خفیہ مقام پر موجود ہیں۔" یافو نے رسان بھرے انداز میں کہا۔ "ثوناک کی مناسب دیکھ بھال اور علاج کے لیے اسے ایک دم فٹ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ثوناک ثوبان اور ہیری دونوں کے لیے اپنے دل و دماغ میں بہت غصہ اور عناد رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، ثوناک کو ہیری کے خلاف میدان میں اتارنے کا وقت آ گیا ہے۔ ویسے بھی ہم نے ہیری کو اب تک اس لیے زندہ رکھا ہوا ہے کہ اس کا چارا بنا کر ثوبان اور بصارت امین کا شکار کریں گے۔ سو، اس نیک کام کے لیے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو گا۔ جب ہیری پر عرصۂ حیات تنگ کیا جائے گا تو ثوبان یا بصارت امین میں سے کوئی ضرور اس کی مدد کو پہنچے گا۔"

"یافو! آپ کی تجویز میرے دل کو لگی ہے۔" کاری نے توصیفی نظر سے اپنے معتمدِ خاص کو دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں، اس مشن کو آپ لیڈ کریں۔ اس سلسلے میں، میں آپ کو فری ہینڈ دے رہا ہوں۔"

"یہ آپ کی نوازش ہے عالی جاہ!" یافو نے ممنونیت بھرے انداز میں کہا۔ "میں اپنا بیسٹ دینے کی کوشش کروں گا۔ ثوبان، لانگ ایئر مین میں مارا جائے گا اور بصارت امین کو ٹینجرز کا صحرا کھا جائے گا جس کے بعد ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ یہ دونوں بدبخت کافی عرصے سے ہمارے اہم مشن "قیام گریٹر اسرائیل" کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔"

"سلطنتِ داؤدی" کے قیام کی بات سن کر کھانچ بڈھے دیغل کاری کی ضعیف العمر باچھیں اوہ موئے انداز میں کھل گئیں۔ یافو کے آئیڈیا نے تھوڑی دیر پہلے اس پر چھائی ہوئی برافتادگی اور مردہ دلی کو دھو ڈالا تھا۔

"میں اب آرام کرنا چاہوں گا۔" اس نے خفاہت بھرے لہجے میں کہا۔ "کوئی بھی کال آئے تو آپ ڈیل کر لیجیے گا۔"

"جو حکم جہاں پناہ.....!" یافو نے فرمانبرداری سے کہا۔

کاری اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ بستر پر لیٹا تو ایک عجیب سے احساس نے اسے چونکا دیا۔ وہ کسی انسان کے سانس لینے کی دھیمی آواز تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور متلاشی نظر سے کمرے کے طول و عرض کو گھورنے لگا۔ گزشتہ رات اس نے اسی نادیدہ رہائش گاہ کے اندر کسی انسان کے قدموں کی آواز سنی تھی اور اب کوئی انسان اس کے بیڈ روم میں ہانپتا ہوا سانس لے رہا تھا۔

"کون [illegible] ہو تم؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پکارا۔

مگر کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ اس بات نے اس کی پریشانی کو مزید بڑھا دیا۔ جب کوئی شے آپ کی آنکھوں کے سامنے موجود نہ ہو لیکن وہ آپ کے حواس خمسہ میں سے کسی کی گرفت میں محسوس ہو رہی ہو تو ایسا احساس گہری فکر میں ڈال دیتا ہے۔ کاری کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔

اس کی حس سماعت اسے ایک نئے اور انوکھے تجربے سے گزار رہی تھی۔

"شاید یہ بہت زیادہ کام اور ذہنی دباؤ کا نتیجہ ہے۔" اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔ "مجھے کچھ دنوں کے لیے مکمل آرام کرنا چاہیے۔"

وہ خود کو سمجھانے کے بعد سو گیا..... ایک گہری اور پرسکون نیند۔ مضبوط اعصاب اور طاقتور دماغ رکھنے والے افراد کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ ہر نوعیت کے نامساعد حالات میں بھی اپنے لیے ایک نحوڑا راستہ نکال ہی لیتے ہیں۔

☆☆☆

قریبی دبئی اکبر لم الانس سے شکم سیر ہو کر خوش باش ایک بہت کی نکل پڑا۔ ایسی پرتکلف اور من بھاتی ضیافت اس نے کافی عرصے کے بعد اڑائی تھی ورنہ آج کل تو بس یونہی گزارہ چل رہا تھا۔

جاسم کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور جب وہ پولی بیئر اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو جاسم اندر آ گیا جہاں ساکورا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس دوران میں ایک سوال مسلسل جاسم کے ذہن میں چکر اتا رہا تھا۔ وہ بار بار خود سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے ڈیمل کاری کو تین دن کی مہلت کس بنیاد پر دی ہے؟"

"کیا وہ دھمکی تمہارا سوچا سمجھا فیصلہ تھا؟" اس کے اندر سے پوچھا گیا۔

"نہیں.....!" اس نے نفی میں جواب دیا۔ "ان لمحات میں مجھے خود پر بالکل اختیار نہیں رہا تھا۔ میرے منہ میں جو بھی آیا، بس میں بولتا چلا گیا....."

ان کے درمیان یہ گفتگو بدزبان خاموشی ہو رہی تھی۔ باہر اور اندر جاسم ایک دوسرے سے ہم کلام تھے۔

"جب پہلے سوچے سمجھے بغیر سب کر ڈالا تو اب سوچنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟" اندر والے نے دریافت کیا۔ "چپ چاپ اپنا کام کرتے جاؤ۔ باقی سب حالات اور وقت پر چھوڑ دو.....!"

"کون سا کام؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"وہی تین راتوں والا مخصوص عمل جو تم شروع کر چکے ہو.....!" اندر سے فوراً جواب بھی آ گیا۔ "تم نے ایک رات کا کام نمٹا دیا ہے۔ آج اور کل کی دو راتیں ابھی باقی ہیں.....!"

چار ماہ کی طویل پلاننگ کے پیش نظر جاسم نے پہلے بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ پچیس، تیس گھنٹوں میں تین بھرپور نیندیں لے کر اس معاملے کو جلد از جلد نمٹا دے گا۔ تبھی اسے ایشار کی نصیحت یاد آ گئی تھی۔ ایشار نے ٹیلی پیتھی کے حوالے سے بریف کرتے ہوئے جاسم کو بتایا تھا۔

"یہ تین راتوں کا وظیفہ ہے۔ ہر روز آدھی رات کے بعد، کسی بھی مخصوص وقت پر تم نے میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، اس کی نوٹ کا ورد کرنا ہے یعنی پہلی رات تین مرتبہ، دوسری رات چھتیس بار اور تیسری رات تین سو اٹھتر دفعہ..... تمہارا کورس مکمل ہو جائے گا۔"

ایشار کی ہدایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جاسم نے پہلی رات تین مرتبہ "ث عشق ظلوم عظیم عن نوادر" والا "کی نوٹ" دہرایا تھا۔ اس حساب سے دو راتوں کا کام باقی رہ گیا تھا۔ سو، اس تناظر میں اندر والے جاسم کی بات باہر والے جاسم (ثوبان) کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ قبل اس کے کہ ان دونوں کی یہ گونگی بات چیت آگے بڑھتی، ساکورا کی تیز آواز نے جاسم کو چونکا دیا۔

"ثوبان! تم کن سوچوں میں گم ہو.....؟" ساکورا نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔ "پچھلے ایک گھنٹے میں یہاں جو محیر العقول واقعات پیش آئے ہیں، کیا تم ان کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ گے؟"

ساکورا کی پریشانی اور اضطراب حد قیاس جا رہا تھا۔ جاسم نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے ایشار، شہباز اور کی طلسماتی طاقت، میرون سوٹ کیس والے نئی زدہ قبال کے کمالات، بھیڑیا نما جرمن شیفرڈ سے اپنے خونی معرکے اور ایشار کے بھیانک انجام کے بارے میں بتانے کے بعد کہا۔

"یہ کم بخت ہم دونوں کو موت کی نیند سلانے کے لیے لانگ ایئر تین آیا تھا۔ اب وہ خود تمہارے دیے ہوئے جادو پلر بیئر کے معدے میں گروٹ، گروٹ جہنم کے مزے لے رہا ہے۔"

"تم نے ایشار کو "ازمی ٹانک" والا جانس دے کر جس دردناک موت کے سپرد کیا ہے، وہ دیکھنے کو ملے گی۔" کہہ کر دینے والا منظر تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" وہ الجھن زدہ نظر سے جاسم کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی.....؟"

"کون سی بات؟" جاسم نے ٹوکنے والے انداز میں استفسار کیا۔

"یہی کہ.....!" وہ جاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کر متعجب ہوئی۔ ”تم نے مجھے ایک تاریک کونے میں چپ چاپ بیٹھنے کو کہا تھا۔ تم نے اس خطرناک جانور کے ساتھ جو بھی لڑائی بھڑائی کی، میں ”اٹھاپخ“ کی صورت میں اسے سنتی رہی ہوں۔ کسی بھیڑیے کی کاٹنگ وائس..... ”اوووز“ اور شکاری کتے کی غراہٹ ”غوں اں اں اں“ بھی میں نے سماعت کی ہے مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ تم نے گھپ اندھیرے میں اس بپھرے ہوئے جانور کا مقابلہ کیسے کیا.....؟“

”اندازے کی بنیاد پر.....!“ جاسم نے گول مول جواب دیا۔ ”اور اس میں میرا تجربہ بھی شامل تھا۔ میری زندگی بس، ایسی ہی گزری ہے..... مار پیٹ اور جنگ و جدال سے بھرپور!“

وہ ساکورا کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ تاریکی اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ اندھیرے میں بھی بہ خوبی دیکھ سکتا ہے۔

ساکورا، جاسم کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے کوئی جرح یا اصرار نہیں کیا۔ وہ چند لمحات تک گہری نظر سے اسے تکتی رہی پھر اس کے بازو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اس دھینگا مشتی میں تمہارا زخم ضرور ڈسٹرب ہوا ہو گا۔ میں تمہاری فریش ڈریسنگ کر دیتی ہوں.....!“

ڈین کے اندر ایڈی سے دو، دو ہاتھ کرتے ہوئے جاسم کا بایاں بازو کلائی اور کہنی کے درمیان سے شدید زخمی ہو گیا تھا۔ ایڈی کے ایک مہلک وار سے بچنے کے دوران میں جاسم نے یہ چوٹ کھائی تھی۔ اس کٹ کی لمبائی لگ بھگ ایک انچ اور گہرائی نصف انچ کے آس پاس تھی۔ ساکورا پہلے بھی دو مرتبہ اس کی مرہم پٹی کر چکی تھی۔

گزشتہ دو تین روز میں جاسم کے ساتھ رہتے ہوئے ساکورا کو اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی عام انسان نہیں ہے ورنہ اسرائیل کی سیکرٹ سروس موساد اس کے پیچھے نہ پڑی ہوتی۔ اس کے ذہن میں جاسم کی ذات کے حوالے سے درجنوں سوالات تھے مگر وہ اس معاملے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتی تھی۔

جاسم کے گھائل بازو کی فریش ڈریسنگ کرنے کے بعد ساکورا نے کہا۔ ”ٹوبان! رابرٹ اور ایمثل کے سیل فونز ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”وہ کیسے بھلا؟“ جاسم نے پوچھا۔

”وہ ایسے کہ یہ دونوں میک یعنی آئی فونز ہیں۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ”ان کے توسط سے ہماری لوکیشن دشمنوں تک پہنچ سکتی ہے۔“

”ناممکن!“ جاسم نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”رابرٹ کا سیل فون میں نے کل ہی آف کر دیا تھا اور ایمثل والا فون میں نے ابھی تمہارے سامنے آف کیا ہے۔ پھر ہماری لوکیشن کیونکر کسی جگہ جا سکتی ہے؟“

”ناممکن نہیں بلکہ یہ عین ممکن ہے ٹوبان.....!“ ساکورا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ”اگر کسی آئی فون کو آف کر بھی دیا جائے تو بھی اس کا بیلو ٹوتھ ریئل ٹائم لوکیشن کے سگنلز چھوڑتا رہتا ہے۔ ایک مخصوص فاصلے کے دوائر کے اندر موجود کوئی دوسرا آئی فون بہ آسانی اس کی لوکیشن کوٹریس کر سکتا ہے۔“

”یہ تو تم نے بڑی عجیب بلکہ حیرت انگیز بات بتائی ہے۔“

”سچائی اور حقیقت اسی طرح بعض اوقات انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔“ ساکورا نے معتدل انداز میں کہا۔ ”میں اسی لیے ہمیشہ اینڈرائیڈ سیل فون کے استعمال کو ترجیح دیتی ہوں جو آف موڈ پر واقعتاً آف ہو جاتا ہے۔“

”تم ایک جینیس ہو.....!“ جاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”اور مچھلی کا بچہ پیدائشی تیراک ہوتا ہے۔“

”میں سمجھی نہیں.....!“ ساکورا پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔

”تم جاپانی ہو اور ٹیکنالوجی تم لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔“ جاسم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”جس طرح کسی مچھلی کے بچے کو تیرنا سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی، ایسے ہی کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا علم اور استعداد تمہارا ورثہ ہے۔“

اپنی تعریف سن کر وہ خوش ہو گئی اور جلدی سے بولی۔ ”آری کا تو.....!“

”اچھا ہوا کہ تم نے میرے لیے بھی ایک اینڈرائیڈ فون ہی لیا ہے۔“ جاسم نے کہا اور پوچھا۔ ”کیا میں رابرٹ اور ایمثل کے سیل فون کو آن کر کے ان کے ڈیٹا تک رسائی حاصل کر سکتا ہوں؟“

”بدست بالکل نہیں!“ وہ دوٹوک انداز میں بولی۔ ”کیونکہ ان کے فونز کے اندر داخل ہونے کے لیے تمہیں مخصوص پاس ورڈز کی ضرورت ہو گی اور ان کے ڈیٹا تک پہنچنے کے لیے آئی کلاؤڈ تک رسائی حاصل کرنا ناگزیر ہے اور اس پی سی ڈی (پرسنل کلاؤڈ ڈوائیس) یا این اے ایس (نیٹ ورک اٹیچڈ اسٹوریج) میں قدم رکھنے کے لیے بھی کلاؤڈ آئی ڈی اور اس کے پن کوڈ کا علم ہونا لازم ہے۔“

”اوہ.....!“ جاسم نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ”اسی لیے آئی فون کو اینٹائی سیف

(محفوظ) سمجھا جاتا ہے۔"

"ہاں، کہا تو اسی لیے جاتا ہے مگر ایسا سمجھنے میں دراصل کوئی سچائی نہیں ہے۔" ساکورا نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "یہ ایک کھلا دھوکا ہے۔ اس بھروسے کے عوض لوگوں کو لوٹا جارہا ہے۔"

جاسم نے اُلجھن زدہ انداز میں کہا۔ "میں سمجھا نہیں!"

"میں سمجھاتی ہوں.....!" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "دو ہزار آٹھ میں چار چیزیں ایک ساتھ لانچ کی گئی تھیں۔ نمبر ایک آئی فون، نمبر دو وہاٹس ایپ، نمبر تین کرپٹو کرنسی اور نمبر چار ڈارک ویب۔ ان چاروں اشیا کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اگر تم بور نہیں ہورہے تو میں تمہیں تفصیلاً آگاہ کرتی ہوں.....!"

"تم میرے علم میں اضافہ کررہی ہو۔" جاسم نے معتدل انداز میں کہا۔ "لہٰذا بوریت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے.....!" وہ جاسم کے چہرے پر نگاہ جما کر بتانے لگی۔ "ہم جو انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں، اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی سرفیس ویب (سطحی انٹرنیٹ) ڈیپ ویب (آفیشل انٹرنیٹ) اور ڈارک ویب (مجرموں کا انٹرنیٹ).....!" لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"سرفیس ویب گل انٹرنیٹ کا صرف تین فیصد ہے اور اس کے استعمال کے لیے لوگن (لاگ ان) ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ گوگل سرچ، ڈیپ ویب گل انٹرنیٹ کا نوے فیصد ہے۔ اس کے لیے لوگن ہونا لازمی ہے جیسا کہ تمام اداروں، بینکوں، اسپتالوں، اسکول، کالج، یونیورسٹی..... وغیرہ کی ویب سائٹس اور ڈارک ویب گل انٹرنیٹ کا سات فیصد ہے جس پر صرف کالے دھندے ہوتے ہیں اور اس پر لوگن ہونے کا طریقہ بھی دوسرے ویب سے الگ اور پُراسرار ہے۔ اسے مجرموں کی جنت بھی کہا جاتا ہے اور وہاں پر سارا لین دین "کرپٹو کرنسی" میں ہوتا ہے جیسا کہ بٹ کوئن، سولانا، اتھیریم اور دیگر کرپٹو کرنسیز۔ "ساتوشی ناکاموتو" نامی ایک جاپانی شخص کو کرپٹو کرنسی کا خالق سمجھا جاتا ہے لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس نام کا کوئی شخص دنیا میں موجود ہی نہیں ہے۔ یہ ڈارک ویب بنانے والوں یعنی امریکا کی ایک خطرناک سازش ہے۔ بہرکیف، اگر آپ معاشی لحاظ سے مضبوط ہیں تو ڈارک ویب کے توسط سے آپ اپنی ہر گھناؤنی خواہش پوری کرسکتے ہیں۔"

"اور باقی دو چیزیں.....؟" جاسم نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "میرا مطلب ہے..... آئی فون اور وہاٹس ایپ!"

"دنیا کے سب سے مہنگے اور سیکیور سیل (آئی فون) پر ایک دم مفت کی ایپ (وہاٹس ایپ) چلنے لگی جس کے بارے میں کمپنی کا دعویٰ تھا کہ یہ ایپلی کیشن "اینڈ ٹو اینڈ" انکرپٹڈ ہے یعنی دو افراد کے درمیان، وہاٹس ایپ پر ہونے والی ہر نوعیت کی کمیونی کیشن تک کوئی تیسرا رسائی حاصل نہیں کرسکتا مگر جلد ہی یہ بلند بانگ دعویٰ ایک مذاق ثابت ہو گیا۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک خلیجی ملک کے کھرب پتی شہزادے کی بیوی بے وفائی کی راہ پر چل پڑی۔ بیوی جدید ترین آئی فون پر وہاٹس ایپ استعمال کرتی تھی۔ شہزادے نے اپنی بیوی کی بے وفائی کے ٹھوس ثبوت حاصل کرنے کے لیے اسرائیل کی ایک ٹیکنیکل کمپنی "این ایس او گروپ" سے رابطہ کیا اور منہ مانگے داموں ان سے ایک "جاسوس" تیار کرنے کی درخواست کی۔ اسرائیل کی ساجبر۔ آرمز کمپنی "این ایس او گروپ" نے شہزادے کی فرمائش پر "پیگے سس" نام کا ایک شاطر اسپائی میلویئر (جاسوس وائرس) تیار کردیا۔ پیگے سس کو عرف عام میں "ٹرجن ہارس" بھی کہا جاتا ہے۔ جس طرح شطرنج کی بساط پر ٹروجن (گھوڑے) کی اہمیت باقی تمام مہروں سے زیادہ ہوتی ہے، ویسے ہی ٹیکنالوجی کے تمام وائرسز میں "پیگے سس" کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ اسرائیلی ساجبر آرمز کمپنی این ایس او نے بڑے فخر سے بتایا ہے کہ ابتدائی تین سالوں میں انہوں نے پندرہ ہزار کسٹمرز کو پیگے سس بیچا تھا جن میں بعض ملکوں کے سربراہ بھی شامل ہیں جو اپنے ملکوں کے سیاست دانوں، صحافیوں اور دوسرے اہم لوگوں کی جاسوسی اسی خطرناک میلویئر سے کراتے ہیں۔ اس وائرس کے ذریعے ایک مس کال یا ایک میسج پر سامنے والے کا سیل فون ہیک اور اس کا ڈیٹا کمپرومائز کیا جاسکتا ہے.....!"

"کیا آئی فون بنانے والوں کو پیگے سس کی کارستانی کا علم نہیں ہے؟" جاسم نے اُلجھن زدہ انداز میں سوال کیا۔

"وہ اپنے نام و ناموس کی دھجیاں اُڑتے دیکھ کر چپ سادھے کیوں بیٹھے ہیں!"

"آئی فون ہو یا وہاٹس ایپ اور یا پھر پیگے سس۔ ان سب کے بنانے والے یہودی ہیں۔" ساکورا نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "یہودیوں کی

ہوشیاری، عیاری، مکاری اور ''ایکا'' زمانے بھر میں مشہور ہے اور..... یہ بات تم سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا ثوبان!.....''

''مطلب..... کچھ بھی محفوظ نہیں ہے؟'' جاسم نے کہا۔

''حقیقت یہی ہے ثوبان!.....'' ساکورا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس دنیا میں ہر چھوٹی بڑی چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ واٹس ایپ ہو یا پھر دیگر فری ایپس، ان سب سے فائدہ اٹھانے والوں کو اپنی پرائیویسی اور زندگی کے رازوں کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ انٹرنیٹ پر سب مادر زاد بے لباس ہیں..... برہنہ غلام!''

ساکورا کی ہوش گم کر دینے والی باتیں سن کر جاسم کے تصور میں ہادی مخلوق ایشتار کا چہرہ روشن ہو گیا پھر اس کی خصوصی ہدایات اس کے دماغ میں گونجنے لگیں۔ وہ ایش کے خیالوں میں کھو گیا۔ وہ جاسم سے کہہ رہی تھی۔

''جاسم! سیل فون اور دوسرے گیجٹس سے دور رہو۔ یہ ساری چیزیں تمہیں کسی بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیں گی۔ مشینوں کا سہارا لینے کے بجائے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور روحانی قوتوں پر انحصار کرنا سیکھو، ورنہ ایک دن بُری طرح پچھتاؤ گے.....!''

اور اب ساکورا بھی کچھ اسی نوعیت کے معاملات بیان کر کے جاسم کو گہری تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ انہی فکر انگیز سوچوں کے ساتھ نبرد آزما تھا کہ ساکورا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ''ثوبان! تم کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟''

''ابھی بتاتا ہوں.....'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آتش دان کے نزدیک آ گیا۔

ساکورا چپ چاپ اسے تکنے لگی۔

جاسم نے رابرٹ، ایمثل اور اپنے سیل فونز کو ہاتھ میں لے لیا۔ ساکورا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جاسم ان سیل فونز کے ساتھ کیا کرنے جا رہا تھا۔ جاسم نے پہلے ایمثل کے سیل فون کو اور پھر رابرٹ والے سیل فون کو آگ میں جھونک دیا۔ ان کے بعد اس کے اپنے سیل فون کی باری تھی لیکن ایک فوری خیال کے تحت اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور ساکورا کے دلائے ہوئے سیل فون کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ وہ ساکورا کے خلوص اور احساس کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا حالانکہ وہ یہی سوچ کر آتش دان کی طرف گیا تھا کہ ان گیجٹس سے وہ فوری نجات حاصل کر لے گا۔

''ہاں، تو ہم کہاں تھے؟'' ساکورا کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔

''تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ اپریل 2026ء
کی جھلکیاں

ولی بند

اُس ولی کامل کی داستان جسے خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خطاب سے نوازا نظام الدین اولیاؒ نے پابوسی کی

دریچہ ماضی

ایک معروف قلمکار کی کہانی خود اسی کی زبانی

سیمی

یورپ سے درآمد ایک پراسراریت بھرا واقعہ

ڈائن

وہ خصلت مجھ میں ڈائن تھی اور بھول گئی تھی کہ کراما کاتبین ہر ایک کا عمل لکھ لیتے ہیں

اس کے علاوہ

بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے، تاریخی واقعات جنہیں آپ پڑھنا چاہتے ہیں آپ کو پڑھنا چاہیے

یہ شمارہ بہت خاص ہے، ضرور ملاحظہ کریں

نے سوال کیا کہ کہاں گم ہو تو تم نے جواب دیا ..... ابھی تک ہوں!" ساکورا نے یاد دہانی کرانے والے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، مجھے یاد آ گیا ....!" جاسم نے سرسری انداز میں کہا۔ "میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کل کا دن بہت طویل ہونے والا ہے۔ ایک دم تھکا دینے والا اور آزمائش سے پُر۔ اس لیے اب ہمیں سو جانا چاہیے تاکہ تازہ دم ہو کر پوری طاقت اور توجہ سے اپنے حالات کا مقابلہ کر سکیں۔"

ساکورا کوئی ناوان چھوٹی بچی نہیں تھی جو اس کے جواب سے بہل جاتی۔ وہ یہ تو سمجھ رہی تھی کہ جاسم کے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا ہے۔ بہرکیف، کسی کرید یا کھوج میں پڑنے کے بجائے اس نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو تو ہان۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے لیکن .....!" لمحے بھر کا توقف کر کے اس نے اپنے بیڈ کی جانب اشارہ کیا اور ان الفاظ میں بات مکمل کر دی۔ "میں وہاں نہیں سو سکتی ..... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

جاسم نے بے ساختہ ساکورا والے بستر کی طرف دیکھا۔ مذکورہ بیڈ پر بچھی ہوئی شیٹ خون آلود ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جاسم اور اس خوں خوار بھیڑیا نما جی ایس ڈی کے مابین جو "مقابلہ" ہوا تھا، اس میں جاسم نے جرمن شیفرڈ کو بُری طرح گھائل کر دیا تھا۔ ایک مرحلے پر، وہ زخمی مخلوق ساکورا کے بیڈ پر بھی گرا تھا جس کے نتیجے میں وہ بیڈ شیٹ جا بجا داغ دار ہو گئی تھی۔

"میں تمہارے خوف کو سمجھ سکتا ہوں ساکورا .....!" جاسم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیار بھرے انداز میں کہا۔ "تم میرے بیڈ پر آ جاؤ۔ میں تمہارا ڈر نکال دیتا ہوں۔"

جاسم کی اس پیشکش میں ایسی جادوئی کشش تھی کہ وہ بے ساختہ کھنچی چلی آئی۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں شیر و شکر ہو کر دو قالب یک جان کے سانچے میں ڈھل گئے۔

ساکورا نے چھپی ہوئی مخمور سانسوں کے بیچ اظہارِ محبت کرتے ہوئے لرزیدہ آواز میں کہا۔ "توہان! آئی لو یو مس .....!"

جاسم نے اس کی والہانہ محبت کے جواب میں اپنے جذبات کی تپش میں ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔ "واتاشی وا آناتا گا سکی دیس!"

جاسم، ساکورا کی محبت میں رچتے ہوئے جاپانی زبان کے چند روزمرہ جملے سیکھ چکا تھا۔ شریکِ کار کے منہ سے اپنی مادری زبان میں الفت بھرے الفاظ سن کر ساکورا تن من سے سرشار ہو گئی۔ اسی بے خودی کے عالم میں وہ ایک دوسرے کو بوسوں سے نہلانے لگے۔

جاسم آسمان کے مانند ساکورا کے لیے سائبان بنا ہوا تھا اور ساکورا اس کے لیے زمین بن گئی تھی۔ زمین کی کشش گویا آسمان کو پوری شدت کے ساتھ اپنے مرکز کی جانب کھینچ رہی تھی۔ آتش دان کی لکڑیاں اس کمرے کو مصنوعی حرارت بخش رہی تھیں اور وہ دونوں اپنی حرارت غریزی سے ایک دوسرے کو گرم کرنے میں مصروف تھے۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ تیس اکتوبر، یوم روز ہیلو کا آغاز ہو گیا تھا۔ جاسم آتش دان کے نزدیک ایک کرسی پر نیم دراز تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے ساکورا کو اپنے پیار کی لوری سنا کر گہری نیند سلا دیا تھا۔ وہ کمسن نڈھال اور تھکن سے چور محنت کش کے مانند بے خبری کی پُرسکون نیند سو رہی تھی۔

جاسم دوسری رات کے "ظلمۂ نادیدہ پرواز" کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کیں اور اپنی سوچ کو ایک نقطے پر مرکوز کر لیا۔ وہ نقطہ تھا، کی نوٹ ....!

اس نے پورے انہماک کے ساتھ مجتبیٰ مرجہ "ہ" معنی مفہوم تعلیم من فوادر" کا ورد کیا پھر آنکھیں کھول دیں۔ اگلے ہی لمحے اسے نیند کا جھونکا سا محسوس ہوا اور وہ کرسی پر "لو کھڑا" کر رہ گیا۔ اسی قلیل مدت میں ایک مانوس نسوانی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"جاسم! میرے بچے! اس گیسٹ ہاؤس پر ایک خطرہ منڈلا رہا ہے۔ تم فوراً وہاں سے نکل جاؤ ....!"

جاسم نے فوراً پیش تر اس آواز کو پہچان لیا۔ میڈم حرفہ یمانی کی آواز تھی۔ وہ جاسم کو کسی بڑے خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔ حرفہ یمانی کی روحانی معاملات پر دسترس کا وہ معترف شاہد تھا۔ وہ اس پہلی ہولناک بزرگ ہستی کی نیت پر شک نہیں کر سکتا تھا۔ اگر حرفہ یمانی نے کسی خطرے کی اطلاع دی تھی تو یقیناً اس گیسٹ ہاؤس کے ساتھ کچھ بہت ہی برا اور بھیانک ہونے والا تھا۔

جاسم نے آنِ واحد میں کرسی چھوڑ دی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے، بچھو خواب ساکورا کے پاس پہنچا۔ اس نے ساکورا کے روئی کے گالوں کے سے نرم رخسار کو تھپتھپا کر اسے بیدار کر دیا۔

"وہ شیتا .....!" اس نے آنکھیں کھول کر بڑبڑاتے آمیز لہجے میں پوچھا۔ "وہاٹس رانگ ..... کیا ہوا؟

ثوبان؟"

"ہم بھی کچھ نہیں ہوا مگر بہت کچھ ہونے والا ہے۔" جاسم نے اضطراری لہجے میں جواب دیا۔ "اپنا ورک سیک اٹھاؤ۔ ہم اس گیسٹ ہاؤس کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"کہاں — ہم کہاں جا رہے ہیں — ہم کیوں جا رہے ہیں —؟" ساکورا نے بستر چھوڑتے ہوئے الجھن زدہ انداز میں سوال کیا۔

"ساکورا! او نے گاشی مس (پلیز) —!" جاسم نے زور دے کر کہا۔ "یہ سوال و جواب کا وقت نہیں ہے۔ ہم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ مجھ پر بھروسا کرو —!"

"گومین نسائی —!" ساکورا نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "آئی ایم ویری سوری ثوبان!"

جاسم کے اضطراری تیور دیکھتے ہوئے ساکورا نے حالات کی سنگینی کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ دو منٹ کے بعد وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے باہر اسنو اسکوٹر کے پاس کھڑے تھے۔ اسی برفانی اسکوٹر کے کیریئر سے باندھ کر جاسم نے شدید زخمی ایجنٹ تھیوڈور کو آرکٹک ریجن کی "سیر" کرائی تھی۔

وہ پہلے سے گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی لباس کے اوپر انہوں نے مزید پوشاکیں بھی "لاد" لی تھیں۔ ساکورا اپنا ورک سیک لینا نہیں بھولی تھی۔ عمر و عیار کی اس زنبیل کے اندر طرح طرح کی کارآمد چیزیں اور دیگر سامان بھرا ہوا تھا جس میں آتشیں ہتھیار اور ان کے بھرے ہوئے کلپس بھی شامل تھے۔

جاسم نے ایک لوڈڈ گن اپنے کوٹ کی جیب میں رکھی اور دوسری جیب میں تین لوڈڈ کلپس ڈال لیے پھر ساکورا سے کہا۔

"تم ڈرائیو کرو گی اور میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا تاکہ پیچھے منظر کو بہ آسانی دیکھ سکوں۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا؟"

"ہاں بالکل —!" ساکورا نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا اور پوچھا۔ "کس طرف جانا ہے؟"

"جہاں بھی ہمیں کوئی عارضی پناہ گاہ مل جائے۔"

"یہاں نزدیک ہی ایک برفانی ٹیلا ہے۔" ساکورا نے معتدل انداز میں بتایا۔ "برف کا وہ ٹیلا کسی چھوٹی پہاڑی کے سائز کا ہے۔ اس کی اوٹ میں ہم خود کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں مگر وہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔"

"اس ٹیلے سے کام چل جائے گا —!" جاسم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اور اب چل پڑو۔ جب تک میں نہ کہوں، تمہیں اس اسکوٹر کو ہرگز نہیں روکنا —!"

"سمجھ گئی۔" ساکورا نے ٹھوس انداز میں کہا۔

گیسٹ ہاؤس پہنچنے کے بعد جاسم نے اسنو اسکوٹر کے انجن کو آن ہی رہنے دیا تھا۔ آئندہ ایک منٹ میں وہ دونوں اس اسکوٹر پر سوار ہو کر نئی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

ساکورا اور جاسم نے اپنی آنکھوں پر نائٹ وژن اینٹی ڈارک نیس گوگلز بھی لگا رکھے تھے۔ اگرچہ جاسم اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسے ان گوگلز کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ ساکورا کو کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ تاریکی میں دیکھنے کے حوالے سے کوئی سوال کرے۔ وہ زیرک اور معاملہ فہم پاکٹ سائز جیب پیلے ہی جاسم اور جی ایس ڈی کے متعلق کوئی نتیجہ اخذ کر کے الجھن کا شکار تھی۔ وہ دانش مند تھی اور حالات کی نزاکت کو بھی سمجھتی تھی اس لیے اس نے مصلحتاً اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

جاسم عقابی نگاہ سے اپنے یخ بستہ گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حرفِ یمانی نے اسے جان بچانے کے لیے بروقت ایک بڑے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا اور جاسم نے میڈم حرفِ یمانی کی ہدایات پر آناً فاناً میں وہ گیسٹ ہاؤس چھوڑ دیا تھا لیکن ابھی تک کسی چھوٹے یا بڑے خطرے کے آثار اسے دکھائی نہیں دیے تھے۔ اس نے مذکورہ گیسٹ ہاؤس کو مسلسل اپنی نظر میں رکھا ہوا تھا اور پھر اس کی آنکھوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔

آسمان کی جانب سے گرے رنگ کی کوئی لمبوتری سی شے، تیز رفتاری سے گیسٹ ہاؤس کی طرف آ رہی تھی۔ جاسم یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ گولی کی رفتار سے سفر کرنے والی وہ چیز، آسمان سے ٹوٹا ہوا کوئی تارا تھی یا پھر کوئی راکٹ وغیرہ —!

جاسم کی سوچ کو زیادہ دیر تک کشمکش و خلجان کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ اگلے ہی لمحے وہ تیز رفتار لمبوتری شے سیدھی جا کر گیسٹ ہاؤس سے ٹکرائی تھی۔

یہ تصادم بڑا ہولناک اور قیامت خیز تھا، نگاہ کو خیرہ کر دینے والا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سماعت شکن اور دل دوز دھماکا بھی ہوا تھا جس نے اس برف زار کی خوابیدگی کو بُری طرح متاثر کیا تھا۔ جاسم کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ اس گیسٹ ہاؤس پر ڈرون اٹیک کیا گیا تھا۔

ساکورا نے اسنو اسکوٹر کو روک دیا مگر اس کا انجن آن

رہنے دیا۔ وہ واقعہ تھا ہی اتنا اچانک اور حواس کو مفلوج کر دینے والا تھا کہ ساکورا، جاسم کی ہدایات کا پاس نہیں کر پائی تھی۔

"دوشیزہ..... یہ کیا ہو گیا.....!" وہ متاثرہ گیسٹ ہاؤس کی طرف دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں بولی۔

"ثوبان! تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اگر اس وقت ہم گیسٹ ہاؤس کے اندر ہوتے تو ہماری موت یقینی تھی۔ تم نے بروقت فیصلہ کیا اور ہم بال بال بچ گئے۔"

اس وقت وہ دونوں تہال حال گیسٹ ہاؤس سے دو سو میٹرز کی دوری پر تھے اور برفانی تودہ ان سے محض ایک سو میٹرز کے فاصلے پر تھا۔ جاسم نے گیسٹ ہاؤس پر نظر جما کر پُرسوچ انداز میں کہا۔

"جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے.....!"

"لگتا ہے، تمہارے دشمنوں نے ہماری خفیہ پناہ گاہ کا سراغ لگا لیا تھا اسی لیے ہم پر فضائی حملہ کیا گیا ہے۔" ساکورا نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ ائر اسٹرائیک تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ اس کے بعد گراؤنڈ اٹیک بھی کیا جائے گا۔ شاید انہوں نے تمہیں ختم کرنے کے لیے گیسٹ ہاؤس پر کوئی راکٹ یا پھر میزائل مارا ہے۔"

گیسٹ ہاؤس کی تباہی اور مسماری تو رہی ایک طرف، اب اس کے اندر باقاعدہ آگ بھی بھڑک اٹھی تھی۔ حرفہ یمانی کی فراہم کردہ ہنگامی معلومات کے طفیل وہ دونوں محفوظ رہے تھے۔

"میرے خیال میں یہ ایک ڈرون اٹیک تھا.....!" جاسم ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "بہرکیف، اب یہاں ہمارے لیے کچھ نہیں بچا۔ ہمیں آگے بڑھنا ہوگا۔"

"برف کے اس ٹیلے کے پیچھے چھپنا ہے یا کہیں اور چلیں؟" ساکورا نے استفسار کیا۔

"اس وقت رات کے ساڑھے تین بج رہے ہیں۔" جاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کھلے میں، اس برفانی تودے کے عقب میں پناہ لینا کوئی دانش مندی نہیں ہوگی۔ کیا ہم کہیں اور نہیں جا سکتے؟"

"میرے ذہن میں ناکاشی کا نام آ رہا ہے۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔ "اس وقت "لوہین سینیٹرٹ" تو بند ہوگا مگر میں ناکاشی کی رہائش گاہ سے واقف ہوں۔ اس صورت حال میں ناکاشی سے مدد لی جا سکتی ہے۔"

ساکورا نے جاسم کو بتایا تھا کہ ایک معروف شاپنگ مال "لوہین" کا منیجر اس کا بہت اچھا دوست ہے۔ اس وقت ساکورا اپنے اسی دوست ناکاشی کا ذکر کر رہی تھی۔

"ناکاشی کا گھر کہاں پر ہے؟" جاسم نے پوچھا۔

"اسی وادی میں جہاں رابرٹ والا کاٹیج ٹھہرا تھا۔"

"اوہ.....!" جاسم نے ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا ناکاشی فیملی والا ہے؟"

ان لمحات میں جاسم پیش آمدہ حالات کا باریک بینی سے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت بڑی نازک سچویشن میں تھے لہٰذا پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس امر میں کسی شک و شبے کی گنجائش تلاش نہیں کی جا سکتی تھی کہ موساد والوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا تھا۔ موساد کے پیچھے اسرائیل کی طاقت تھی اور یہ طاقت ایک انسان کی انگلیوں کے اشاروں پر رقص کرتی تھی۔ اس شخص کا نام تھا..... فرزندِ ابلیس ڈینئل کاری!

"ہاں، ناکاشی شادی شدہ ہے۔" ساکورا نے جواب دیا۔ "اس کی بیوی "آؤی" سے بھی میرے اچھے تعلقات ہیں۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ ان میاں بیوی کے بچے وغیرہ تو ہوں گے نہیں.....!" جاسم نے ساکورا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ تم جاپانیوں نے اولاد نہ پیدا کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

ساکورا نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے.....!" جاسم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اگر تم ناکاشی اور اس کی بیوی آؤی کو ہینڈل کر سکتی ہو تو چلو..... وہیں چلتے ہیں۔ اگر انہوں نے ہمیں چوبیس گھنٹے کا آسرا دے دیا تو ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

ساکورا نے یہ سوچتے ہوئے اسنو اسکوٹر آگے بڑھا دی کہ..... ثوبان (جاسم) نے چوبیس گھنٹے کی بات بلاوجہ نہیں کی ہے کیونکہ رابرٹ کے مطابق اس کی یہ دوست آئندہ رات دس بجے نیویارک سے لانگ ایئر بین پہنچنے والی تھی مگر جاسم کے ذہن میں اس وقت تیسری اور آخری رات کا "وظیفۂ نادیدہ اُڑان" رچا بسا تھا۔

کرائے پر حاصل کی ہوئی وہ اسنو اسکوٹر جاسم اور ساکورا کو لے کر ڈرون کی جانب رواں دواں تھی مگر برفانی تودے سے چند میٹرز کے فاصلے پر ایک نئی مصیبت ان کی منتظر تھی اور اس افتاد کا نام تھا..... تین کمانڈوز۔

وہ تینوں موساد کے اسپیشل ایجنٹس تھے۔ پہلے والی دس رکنی ٹیم کے خاتمے کے بعد ڈیوڈ ہارنیا کے حکم پر ان تین

ایجنٹس کو میدان میں اتارا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی حکمت عملی سے جاسم کی کرنٹ لوکیشن کا پتا لگا لیا تھا۔ جاسم (ثوبان) اور اس کی ساتھی ساکورا کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ٹو اسٹیپس منصوبہ بنایا گیا تھا۔ پہلے مرحلے میں گیسٹ ہاؤس پر ڈرون اٹیک کیا گیا تھا۔ اس اٹیک کے نتائج کی جانچ پڑتال کے لیے یہ تین کمانڈوز گیسٹ ہاؤس کی طرف جا رہے تھے۔ یہ ان کے منصوبے کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اگر جاسم اور ساکورا اس ائر اسٹرائیک سے بچ جاتے تو انہیں، ان تین ایجنٹس نے ٹھکانے لگانا تھا اور حسنِ اتفاق سے ان کے شکار خود چل کر سامنے آ گئے تھے۔

درحقیقت یہ حسنِ اتفاق نہیں بلکہ سوئے اتفاق تھا کیونکہ جاسم موساد کی جانب سے ایسے کسی سرپرائز کی توقع کر رہا تھا۔ ان کمانڈوز اور اسنو اسکوٹر کے درمیان بہت کم فاصلہ تھا۔ جاسم سے پہلے ساکورا ان تین مسلح ایجنٹس کو دیکھ چکی تھی۔

"کیا کرنا ہے؟" ساکورا نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔

"رکنے کے سوا سب کچھ کرنا ہے.....!" جاسم نے حتمی انداز میں کہا۔ "تم اسکوٹر اُن پر چڑھا دو، باقی میں دیکھ لوں گا!"

جاسم کی طرف سے شہ ملتے ہی ساکورا شیرنی بن گئی۔ اس دوران میں جاسم نے بھی گن کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ساکورا کو وہ تینوں کمانڈوز زندگی اور موت کے درمیان کھنچی ہوئی ایک سفاک لکیر نظر آ رہے تھے۔ اس لکیر کی دوسری جانب ہنستی مسکراتی زندگی تھی۔ موت کے منہ میں جانے سے بچنے کے لیے، اس لائن کو کراس کرنا ناگزیر تھا اور ساکورا..... یہ قدم اٹھانے کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھی۔

ساکورا نے اسکوٹر کے ایکسیلیریٹر کو فل تھروٹل انداز میں استعمال کرتے ہوئے اپنے مخالفین پر دھاوا بول دیا۔ اسنو اسکوٹر کے انجن کو جب لامحدود ایندھن اور قوت ملی تو اس نے اسکوٹر کو آہنی دیواریں توڑ ڈالنے والا بدمست سانڈ بنا دیا۔ نشے میں چُور اس فصیلے "سانڈ" نے ان کمانڈوز کو اپنے "پاؤں" تلے روندنے کے لیے ایک جارحانہ جست بھری۔

وہ تینوں مسلح کمانڈوز اسکوٹر والوں کی جانب سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ انہوں نے خود کو بچانے کے لیے دائیں بائیں ڈائیو کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ پتھر سے زیادہ سخت اور موت سے زیادہ سرد برف پر دور تک لڑھکتے اور پھسلتے چلے گئے۔

ساکورا نے موقع محل کے تقاضے نبھاتے ہوئے اپنے فریم سے بڑی جرأت مندانہ کوشش تو کر ڈالی تھی مگر جوشِ جذبات میں اسکوٹر کے اسٹیئرنگ کا کنٹرول اس کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ جب اسنو اسکوٹر نے اس برف زار میں ہنگامی "لینڈنگ" کی تو اس کی پیٹھ پر سوار دونوں مسافر بھی اپنا توازن کھو کر اِدھر اُدھر جا گرے تھے تاہم اس دوران میں پیچھے بیٹھے ہوئے مسافر نے اپنی گن سے ایک دشمن کا شکار کر لیا تھا۔ جاسم نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلائی تھیں مگر ان میں سے صرف ایک اپنے نشانے پر جا کر لگی تھی۔ متحرک ٹارگٹ کو نشانہ بنانا ناممکن کی حد تک مشکل ہوتا ہے اور جاسم نے ایک حد تک یہ مشکل کام کر ڈالا تھا۔

دوسری جانب موساد کے تربیت یافتہ ایجنٹس تھے۔ وہ اس سرد جہنم میں مونگ پھلی اور گرم انڈے بیچنے نہیں آئے تھے۔ ثوبان کے حوالے سے انہیں "شوٹ ایٹ سائٹ" کے آرڈرز تھے۔ جاسم اور ساکورا نے اپنے سروں پر ہیلمٹ پہن رکھے تھے اور اس ماحول میں مکمل طور پر، پولرنائٹ کی حکمرانی تھی۔ پہلی نگاہ میں وہ لوگ جاسم کو ثوبان کی حیثیت سے پہچان نہیں پائے تھے اور دوسری نگاہ سے پہلے ہی ساکورا نے ان پر ایک ناگہانی ڈال دی تھی جس کے نتیجے میں ایک ایجنٹ جہنم کا مکین ہو چکا تھا۔

جاسم کی چلائی ہوئی گولی کا شکار بننے والا موسادی بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اب وہ محشر سے قبل اٹھنے والا نہیں تھا لیکن باقی دو ایجنٹس ابھی زندہ سلامت تھے۔ وہ دونوں جاسم سے پہلے نہ صرف اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے جاسم کو اپنی گن کے نشانے پر بھی لے لیا تھا۔

اسنو اسکوٹر نے گرتے وقت جاسم اور ساکورا کے ہیلمٹ بھی اتر گئے تھے چنانچہ ان ایجنٹس کے لیے، جاسم کو ثوبان کی حیثیت سے پہچاننا سہل ہو گیا۔

"اوہ..... تو یہ تم ہو.....؟" ایلن نامی کمانڈو نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ثوبان! تم شیطان کی عمر لے کر اس دنیا میں آئے ہو، ہر مرتبہ اپنے قاتلین سے بچ جاتے ہو مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں کتے کی موت مارنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری بڑی پسلی ایک کرنا چاہتا ہوں۔"

"باس! اس کی کیا ضرورت ہے۔" دوسرے کمانڈو نے کہا۔ "اس بدبخت کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم ہے۔ اس نے ڈاکٹر کو شوٹ کیا ہے۔ اسے بھی فوراً مر جانا چاہیے۔"

قلپ نامی کمانڈو جاسم کی چلائی ہوئی گولی کی غوراک بنا تھا۔ ایلن نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ڈیرن! میں نے ٹوبان کے فائٹنگ اسٹائل کی بہت تعریف سنی ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس تعریف میں کس قدر سچائی ہے۔ تم چپ چاپ تماشا دیکھو۔ یہ کمینہ میرے ہاتھوں مرے گا اور..... اس کی ساتھی سے ہم اپنا دل بہلائیں گے۔ میں نے کبھی کسی جاپانی عورت کو ٹیسٹ نہیں کیا۔"

اس دوران میں جاسم بھی اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ ایلن کی ہوس بھری بے ہودہ گوئی کے جواب میں اس نے غصیلے انداز میں کہا۔

"میں تمہاری یہ حسرت نما خواہش ضرور پوری کروں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟" ایلن نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ایلن! اس کی باتوں میں نہیں آنا۔" ڈیرن نے تحیر کرنے والے انداز میں کہا۔ "ہمیں بتایا گیا ہے، یہ مردود جادو جانتا ہے۔"

"ڈیرن! اس مشن میں باس تم ہو یا میں.....؟" ایلن نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، تم ہی اس مہم کو لیڈ کر رہے ہو۔"

"گڈ!" ایلن نے شاباشی دینے والے انداز میں کہا پھر جاسم سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ٹوبان! اپنی شرط کے بارے میں بتاؤ.....!"

"میں چاہتا ہوں، تم دونوں ایک ساتھ مجھ پر حملہ کرو۔" جاسم نے سپاٹ آواز میں کہا۔

ایلن نے اُلجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔ "یہ کیسی شرط ہے؟"

"اس شرط کو تمہارے سامنے رکھ کر میں اپنے ایک کرم فرما کی شکایت دور کرنا چاہتا ہوں۔" جاسم نے معتدل انداز میں کہا۔ "میرے اس مہربان کا سوال ہے کہ جب میں کئی ایک دشمنوں میں گھر جاتا ہوں تو وہ سب ایک ساتھ مجھ پر حملہ کیوں نہیں بولتے۔ ان میں سے کوئی ایک مجھ سے مقابلہ کرتا ہے۔ باقی چپ چاپ کھڑے تماشا کیوں دیکھتے رہتے ہیں؟"

"یہ تو بڑی عجیب سی شکایت ہے۔" ایلن نے کہا۔

"عجیب تو ہے مگر غریب نہیں ہے۔" جاسم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "میری گن ہاتھ سے نکل کر ادھر آدھر ہو گئی ہے۔ تم دونوں بھی اپنے ہتھیار زمین پر رکھ دو تاکہ سب کو اپنی جسمانی حربی صلاحیتیں آزمانے کا پورا موقع مل سکے۔"

"ٹھیک ہے.....!" ایلن نے اپنی گن زمین پر رکھ دی۔

"ایلن! تم بھاڑ میں جاؤ.....!" ڈیرن نے غصے بھرے انداز میں کہا۔ "میں ایسی بے وقوفی نہیں کروں گا۔ تم اپنا شوق پورا کرو۔ میں جاپانی چوزے کو سنبھالتا ہوں۔"

بات کے اختتام پر ڈیرن برق رفتاری سے ساکورا کی جانب لپکا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے ساکورا کو اپنی گرفت میں لے لیا پھر گن کی نال ساکورا کی کن پٹی پر رکھ کر اپنے ٹیم لیڈر سے کہا۔

"ایلن! جاپانی چوزہ میرے رحم و کرم پر ہے۔ اگر تم اس فائٹ میں زیر ہونے لگو تو میں پہلے اس لڑکی کا بھیجا اُڑا دوں گا۔ اس کے بعد ٹوبان کی زندگی کا چراغ گل کر دوں گا۔ ہمیں یہی ٹاسک تو دیا گیا ہے۔"

قبل اس کے کہ جاسم اور ایلن کے درمیان خونیں مقابلہ شروع ہوتا، برفانی تودے کے عقب سے ایک سپید کنگ سائز دھنکی ہوئی روئی کا متحرک گولا نمودار ہوا۔ وہ گولا لڑھکنے کے بجائے دوڑ رہا تھا اور یہ دوڑ کسی ریس کے گھوڑے جیسی تھی، تیز رفتار اور ہوا سے باتیں کرتی ہوئی.....!

وہاں موجود چاروں انسانوں کی نگاہیں اسی متحرک گولے پر جمی ہوئی تھیں۔ جاسم اور ساکورا کو یہ سمجھنے میں کسی دقت یا دشواری کا سامنا نہیں ہوا کہ وہ سفید گولا درحقیقت دبّۂ اکبر تھا۔

ڈیرن کو محوِ حیرت پا کر ساکورا حرکت میں آ گئی۔ یہ ڈیرن کی لمحاتی غفلت سے فائدہ اٹھانے کا وقت تھا۔ ساکورا نے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اپنی جان کی پروا کیے بغیر ساکورا نے ڈیرن کی کلائی میں اپنے دانت گاڑ دیے۔

ڈیرن تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ ساکورا پر سے اس کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ ساکورا مرد کی کمزوری سے بہ خوبی کھیلنا جانتی تھی۔ وہ چکنی مچھلی کے مانند پھسل کر ڈیرن سے دور چلی گئی۔

اگلے ہی لمحے چالیس کلو میٹر فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑنے والے پولر بیئر نے ایک طویل زقند لگائی اور ڈیرن کے نزخرے کو اپنے نکیلے، خوں خوار دانتوں والے جبڑے میں دبوچ لیا.....!

حیرت و تجسس کی تہ میں چھپی اس داستان کے باقی واقعات اگلے ماہ پڑھیے

فوکس خالی جیوری باکس میں بیٹھا تھا، اس کی توجہ ڈیلی نیوز اخبار کے ریسنگ پیج اور عدالت میں موجود کرداروں کے درمیان بٹی ہوئی تھی۔ نفیس لباس پہنے ڈیوک کاسال اور SCO رے میک کیفرے وکلاء کی میز کے ایک کونے میں بیٹھے مسلسل ری کمپیل رہے تھے۔

دوسری جانب، پُروقار شیونا اپنے فون پر مصروف تھی۔ جبکہ SCO ہلی ہلیٹر راس کے کندھے کے اوپر جھکا اخبار میں چلتے گانے پر سر دھن رہا تھا۔ دونوں مخالف قانونی ٹیمیں کبھی گیلری کی ریٹنگ کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کرتیں اور کبھی الگ ہو کر وہی رازدارانہ باتیں کرتیں جو وکلاء اس وقت کرتے ہیں جب جیوری ان کے موکل کی قسمت کا فیصلہ سنانے والی ہو۔ گیلری میں تقریباً ایک درجن نوعمر، ستاروں کے دیوانے، خوش قسمت تماشائی موجود تھے جنہوں نے دن کے آغاز میں ہی نشستیں سنبھال لی تھیں اور بے چینی سے اِدھر اُدھر ہل جل رہے تھے۔

اچانک، ایک جھنجھناہٹ سی اٹھی جس نے کمرۂ

سماعت

لبنیٰ خان

کچھ شعبے اور وہاں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مزاج اور طرزِ عمل میں عجیب خشکی در آتی ہے... ایسے ہی ایک کیس کی بیزار کن اور سست روی سے چلتی پیش رفت کا احوال... ہر ایک... مرحلے پر الگ الگ کہانی چل رہی تھی...

عدالتی کمرے سے نکل کے مفاہمت کے زینے طے کرتے کیس کی حقیقت

عدالت کو چونکا دیا۔ ڈیوک اور رے نے اپنے پتے جوڑ لیے، گھبراہٹ میں شیونا کے ہاتھ سے فون گر پڑا اور اس نے بلی کی کلائی تھام لی۔ وکلاء کی چہل قدمی رک گئی۔ گیلری میں سناٹا چھا گیا۔ فوکس وہاں واحد شخص تھا جسے ردِعمل دینا تھا، اس نے پُرسکون انداز میں اخبار بند کیا اور جیوری روم کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

آدھی منزل اوپر، جیوری روم کا دروازہ اتنا کھلا کہ اندر سے ایک ہاتھ لفافہ لیے باہر آیا۔ عدالت میں واپس جانے کے بجائے، فوکس سیدھا رو بنگ روم میں گیا، جہاں جج باڈمن نے جو "یو مرینگ بیٹی" کے نام سے مشہور تھی کیونکہ وہ پل بھر میں موڈ بدل لیتی تھی، اس کے کان میں کچھ کہا۔ اس نے فون پر آتی کال کاٹ دی اور عینک کے اوپر سے غصے بھری نظر ڈالی۔

"جیوری کا نوٹ۔" فوکس نے آہستہ سے کہا۔

جج فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے فوکس کے ہاتھ سے لفافہ لیا اور کھول دیا۔

"وکلاء کو بلا لو۔" اس نے حکم دیا۔

فوکس نے عدالت کا دروازہ کھولا، وکلاء کی نظریں فوراً اس کی جانب اٹھیں۔

چھ وکلاء رو بنگ روم میں داخل ہوئے اور جج کی میز کے سامنے نیم دائرے میں کھڑے ہو گئے۔

"جیوری نے فیصلہ سنا دیا ہے۔" جج باڈمن نے اعلان کیا۔ وہ لمحہ بھر رکی، جیسے الفاظ کا اثر بیٹھنے دینا چاہتی ہو۔ "تو اب فیصلہ تمہارا ہے، کیا تم لوگ اس کیس کی یہ فضولیات ختم کرنے والے ہو یا قسمت آزمانا چاہتے ہو؟"

فوکس کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ چھ ہفتے گزر گئے ہیں۔

جب سب وے اسٹیشن سے نکلتے ہوئے فوکس نے فولی اسکوائر میں غیر معمولی ہلچل دیکھی تھی۔ جولائی کے وسط میں منگل کی ایک صبح، سیاہ سنگ مرمر کے فوارے کے گرد سیٹلائٹ اپ لنکس سے لیس گاڑیوں کا ایک چھوٹا سا عارضی شہر بس گیا تھا۔ رپورٹرز کیمرے کے سامنے کھڑے، صبح کے نیوز اینکرز تک تازہ ترین پیش رفت پہنچا رہے تھے۔

سینٹر اسٹریٹ کے اس پار، عدالت کی سیڑھیوں کے نیچے ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ کئی عدالتی اہلکار دھاتی رکاوٹوں کی حفاظت کر رہے تھے، جو جلدی میں اس لیے نصب کی گئی تھیں کہ بھیڑ کو پیدل کی ریلنگ سے دور رکھا جا سکے۔ وہ ریلنگ جو پیدل چلنے والوں کو عدالت کے برآمدے تک لے جاتی تھی۔ جیسے ہی فوکس قریب پہنچا، ہجوم واضح نظر آنے لگا۔ یہ مکمل طور پر کم عمر لوگوں پر مشتمل تھا، جو پلے کارڈز لہرا رہی تھیں اور ایک ہی نام کا نعرہ لگا رہی تھیں "شیونا۔"

"ڈیوک کا سال اور ایک پاپ گلوکارہ۔" کیٹن کرٹی نے بتایا، جب فوکس سیکیورٹی پوسٹ پر پہنچا جہاں عدالت کے تمام اہلکار دن کے آغاز میں ہی رپورٹ کر چکے تھے۔ "لگتا ہے وہ کبھی مشہور چائلڈ ایکٹر تھا، جو بعد میں ٹیلنٹ منیجر بن گیا۔ اور یہ لڑکی گلوکارہ ہے، جس کے دماغ اتنے کم عمر ہیں کہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے۔ جانتے ہو ان کو؟"

فوکس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے نہ کبھی ڈیوک کا نام سنا تھا اور نہ ہی شیونا کا، اور اگر سنا بھی ہوتا تو اس کے دماغ میں یہ نام کبھی ٹک نہیں پاتے۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، پھر الگ ہو گئے، اور اب ایک ذاتی معاہدے پر کروڑوں کے جھگڑے میں الجھے ہوئے ہیں، جس کی سچائی پر جج کو شک ہے۔" کرٹی نے کہا۔ "ان کے نمائندوں نے ہم سے ٹرائل کے دوران خصوصی سیکیورٹی مانگی ہے۔"

"نمائندوں نے؟" فوکس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، وکلاء، پبلک ریلیشنز فرم والے، ریکارڈنگ کمپنی کے ایگزیکٹوز، اور کنسرٹ پروموٹرز۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے ساتھ ایک اہلکار تعینات کیا جائے، اور اس کے انچارج تم ہو۔"

"کسے تعینات کر رہے ہو؟" فوکس نے پوچھا۔

"صرف دو ہی دستیاب ہیں۔" کرٹی نے جواب دیا۔ "رے میک اور بلی بی۔" پھر اس نے صلیب کا نشان بنایا۔

یہ ملاقات اسی دن ہوئی جب آخری پری ٹرائل کانفرنس تھی۔ یو مرینگ بیٹی نے وکلاء اور فریقین کو رو بنگ روم میں بلایا تاکہ تصفیہ کے امکانات پر بات ہو سکے، جبکہ فوکس اور اس کی ٹیم ڈیوک اور شیونا کے نمائندوں کو جیوری ڈیلیبریشن روم میں لے گئے۔ اگر تصفیہ نہ ہوتا، تو پھر جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے، گراؤنڈ رولز طے کیے جاتے، فیصلے سنائے جاتے اور پروٹوکولز بنائے جاتے۔

ڈیوک اور شیونا دونوں کو عدالت کے اندر اور باہر الگ الگ رکھا جانا تھا۔ ہر صبح اور شام، جب وہ عدالت آتے یا نکلتے، یہ سب عقبی دروازے سے ہونا تھا، جو عام عوام کے لیے مخصوص اوقات میں بند رہتا۔ عدالت کے اندر، دونوں اہلکاروں کو سختی سے ہدایت تھی کہ اپنے دیے گئے فرد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو بس ایک سوال باقی رہ گیا: آخر کون کس کی حفاظت کرے گا؟ فوکس کے سامنے آگے کنواں اور پیچھے کھائی جیسی صورتِ حال تھی۔ یعنی دو برے آپشنز میں سے کسی ایک کو چننے کا کٹھن انتخاب۔ رے کی بے پروائی کا تو یہ حال تھا کہ ایک بار وہ صرف ٹیک ٹاپ، شارکس اور ایک تولیا لے کر اکاپولکو کی ہفتے بھر کی چھٹی پر نکل گیا تھا۔

اس کی رومانوی فتوحات میں وکیل، مدعی، عدالت کے کلرک، دیگر انسران اور..... اگر اس کا دھوبی مانا جائے..... تو کبھی کبھار جج بھی شامل تھے۔ اسے شیونا کے ساتھ تعینات کرنا گویا ہراسانی کے الزامات کو دعوت دینا تھا۔

ہلی بالکل مختلف مزاج کا تھا..... دو بلیوں کے ساتھ اکیلا رہتا، بروکلین کے اپنے محلے سے صرف 4 نمبر کی ٹرین پکڑنے کے لیے لگاتار کہ عدالت پہنچ سکے۔ وہ شاذ و نادر ہی اونچی آواز میں بات کرتا، کبھی لاکر روم کی گپ شپ میں شامل نہ ہوتا، اور مشہور تھا کہ شاید اب تک غیر شادی شدہ ہے۔ اسے ڈیوک کے ساتھ لگانا ایسا تھا جیسے مزاح کے بغیر کوئی کامیڈی شو پیش کرنا۔

خوش قسمتی سے، رے نے خود ہی ڈیوک کے ساتھ جانے کی پیشکش کر دی۔

ہر صبح ٹھیک نو بجے فوکس عقبی دروازے پر رے اور ہلی کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ ڈیوک سب سے پہلے آتا۔ چمکدار کوٹ میں، کالر کھلا، بغیر موزوں کے، بالوں میں جیل لگا کر اور ڈیزائنر چشمہ لگائے، اس انداز میں کہ شکاری سا تاثر بھی دے اور سنجیدہ طالب علم بھی لگے۔ شیونا ہمیشہ اس کے بعد پہنچتی، اور رے اسے عدالت میں لے جاتا۔ کبھی فیشن کے حساب سے دیر سے، اور کبھی اتنی تاخیر سے کہ جج کا پارا چڑھا دے۔

شیونا کا لباس کبھی عام سا ہوتا اور کبھی بالکل ریڈ کارپٹ جیسا پُرتکلف۔ اس کے بال، جو اس کی پہچان تھے، کبھی ایک جیسے نہ ہوتے۔ باریک چوٹیوں کے نفیس ڈیزائن، لمبی وگ یا بھنگے ہلو ڈرائیز۔ وہ ہلی کے پیچھے پیچھے عدالت آتی، اور جتنا آہستہ ہلی چلتا، وہ اس سے بھی زیادہ نرمی سے قدم رکھتی، یہاں تک کہ ہلی بار بار پلٹ کر دیکھتا، جیسے ڈر ہو کہ کہیں وہ غائب نہ ہو جائے۔

یہ منظر پہلے ہی خشک اور بے رنگ تھا جسے فوکس پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ دو درجن ناظرین جو روز عدالت کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھتے، چٹ پٹی کہانیوں اور شوبز پر گپ

نوید عید

چھٹی کلاس تک اردو کے بھاری بھرکم الفاظ سے میری شناسائی کا یہ حال تھا کہ میں "بزلہ سنجی" کو گالی سمجھتا تھا!

ایک محفل میں ایک باریش مولوی انکل نے جب اپنے ہی جیسے ایک متبرک صاحب سے کہا کہ "آپ بڑے بزلہ سنج ہیں" اور وہ جواباً ہاتھا پائی کے بجائے محض مسکرا دیے تو مجھے اس متفکرانہ مسکراہٹ پر برسوں حیرت رہی تاوقتیکہ میں نے چپ چپ کر فیروز اللغات میں "بذلہ سنجی" کا مطلب نہیں دیکھ لیا۔ اور آپس کی بات ہے کہ ایسا ہی شبہ مجھے "عقدہ پیشانی" پر بھی تھا! لیکن "طوائف الملوکی" کے جو لفظ مستی میں سمجھتا تھا، وہ تو میں کسی صورت نہیں بتا سکتا چاہے آپ ان باکس میں آ کر لاکھ اصرار کریں۔

☆ طوائف الملوکی کے اس دور میں میرے تمام بزلہ سنج دوستوں کو عقدہ پیشانی سے عید کا چوتھا دن مبارک ہو!

کراچی سے سیر بدماش کا
مشتاق احمد یوسفی کی تحریر سے ایک انتخاب

انکشاف

دو لڑکیاں آپس میں بہت گہری سہیلیاں تھیں۔ اتفاق سے دونوں مر گئیں۔ ان کی روحیں آپس میں ملیں اور ایک دوسرے سے مرنے کا سبب پوچھنے لگیں۔ پہلی بولی۔

"میں اپنے شوہر پر بہت شک کرتی تھی کہ وہ میری غیر موجودگی میں دوسری لڑکیوں سے ملتا تھا اور مجھ سے چھپ کر فون پر طویل گفتگو کرتا ہے۔ یہی سوچ کر میں ایک دن آفس سے جلدی گھر آ گئی لیکن گھر آ کر دیکھا کہ میرا شوہر بالکل اکیلا بیٹھا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اتنی خوش ہوئی کہ خوشی سے مر گئی۔"

دوسری بولی۔ "کاش! اس وقت تم نے فریج کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو تم مرتیں اور نہ میں مرتی۔"

مری سے سویرا اور میرا کی بھلائی

شپ کے بجائے، ڈارلنگ بریک تک اخبار میں منہ چھپا کر جمائیاں لیتے رہتے۔ خشک حساب دانوں کی گواہیاں، پیچیدہ اسپریڈ شیٹس، اور ایسی مبہم وضاحتیں جنہیں صرف ماہر اکاؤنٹنٹ ہی سمجھ سکتے تھے۔ ثبوت پیش کرنے میں کئی دن لگ گئے، اور جیوری کے غور و فکر میں مزید گھنٹے ضائع ہوئے۔ ہر سیشن کے آغاز پر "یور مریگ بیٹی" وکلاء اور سوکلوں کو ایک طرف لے جا کر کہتی۔ "تم دونوں یہ جیوری ہار رہے ہو۔" مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔

ان دنوں، فوکس کی توجہ رے اور بلی کے ساتھ ڈیوک اور شیونا کی حرکات پر رہتی۔ کئی دن ایک بوسیدہ عدالت میں، ایک بور مقدمے کے بیچ، جب کھانے یا باتھ روم جانے جیسی بنیادی ضروریات پر بھی کنٹرول محدود ہو، تو سب کے اعصاب تن جاتے ہیں۔ ایسے میں، وہ ان دو افراد کے جذبات اور کس کی طرف جھکاؤ رکھتے، جو ان کی حفاظت پر مامور تھے۔ عام حالات میں بھی فوکس نے دیکھا تھا کہ عدالت میں مختلف سطحوں پر رشتے بن جاتے ہیں۔ مدعی اور عملے کے بیچ، جیوری اور عملے کے درمیان، کبھی وکلاء اور عملے کے بیچ۔ زیادہ تر تعلقات عارضی، بے ضرر اور محض ماحول کا فطری ردعمل ہوتے تھے۔

چند ایک معاملات مشکل ضرور بنے تھے، مگر ان میں سے کوئی بھی فوکس کی باقاعدہ ذمے داری نہیں تھا۔

پہلے ہی ہفتے میں، ڈیوک اور رے کی دوستی جگری یاروں جیسی لگنے لگی۔ صبح آتے ہی وہ ایک دوسرے کو ہائی فائیو دیتے، شام کو رخصت کے وقت بھائیوں کی طرح گلے ملتے، اور درمیان میں ایسے پُرجوش انداز میں باتیں کرتے جیسے جنگی داستانیں سنا رہے ہوں۔ جنگ جو شاید زیادہ تر عورتوں کے خلاف ہی لڑی گئی ہو۔

اس کے برعکس، شیونا اور بلی کا آغاز کچھ یوں تھا جیسے دو جھجکتے ہوئے نوعمر لڑکا لڑکی کو زبردستی بلائنڈ ڈیٹ پر بٹھا دیا گیا ہو۔ وہ کم ہی بات کرتے، اور شاذ و نادر ہی نظر ملاتے۔

تیسرے ہفتے کے آغاز میں، دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران، فوکس نے بلی کو ایک خالی دفتر کے باہر بیٹھے دیکھا جو عدالت کے پیچیدہ نقشے میں ایک چھوٹے سے گوشے میں چھپا ہوا تھا۔

"وہ اندر ہے۔" بلی نے کان سے ائیر بڈ نکالتے ہوئے کہا۔ "دوپہر میں تمہاری کھانا کھانا چاہتی تھی۔ میں بکسر اسٹریٹ والے ریسٹورنٹ سے لے آیا ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "اسے یہ بہت پسند ہے۔ بہت زیادہ۔"

اس دن کے بعد، فوکس نے ان دونوں کے درمیان پروان چڑھتے رشتے کی ہلکی ہلکی جھلکیاں دیکھیں۔ ملاقات پر شیونا کی مسکراہٹ میں ایک خاص چمک آتی، اور شام کو رخصت کے وقت بلی کی آنکھوں میں ہلکی سی اداسی تیرتی نظر آتی۔ دوپہر میں، جب فوکس اس خالی دفتر کے پاس سے گزرتا تو بلی کی گارڈ کی کرسی خالی ہوتی، اور اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیتیں۔

چوتھے ہفتے کے آغاز میں، کرنی نے فوکس کو اپنے دفتر میں بلایا۔

"خبریں گردش کر رہی ہیں کہ بلی، شیونا پر فریفتہ ہو گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"کچھ اشارے تو میں نے بھی دیکھے ہیں۔" فوکس نے جواب دیا۔

"یہ بھی سننے میں آ رہا ہے کہ اب تو بات شرمندگی کی حد تک پہنچ گئی ہے۔" کرنی نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ کانوں میں یہ ننھے منے آلات پہنے پھرتا ہے جو شیونا نے اسے تحفے میں دیے تاکہ وہ اس کی موسیقی سن سکے۔ اور اگر کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ ایسا ویسا کہے، تو یہ اس سے لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ سنا ہے لاکر روم میں ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔"

"میں اس سے بات کروں گا۔" فوکس نے کہا۔

اس روز کا اجلاس سہ پہر تین بجے ختم ہونا تھا۔ فوکس نے موقع غنیمت جانا کہ دفتر بند ہونے سے پہلے بلی سے بات کی جائے۔ وہ عدالت کے سامنے پارک میں ملنے پر راضی ہوئے۔ فوکس نے جان بوجھ کر کچھ دیر لگائی تاکہ وہ دور سے بلی کو دیکھ سکے۔ بلی کہنیاں گھٹنوں پر رکھے بینچ پر بیٹھا، ہاتھوں کو یوں حرکت دے رہا تھا، جیسے کسی نادیدہ پھول کے پتے توڑ رہا ہو۔

فوکس اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"مجھے لگتا ہے، تمہارا اور شیونا کا رشتہ آگے بڑھ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"واقعی؟" بلی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کرنی کو بھی ایسا ہی لگتا ہے، اور کئی اور افسران بھی یہی کہتے ہیں۔"

"وہ کمینہ؟" بلی نے کہا۔

فوکس نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"اوکے، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" بلی نے کہا۔ "وہ اچھی خاتون ہے اور اس معاملے میں اکیلی ہے۔ اس کے وکیل ہیں، لیکن وہ اس کے ذاتی وکیل نہیں ہیں۔ اس نے

انہیں نہیں رکھا۔ یہ اس کی ریکارڈ کمپنی نے رکھے ہیں۔ اور ڈیوک، تم جانتے ہو، اس سے برسوں پہلے الگ ہو گیا تھا۔ تو اس کے پاس بات کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے، اس لیے اس نے مجھ پر اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے پاس ٹیلنٹ تھا، ڈیوک کے کچھ تعلقات تو تھے، مگر زیادہ نہیں۔ شروع میں یہ دونوں کے لیے ایک اچھا سودا تھا، لیکن جیسے جیسے وہ مشہور ہوتی گئی، ڈیوک نے کام کم کیا، اور فائدہ زیادہ اٹھایا۔"

فوکس نے کہا۔ "یہ تو بالکل وہ نہیں جو ثبوتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور جو میں نے سُنے ہیں۔"

بلی نے جواب دیا۔ "خیر، وہ مدعی ہے، تو ابھی تک ہم نے صرف اس کی ہی کہانی سنی ہے۔ ذرا انتظار کرو، جب یہ کیس آگے بڑھے گا۔"

اس بات کا بلی پر بالکل اثر نہیں ہوا۔ اگر باریکی سے دیکھا جائے تو اس کی باڈی لینگویج، چہرے کے تاثرات اور جو ایسے شخص کا لگتا تھا، جو شدید جذباتی اُتار چڑھاؤ سے گزر رہا ہو۔ جب بھی عدالت پوری توجہ گواہ کے بیان پر مرکوز کرتی، بلی، شیونا کو اس اعتماد سے دیکھتا جیسے کوئی عاشق اپنی محبوبہ کو دیکھتا ہے۔ اور کبھی، گواہوں کے درمیانی وقفوں میں، وہ ایسے اِدھر اُدھر پھرتا جیسے کوئی گھبرایا ہوا طالب علم ہائی اسکول کی پروم کوئین کے سامنے ہو۔ بلی کی نظریں ہر وقت شیونا پر جمی رہتیں۔ وہ اسے باہر بھیج دیتا کہ جج لے آئے، پھر خود کو دفتر میں بند کر لیتا۔

فوکس کو سمجھ نہیں آتا کہ ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہو سکتی تھیں۔ بلی کے پاس نہ کوئی خاص دلچسپی تھی، نہ شوق، نہ علم، نہ ہی شیونا کی طرز زندگی اور پس منظر سے میل کھاتی شخصیت۔ ایسے اچھے لوگ اکثر کامیاب نہیں ہوتے: اور کبھی تو مکمل طور پر ناکام رہتے ہیں۔ ویسے بھی، شیونا جیسی لڑکیاں اپنی دوستیوں میں مکمل منطقی بھی ہو سکتی ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے جلد یا بدیر، یہ تعلق ایک بُرے انجام تک پہنچے گا۔ اور بلی بُری طرح منہ کے بل گرے گا۔

چھٹے ہفتے کے آغاز میں، بوبر بنگ بیٹی نے بلی، رے اور فوکس کو اپنے کمرے میں بُلایا۔ جیسے ہی وہ اندر گئے، فوکس کو فوراً احساس ہو گیا کہ جج نے یہ ملاقات بس رسمی طور پر رکھی ہے۔

جج نے کہا۔ "میں نے زندگی میں یہ پہلے کبھی نہیں کیا۔ کبھی نہیں۔ لیکن اب میں تنگ آ گئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ان دونوں کے دماغ میں کچھ سمجھ بٹھا دوں۔ یہ کیس ختم ہونا چاہیے۔ انہیں اس کی ضرورت ہے۔ یہ خود بھی یہی

اسما قادری کے سحر انگیز قلم سے

نیا شاہکار

جانباز

امارت کے نشے میں چور..... کمزوروں پر ظلم اور اپنے زیردست لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے والے ظالموں کی خودسری و دیدہ دلیری.....

ظلم کے خلاف سینہ سپر نوجوان کی داستان

اسے اپنی محبت کو حاصل کرنے کا جنون بھی تھا اور مجرموں سے ٹکرانے کا حوصلہ بھی۔

تہلکہ خیز واقعات کا سلسلہ.....

سسپنس کے صفحات پر جلد آ رہا ہے

چاہتے ہیں، لیکن بات بن نہیں رہی۔ تم دونوں نے ان کے ساتھ کسی اور سے زیادہ وقت گزارا ہے، تو بتاؤ، کیا کوئی ایسی بات ہے جو کہہ کر میں ان دونوں پاگلوں کو سیدھا کر سکوں؟"

رے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جج کے پیش لفظ پر ہلکی سی ہنسی ہنس دیا۔ دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا واقعی کوئی بات نہیں ہے؟" جج نے پوچھا۔

"جی، میڈم۔" دونوں نے بیک وقت کہا۔

"کچھ بھی نہیں؟" جج نے دوبارہ پوچھا۔

"جی، میڈم۔"

جج نے میز پر انگلیاں بجائیں اور ان دونوں کو عدالت کی طرف لوٹتے دیکھتی رہی۔ فوکس وہیں رک گیا۔

بوہرنگ بیٹی نے آہستہ سے کہا، "ان پر نظر رکھنا۔ وہ شوخ سا لڑکا، ڈیوک جیسے گھناؤنے شخص کا دوست بن گیا ہے۔ اور وہ کمزور سا لڑکا، صاف ظاہر ہے کہ شیونا پر مرمٹا ہے۔"

☆☆☆

جمعرات کو گواہی مکمل ہوئی، اور بوہرنگ بیٹی نے اگلے دن کے لیے خلاصہ اور حتمی دلائل طے کر دیے۔ تمام فریقین، اور نوعمر تماشائیوں کا ہجوم اس صبح جلدی پہنچ گیا تھا، اور جج نے آخری کوشش کے طور پر معاملہ نمٹانے کی ٹھان لی۔ پہلے اس نے تمام وکیلوں سے ملاقات کی، پھر ڈیوک اور اس کی قانونی ٹیم سے، اور آخر میں شیونا اور اس کے وکیلوں سے۔ فوکس دروازے پر کھڑا رہتا، ایک گروہ کو اندر لاتا اور دوسرے کو باہر بھیج دیتا۔ وہ گفتگو میں شریک نہیں ہوتا، مگر بوہرنگ بیٹی کے چہرے پر بڑھتی جھنجلاہٹ صاف پڑھ سکتا تھا۔ لمبے بوجھل اور طویل ہوتے جا رہے تھے، اور اس کی نظر میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو رہی تھی آخرکار، جب ڈیوک اور اس کے ساتھی تیسری بار کمرے سے نکلے، جج اپنی میز سے اٹھی، گاؤن کی زپ بند کی، اور فوکس سے کہا۔ "جیوری کو بلا دو۔"

دونوں فریقین کے حتمی دلائل اور جیوری کو ہدایات دینے کا عمل ڈیڑھ گھنٹے میں مکمل ہوا۔ فوکس نے جیوری کو مشاورت کے کمرے تک پہنچایا، ضروری ہدایات دیں، دوپہر کے کھانے کے آرڈر لیے، اور انہیں بزر سے متعارف کرایا جو فیصلہ نہ آنے تک باہر کی دنیا سے رابطے کا واحد ذریعہ تھا۔

عدالت میں لوگ طویل انتظار کے لیے بیٹھ گئے۔ بلی، شیونا کے کندھے سے لگا بیٹھا تھا، کانوں میں انٹرپڈز لگائے سر ہلاتا جا رہا تھا، اور آنکھیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ فوکس نے نظریں ہٹانے کی کوشش کی۔ خالف میز کے کونے پر ڈیوک نے تاش کا ڈیک نکالا اور رے کے ساتھ رمی کھیلنے لگا، مگر دونوں کو کھیل میں خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وکیل الگ الگ جھرمٹ بنا کر بیٹھے تھے۔ کبھی کبھار جج کمرے سے جھانکتی، اس امید کے ساتھ کہ شاید فریقین میں کچھ بات چیت ہو رہی ہو۔ مگر ہر بار مایوس لوٹتی۔

دو بج کر پینتالیس منٹ پر بزر بج اٹھا۔

فوکس نے ایسا منظر پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ مین ہیٹن سپریم کورٹ میں دائر تیس ہزار سے زائد مقدمات میں سے صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہی ٹرائل تک پہنچتا تھا، اور ان میں سے بھی بہت کم فیصلے تک جاتے تھے۔ زیادہ تر میں ٹھنڈے دماغ حاوی ہو جاتے، چاہے چند دن کے ٹرائل نے وکیلوں کی فیس بڑھا دی ہو یا جیوری کے سامنے فریقین کو اندازہ ہو گیا ہو کہ ان کا کیس کمزور ہے۔

اور یوں، ڈیوک کا سال اور شیونا کا ملین ڈالر کا مقدمہ بھی اسی انجام کو پہنچا۔ جج کے بنچ پر اعلان کرنے سے پہلے ہی، وکیلوں نے رو بنگ روم کا دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"ہم نے تصفیہ کر لیا ہے!"

رو بنگ روم لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ بوہرنگ بیٹی، ڈیوک، شیونا، ان کے چھ وکیل، عدالت کا اسٹینوگرافر، اور ضابطے کے تحت موجود فوکس۔ تصفیے کی شرائط خفیہ رکھنے پر اتفاق ہوا، اور صاف الفاظ میں یہ طے ہوا کہ نہ ڈیوک اور نہ شیونا ان شرائط کو اپنی ٹیم کے سوا کسی کو بتا سکیں گے۔ فوکس کے اندازے کے مطابق، کوئی بھی معاہدے کی قانونی حیثیت کو چیلنج نہیں کرے گا۔ مگر تنازع ختم کرنے کے لیے، ڈیوک اپنا دعویٰ واپس لے گا اور شیونا کو اس کے کاؤنٹر کلیم کا طے شدہ حصہ ادا کرے گا، جو کل ملا کر چار ملین ڈالرز بنتے تھے۔

جب تصفیہ باضابطہ طور پر عدالت کے ریکارڈ میں درج ہو گیا تو جج نے جیوری کو شکریہ کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وکیلوں نے اپنے مقدمے کے بیگ سمیٹے اور راہداری کی طرف نکل آئے۔ ڈیوک اور شیونا نے ٹھنڈے انداز میں ہاتھ ملایا۔ فوکس پچھلے دروازے پر آخری ملاقات کے لیے آگے بڑھا۔ ڈیوک، رے اور فوکس نے زور سے گلے ملتے ہوئے پیٹھ پر تھپکیاں دیں۔ شیونا اور بلی نے گرمجوشی سے گال سے گال ملا کر ایک حقیقی بوسہ دیا۔ آخر میں، بلی نے اپنے انٹرپڈز نکال کر شیونا کے حوالے کر دیے۔

فوکس نے اس آخری تبادلے میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو اسے پریشان کرتی، لیکن اگلی صبح تین بجے وہ

اچانک جاگ اٹھا۔

صبح وہ معمول سے جلدی عدالت پہنچا اور سیدھا "بومرینگ بیٹی" کے جیوری روم میں داخل ہوا۔ اسے پوری طرح معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے، مگر جب اس نے ایک شیلف کے نیچے سے چمکتی ہوئی چاندی کی ڈسک نکالی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کے ہاتھ کچھ اہم لگ چکا ہے۔

"یہ کہاں سے ملی؟" ایم آئی ایس ڈیپارٹمنٹ کے لیکیشن نے پوچھا۔

"ایک دوست کو ملی تھی۔" فوکس نے جھوٹ بولا، "اپنے اپارٹمنٹ میں۔"

"تمہارا دوست گمرانی میں ہے؟" لیکیشن نے طنزیہ انداز میں کہا۔

فوکس نے کندھے اچکائے۔ "اس کی ریچ کتنی ہوگی، کچھ اندازہ ہے؟"

لیکیشن نے جواب دیا۔ "اتنی کہ میں اسے اپنے گھر میں کبھی نہیں رکھوں گا۔"

فوکس نے کئی ہفتے یہ دریافت اپنے تک رکھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ معلومات ڈسٹرکٹ اٹارنی کو شیونا اور ملی کے خلاف جیوری کے ساتھ دھوکا دہی یا عدالتی عمل میں مداخلت کے مقدمے کے لیے کافی مواد فراہم کر سکتی ہیں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کیا یہ سب واقعی کرنے کے لائق تھا؟ جیسا کہ بومرینگ بیٹی نے جیوری کو سمجھایا تھا، مقدمے کے فریق اکثر تصفیے سے خوش نہیں ہوتے، مگر یہی وہ قیمت ہے جو انہیں اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کے لیے چکانی پڑتی ہے۔ ورنہ فیصلہ اپیل کورٹ کی مرضی اور اختیار پر چھوڑنا پڑتا ہے۔

شاید فوکس یہ سب بھلا دیتا اگر کرنی نے اسے ملی کی خبر نہ دی ہوتی۔

"ملی نے کل ریٹائرمنٹ کے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔" کرنی نے بتایا۔ "اپنا لاکر خالی کر رہا ہے۔ تم چاہو تو جا کر بات کر لو، لیکن جلدی کرنا۔"

فوکس لابی سے نکل کر سڑک پر آیا۔ سڑک پر لوگوں کا ہجوم تھا، ٹریفک رینگ رہی تھی۔ سڑک کے پار، فٹ پاتھ کے کنارے ملی ایک بینچ پر بیٹھا تھا، بینچ پر ایک سوٹ کیس رکھا تھا۔ وہ گہری سوچ میں دور خلا کو دیکھ رہا تھا جب فوکس نے چلا کر اسے ہائے کہا۔

"شیونا نے مجھے اٹرنی ڈے دیے تاکہ میں بریک میں اس کا میوزک سن سکوں۔" ملی نے کہا۔ "میرے ٹائپ کا تو نہیں تھا، مگر اچھا لگا۔"

فوکس نے جیب سے وہ بگ نکال کر بینچ پر رکھ دیا۔

"اوہ....." ملی کے منہ سے نکلا۔

چند لمحے دونوں خاموش بیٹھے ٹریفک کی آوازیں سنتے رہے۔

"یہ اس کا آئیڈیا تھا، مگر کام مجھ سے کروایا۔ پہلے کہا کہ یہ بگ جیوری روم میں چھپا دو۔" ملی نے بگ کو اچھال کر دوبارہ پکڑا۔ "پھر اٹرنی ڈے دے کر کہا کہ کان لگا کر سنو تاکہ تم جیوری کی باتیں سمجھ سکو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اصل میں وہ یہ نہیں سننا چاہتی تھی کہ جیوری اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے۔" ملی نے کہا۔

"اور یہ دانشمندی تھی۔ کیونکہ جیوری دونوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتی تھی۔ ان کے خیال میں ڈیوک عورتوں سے نفرت کرنے والا مردانہ برتری کا قائل شخص تھا۔"

"اور وہ؟"

ملی نے سر اٹھا کر فوکس کی طرف دیکھا۔ "لیکن یہ سب جیوری کی بحث میں شامل ہی نہیں ہوا۔"

"سب سے پہلے انہوں نے معاہدہ کالعدم کر دیا، پھر دونوں کے دعوے اور جوابی دعوے رد کر دیے۔ وہ بارہ ملین کی امید کر رہی تھی، لیکن جو میں نے سنا اس نے اسے قائل کر دیا کہ ڈیوک کے پیش کردہ چار ملین پر سمجھوتا کر لے۔"

"اور اب؟" فوکس نے پوچھا۔

"اس کا کولوراڈو میں ایک گھر ہے۔" ملی نے کہا۔ "سوچ بھی نہیں سکتا وہاں سب کیسا ہوگا، لیکن اب پتا چل جائے گا۔"

فوکس نے ملی کے سوٹ کیس کو پاؤں سے ہلایا۔

"یہی سب لے جا رہے ہو؟"

"میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" ملی نے جواب دیا۔

"وہ تمہیں کس وقت لینے آ رہی ہے؟"

"ایک گھنٹا پہلے۔" ملی نے کہا۔ "لیکن تمہیں تو یاد ہے نا، وہ ہمیشہ عدالت دیر سے پہنچتی تھی۔"

دونوں نے ہاتھ ملایا، ایک دوسرے کو نیک خواہشات دیں اور الوداع کہا۔ فوکس نے سڑک پار کی اور زینے چڑھ کر برآمدے تک آیا۔ اوپر پہنچ کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سیاہ کار ملی کے بینچ کے سامنے آ کر رکی۔ ملی سوٹ کیس اٹھا کر ڈرائیور کی کھڑکی کی طرف جھکا، چند باتیں کیں، پھر کار آگے بڑھ گئی اور شہر کی بھیڑ میں گم ہو گئی۔ ملی دوبارہ بینچ پر بیٹھ گیا اور سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

❖ ❖ ❖

آتشِ خاموش

مظہر سلیم ہاشمی

جب کہنہ صفت دشمن چھپ کر وار کرنے لگے... جب منافقت کی آندھیاں وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے لگیں... تو کچھ خاموش مجاہد شعلوں کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں... یہ آتشِ خاموش ایسا استعارہ ہے جو انتقام اور انصاف کی دھندلی لکیر پر چلتے ہوئے... خون اور بارود کی بُو میں مٹی کی آبرو بچاتی ہے... یہ محض تیر و تفنگ کا معرکہ نہیں... بلکہ حُبّ الوطنی کے اس بے لوث جذبے کی نوید ہے جو تاریخ کے اوراق میں تو بے نام رہتا ہے... لیکن قوم کے دلوں میں ہمیشہ دھڑکتا رہتا ہے... اَن دیکھے محاذوں اور گمنام قربانیوں کا وہ نوحہ جہاں دشمن سرحد پار سے نہیں... بلکہ آستین کے بُزدِل اندھیروں اور تقدس کے لبادوں کی آڑ سے وار کرتا ہے...

دشمن کی سازشوں کے خلاف سینہ سپر ہو جانے والے شاہینوں کی بلند پروازی

کشمیر کے برف پوش پہاڑوں کے اوپر آسمان اتنا نیلا تھا کہ گمان ہوتا تھا جیسے کسی نے سنگِ لاجورد کا سفوف بنا کر چھڑک دیا ہو۔

فضا میں ایسی خاموشی چھائی تھی جیسے طوفان کی آمد سے قبل ہوتی ہے۔ اچانک اس سکوت کو توڑنے کے لیے فضاؤں میں ایک ایسی گونج پیدا ہوئی جس نے پرندوں کو بھی سہم جانے پر مجبور کر دیا۔

اسکواڈرن لیڈر سمیر احمد کے جے ایف۔ 17 تھنڈر کا انجن ایک غصیلی شیرنی کی طرح دہاڑ رہا تھا۔ کاک پٹ کے اندر، سمیر کی سانسیں آکسیجن ماسک کے ذریعے ایک باقاعدہ ترتیب سے چل رہی تھیں۔ اس کی نظریں سامنے لگے "ہیڈ اَپ ڈسپلے" پر جمی ہوئی تھیں جہاں سبز لکیریں اور ہندسے تیزی سے بدل رہے تھے۔

"فیلکن ون! ہوم بیس کالنگ..... دشمن کے دو 'رائیل' طیارے لائن آف کنٹرول عبور کر چکے ہیں۔ وہ سیکٹر 4 کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کیا آپ پوزیشن میں ہیں؟ اوور۔" گراؤنڈ کنٹرولر کی آواز میں تناؤ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

سمیر نے جوائس اسٹک پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ "ہوم بیس، یہ فیلکن ون ہے۔ میں نے ہدف کو ریڈار پر لاک کر لیا ہے۔ انگیج کر رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں آہن و سنگ جیسی مضبوطی تھی۔

سمیر کا ونگ مین فلائٹ لیفٹیننٹ راشد، اس کے دائیں جانب کچھ فاصلے پر آڑ رہا تھا۔ وہ بھی ایک جے ایف۔ 17 تھنڈر کو پائلٹ کر رہا تھا۔

"سر! وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" راشد کی آواز ہیلمٹ کے اندر گونجی۔

"گھبرانا نہیں راشد۔ بس میرے پیچھے رہو اور اپنی پوزیشن برقرار رکھنا۔ آج ہم انہیں بتائیں گے کہ یہ آسمان کس کی ملکیت ہے۔" سمیر کے لہجے میں ایک عجیب سی خود اعتمادی اور ٹھہراؤ تھا۔

دشمن کے طیارے بہت تیزی سے قریب آتے جا

رہے تھے۔ ان کا ٹارگٹ پاک فضائیہ کی ائربیس تھی۔
اچانک سمیر کے کانوں میں خطرے کا الارم بجا۔
"بیپ..... بیپ..... بیپ!" دشمن نے میزائل لاک کر دیا تھا۔
"میزائل اِن باؤنڈ" راشد چیخا اور دشمن کا میزائل فائر ہونے پر سمیر کو آگاہ کیا۔
سمیر نے پلک جھپکتے ہی طیارے کو 90 ڈگری کے زاویے پر موڑا۔ جی۔ فورس کے دباؤ سے اس کا جسم سیٹ میں دھنس گیا اور چہرہ کھنچ کر رہ گیا لیکن اس کے ہاتھ اور دماغ کسی مشین کی طرح کام کر رہے تھے۔ اس نے فلیئرز چھوڑے تاکہ میزائل کا رخ بھٹکا سکے..... ایک زوردار دھماکا ہوا اور جے ایف 17۔ تھنڈر لرز کر رہ گیا۔
میزائل سمیر کے طیارے کے قریب سے گزر کر فضا میں ہی پھٹ گیا تھا۔ اپنی پوری جنگی مہارت کو استعمال کرنے کے بعد ہی وہ اس جان لیوا حملے سے بچ پایا تھا۔
"اب میری باری ہے....." سمیر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
اس نے اپنے طیارے کو ایک خطرناک 'لوپ' میں ڈالا اور پوری طرح گھوم کر دشمن کے رائفل کے عین پیچھے آ گیا۔
ریڈار پر سرخ دائرہ بن گیا اور ایک مسلسل ٹون ٹون کی آواز سنائی دینے لگی۔
"دشمن نشانے پر آ چکا تھا....." سمیر نے بھرتی سے بُن دبایا۔
اس کے طیارے کے بازو سے ایک پی ایل۔ 15 میزائل نکلا اور آگ کا ٹریل بناتا ہوا دشمن کی طرف لپکا۔ دشمن اپنے حواس کھو چکا تھا۔ سمیر کی بھرتی اور اس کے تھنڈر کی برق رفتاری نے دشمن کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔
ایک زوردار دھماکا ہوا اور مشہور زمانہ ناقابلِ شکست رائفل پہلی بار دورانِ جنگ ہٹ ہو چکا تھا۔
"اللہ اکبر....." ونگ مین فلائٹ لیفٹیننٹ راشد کی جذبات سے بھرپور آواز سمیر کے کانوں میں گونجی۔ اس نے دل میں رب کا شکر ادا کیا لیکن کوئی جواب دینے سے گریز کیا۔
چند سیکنڈز بعد ہی بادلوں کے درمیان ایک بڑا آگ کا گولا نمودار ہوا۔ دشمن کا طیارہ ملبے کی صورت میں نیچے گر رہا تھا۔ فضا سے زمین تک پہنچنے میں چند لمحے ہی لگے اور ایک پہاڑی کے دامن سے ٹکرایا تو زوردار دھماکا ہوا۔ اس دوران پائلٹ کو نکلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا، وہ اپنے طیارے کے ساتھ ہی نابود ہو چکا تھا۔
دوسرے رائفل طیارے کا پائلٹ یہ دیکھ کر بُری طرح

بوکھلا گیا اور پیچھے مڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ سمیر نے اسے بھی بائنکل موقع نہ دیا۔ یہ مختصر مگر شدید فضائی جھڑپ تاریخ کا حصہ بننے جارہی تھی۔

سمیر نے کمال مہارت سے دوسرے طیارے کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ ونگ کمانڈر فائٹ لیفٹیننٹ راشد بھی اس کے ساتھ تھا۔

لمحوں کا کھیل تھا اور رائفل لائن آف کنٹرول عبور کرنے سے کچھ ہی دور تھا۔ سمیر نے ہدف کو لاک کیا اور تیزی سے بٹن دبا کر میزائل فائر کردیا۔

بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی کے مصداق میزائل نے رائفل کی دم کو ہٹ کیا۔ طیارہ قابو سے باہر ہو کر چکرانے لگا۔ پائلٹ نے قیمتی طیارے کو بچانے کے بجائے اپنی جان بچانے کو ترجیح دی اور بٹن دبا کر ایجکٹ کرگیا۔ اس کے بعد اس کا رائفل کسی شتر بے مہار کی طرح ناک کی سیدھ میں گرتا ہی چلا گیا۔

جب سمیر اپنے ائربیس پر واپس اترا تو گراؤنڈ عملے نے اسے ہیرو کی طرح خوش آمدید کہا۔ طیارے سے اترتے ہوئے سمیر نے اپنا ہیلمٹ اتارا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ تھا لیکن آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو صرف ان لوگوں میں ہوتی ہے جو موت کو چھو کر واپس آتے ہیں۔

سمیر کا بہترین دوست اور جگری یار ونگ کمانڈر علی خان وہیں رن وے کے ایک کونے میں کھڑا تالیاں بجا رہا تھا۔

"یار سمیر! تم نے تو آج حد کردی۔ انڈین ائرفورس کے پائلٹس اب تمہارے نام سے بھی ڈریں گے۔" علی نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"دشمن پر دہشت برقرار رہے تو وہ وار کرنے سے قبل دس بار ضرور سوچتا ہے؟"

"جب سے ان کے پاس رائفل آئے ہیں، ان کی ہمت بہت بڑھ گئی ہے۔ آج قتل ہوئے ہیں تو یقیناً یہ سبق یاد رکھیں گے۔"

سمیر نے مسکرا کر سامنے بچھے پہاڑوں کی طرف دیکھا۔

"علی، میں نے صرف اپنا فرض نبھایا ہے لیکن یاد رکھنا، جنگیں صرف آسمانوں میں نہیں لڑی جاتیں۔ کبھی کبھی دشمن اس وقت حملہ کرتا ہے جب آپ زمین پر ہوتے ہیں اور آپ کے پاس دفاع کے لیے کوئی ڈھال نہیں ہوتی۔"

علی اس کی بات سن کر خاموش ہوگیا۔ گزشتہ شب دشمن نے رات کے اندھیرے میں کینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی مدرسوں، مساجد اور شہری آبادیوں پر میزائل حملے کیے تھے۔ ان کے پاس کوئی ڈھال نہیں تھی لیکن پاک فوج کی جوابی کارروائی نے دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اس دوران دشمن کے حملہ آور طیاروں میں سے تین پاک فضائیہ کے شاہینوں نے مار گرائے تھے۔

دشمن باز نہیں آیا تھا لیکن آج کے تازہ ایڈونچر میں فرانس کے تیار کردہ دنیا بھر میں ناقابلِ شکست مشہور، دو رائفل طیارے گروا کر دشمن نے جو اپنا نقصان کیا تھا، اس کی تلافی ہرگز آسان نہ تھی۔

☆☆☆

ہیڈ کوارٹر میں مسلسل سائرن بج رہے تھے۔

دشمن نے اپنے طیاروں کی ہزیمت کا بدلہ اتارنے کے لیے بیک وقت کئی محاذ یکلخت ہی کھول لیے تھے۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ پاک فضائیہ کی موجودگی میں وہ کوئی بھی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کرپائیں گے اس لیے پاکستان کی نو مختلف ائربیس کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان میں کچھ کمرشل اور پرائیویٹ رن وے بھی شامل تھے جنہیں بے وقوف بھارتی میڈیا نے پاک فوج کے اثاثے شمار کیے تھا۔

کئی میزائلوں کو کامیابی سے انٹرسیپٹ کیا گیا اور زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی انہیں مار گرایا گیا تھا لیکن پھر بھی تین ائربیس پر پاکستان ائرفورس کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

"ہمیں کب اجازت ملے گی؟" علی کا خون کھول رہا تھا۔

"ہم ڈیفنس کر رہے تھے لیکن عالمی طاقتوں کا واضح طور پر جھکاؤ دشمن کی طرف ہے۔" سمیر کے لہجے میں بھی تاسف تھا۔ "ہائی کمانڈ نے اب تک ہمیں حملہ کرنے سے روکا ہوا ہے تو یقیناً ان کے پاس کوئی بہتر وجہ ہوگی۔"

علی نے کوئی جواب نہ دیا اور تیزی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ شدتِ جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

وہ کیا بلکہ ہر محبُ الوطن پاکستانی کا دل اس وقت بھارت کی جارحیت پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ عوامی سطح پر جذبات یہ تھے کہ براہِ راست ہی بھارت پر ایٹم بم گرا کر اسے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کردیا جائے۔

رات گئے ہی یہ فیصلہ ہوگیا تھا کہ بھارت کو جواب دیا جائے گا اور اس کی زبان میں ہی دیا جائے گا۔ انہی سکوں میں اسے ادائیگی کی جائے گی جو اسے سمجھ آتے تھے۔

سمیر اور علی کی خوشی دیدنی تھی۔ دونوں کو ہی بھارت کے اہم اسٹریٹجک مقامات کو ہدف بنانے کا ٹاسک ملا تھا۔

دشمن کی طرح رات کے اندھیرے میں وار کرنے کے بجائے پاک آرمی نے اپنے مشن کا آغاز نمازِ فجر کے بعد کیا۔ نعرہ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی اور پھر سارے عالم نے

نظارہ دیکھا کہ ایک کے بعد ایک پاکستانی میزائل بھارتی فوج کی چھاؤنیوں اور اسلحہ ڈپو پر گرنے لگے تھے۔

"ٹیکن ون ہیئر....." سمیر نے اپنے جے ایف 17 تھنڈر کے کاک پٹ سے کہا۔ "ہوم ٹیس..... ایسا لگتا ہے کہ ہمارے جہازوں کے خوف سے پوری بھارتی فضائیہ کو انڈر گراؤنڈ کر دیا گیا ہے۔"

اس کا طیارہ اس وقت مقبوضہ جموں و کشمیر میں بھارتی چھاؤنیوں کے اوپر گردش کر رہا تھا۔ دور دور تک کوئی مقابل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے ٹارگٹ تک پہنچ گیا..... ادھم پور میں روسی ساختہ ائر ڈیفنس سسٹم کے سارے یونٹس موجود تھے۔ اس ایس 400 کی وجہ سے پاکستانی میزائل اس طرح سے کام نہیں کر پا رہے تھے جیسے انہیں تباہی پھیلانی چاہیے تھی۔ سمیر نے اس جدید سسٹم کو نشانہ بنایا اور ایک ساتھ کئی میزائل نکلے اور ہدف کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

ونگ کمانڈر علی خان کو زیادہ مشکل ٹارگٹ ملا تھا..... وہ اس وقت اپنے جے سی 10 فائٹر جیٹ پر بھارتی پنجاب میں داخل ہو چکا تھا۔

"ایگل ون اسٹینڈنگ....." علی نے کہا۔ "کوئی مقابل نہیں ہے۔ اٹیکنگ ٹارگٹ۔"

یہاں بھی وہی صورتِ حال تھی کہ پاک آرمی کی جوابی کارروائی کے بعد دشمن کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ تمام طیارے انڈر گراؤنڈ تھے کیونکہ بھارت مزید رافیل گروانے کی سکت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پٹھان کوٹ ائربیس کے قریب ہی تعینات دوسرے ایس 400 کو علی نے نشانہ بنایا اور جدید پی ایل 15 میزائل فائر کر دیے۔ ائر ڈیفنس سسٹم کا لانچر تو محفوظ رہا تھا لیکن وہ اس کی بیٹری کو تباہ کرنے میں کامیاب رہا۔ بھارت کا ایک اور مہنگا سسٹم لمبے عرصے کے لیے ناکارہ ہو چکا تھا۔ اب پاکستانی میزائلوں کو روکنے کے لیے اس علاقے میں کوئی ڈیفنس سسٹم باقی نہیں رہا تھا۔

"اٹیکنگ سیکنڈ ٹارگٹ....." علی کی آواز کاک پٹ میں گونجی۔

وہ اس وقت دریائے بیاس کے ایک بیڑ کے اوپر پرواز کر رہا تھا جہاں سے دریا کا رخ موڑ کر بھارت اپنی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اور پاکستانی زمینیں خشک ہوتی جا رہی تھیں۔

"ٹارگٹ اچیوڈ....." علی نے کہا اور مُڑ دبا دیا۔ ایک ساتھ کئی میزائل طیارے سے نکلے اور بھارتی براس میزائل کا ایک اسٹوریج سینٹر تباہ ہو گیا۔

"ٹارگٹ اچیوڈ....." علی نے کہا اور مُڑ دبا دیا۔ ایک ساتھ کئی میزائل طیارے سے نکلے اور بھارتی براس میزائل کا ایک اسٹوریج سینٹر تباہ ہو گیا۔

"ٹارگٹ اچیوڈ....." علی نے کہا تو اس کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ تھی اور ہاتھ و دماغ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ وہ اب واپسی کے لیے روانہ ہو چکا تھا لیکن ایک ایسا کام کر لے جا رہا تھا جو اسے ٹاسک میں نہیں ملا تھا۔

پاکستانی سرحد کے قریب ہی انگلروں کی ٹیکٹری تھی جس کے بارے میں شنید تھی کہ وہاں ایسا اسلحہ تیار ہوتا تھا جو بعد میں پاکستان کے اندر دہشت گردی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

بھارتی حکومت وہاں ایسی کسی بھی ٹیکٹری کے وجود سے انکاری تھی اور پاکستان کی جانب سے دہشت گردی کے ثبوت پیش کیے جانے کے باوجود کان نہیں دھرتی تھی۔ علی نے یہ نکتا بھی نشانہ دینے کا فیصلہ کیا..... اس نے ٹارگٹ کو لاک کیا اور بے پناہ تباہی پھیلانے والے جدید میزائل فائر کر دیے۔

کان پھاڑ دھماکوں سے فضا گونج اٹھی تھی..... صرف میزائلوں کے دھماکے نہیں تھے بلکہ ٹیکٹری میں تیار ہونے والا اسلحہ اور بارود بھی پھٹ پڑا تھا۔ شعلے آسمان تک بلند ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

"خس کم جہاں پاک....." علی نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا اور اس کا جے ایف 10 پاکستان کی فضاؤں میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

جنگ کے بادل چھٹ چکے تھے، لیکن فضا میں ابھی بھی بارود کی بُو اور فتح کی سرگوشیاں باقی تھیں۔ اسکواڈرن لیڈر سمیر احمد کے لیے... جنگ کے بعد یہ چند ماہ کسی خواب سے کم نہ تھے۔ اسے 'تمغۂ جرأت' سے نوازا گیا تھا۔ اخبار اور نیوز چینل اس کی تصویروں سے بھرے ہوئے تھے اور سوشل میڈیا پر اسے "قوم کا محافظ" قرار دیا گیا تھا۔

سمیر جو پاکستان کی مٹی اور آسمان کا بیٹا تھا، اس چمک دمک سے دور رہنا چاہتا تھا۔

ائر فورس آفیسرز میس کے لان میں بیٹھے علی نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور سمیر کی طرف غور سے دیکھا جو دور افق پر اُڑتے ایک تربیتی طیارے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔

"سمیر! تم یہاں ہو اور پورا ملک تمہارے قصیدے پڑھ رہا ہے۔ مارشل آرٹس کی کلاس ہو یا ائر فورس کی اکیڈمی..... ہر بچہ، ہر جوان سمیر احمد بننا چاہتا ہے۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری کارکردگی بھی میرے کھاتے میں ڈال دی گئی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" ائر فورس نے صرف سمیر کو سامنے لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وجہ سے رافیل طیاروں کی

تباہی کے بعد بھارت میں ائر ڈیفنس سسٹم کو تباہ کرنے کا سہرا بھی اس کے سر باندھ دیا گیا تھا۔

تم کرو یا میں کروں کیا فرق پڑتا ہے؟" علی نے بے پروائی سے کہا۔ "مجھے میرا حصہ جرأت مل چکا ہے تم بس شہرت انجوائے کرو۔"

سمیر نے نظریں طیارے سے ہٹا کر اپنے دوست پر جمائیں۔ "علی، شہرت ایک ایسا بوجھ ہے جسے اٹھانا طیارے کے کاک پٹ میں جی۔فورس برداشت کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ میں صرف ایک سپاہی ہوں، کوئی فلمی ستارہ نہیں ہوں۔"

"سپاہی تو ہو تم ..... لیکن اب تم ایک سمبل بن چکے ہو..... پاکستان کی بھارت پر فتح کی علامت۔" علی کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔ "اسی لیے شاید اوپر بیٹھے لوگ تمہاری اس شہرت کو کسی بڑے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔"

"مطلب؟" سمیر نے بھویں سکیڑیں۔

"مطلب یہ کہ تمہیں ایک خصوصی اسائنمنٹ دی جا رہی ہے۔ یہ جنگی مشن نہیں ہے لیکن اس کی اہمیت کسی جنگ سے کم نہیں۔"

"یعنی تم کچھ نہیں بتاؤ گے....." سمیر نے کہا تو علی بس مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن، سمیر کو ائر کموڈور کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ وہاں کی فضا میں ایک خاص قسم کا سکوت تھا۔ میز کے دوسری طرف ائر کموڈور شاہد کاظمی بیٹھے تھے اور ان کے سامنے کچھ فائلیں کھلی تھیں۔

"بیٹھو سمیر....." انہوں نے اشارہ کیا۔ "تمہاری خدمات کا ملک معترف ہے۔ اب حکومت پاکستان چاہتی ہے کہ تم ایک انتہائی حساس اور اہم شخصیت کے فضائی سفر کی ذمے داری سنبھالو۔"

"سر، میں ایک فائٹر پائلٹ ہوں۔" سمیر نے حیرت سے پوچھا۔ "وی آئی پی موومنٹ کے لیے تو ہمارے پاس الگ سے دستہ موجود ہے۔"

کموڈور نے گہرا سانس لیا۔ "بات شخصیت کی ہے۔ مولانا احتشام الدین۔ تم جانتے ہو وہ کون ہیں۔ ان کی سیکیورٹی ہماری اولین ترجیح ہے۔ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ریاست کے سب سے بڑے اور دبنگ حامی ہیں۔ انہوں نے خود مطالبہ کیا ہے کہ ان کے نئے فلائی جیٹ اور ہیلی کاپٹر کے پائلٹ تم ہو کیونکہ وہ صرف تم پر بھروسا کر سکتے ہیں۔"

سمیر کے ذہن میں ایک جھٹکا سا لگا۔

"مولانا احتشام الدین؟ وہ بااثر مذہبی رہنما جن کی ایک آواز پر لاکھوں لوگ سڑکوں پر آ جاتے تھے؟ وہ شخص جو ملی یکجہتی پر امن کی تبلیغ کرتا تھا؟ وہ اس سے کیسے واقف ہوا اور اتنا بڑا مطالبہ اس نے نہ صرف کر دیا بلکہ حکومت اس مطالبے کو تسلیم بھی کرنا چاہتی ہے۔" سوچیں اس کے دماغ میں سمندر کی موجوں کی طرح رواں ہو گئی تھیں۔

"سر، اگر یہ حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔" سمیر نے سپاہیانہ انداز میں جواب دیا۔

اگرچہ اس کے اندر کا پائلٹ کسی حویلین طیارے کی نشست پر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا بلکہ بادلوں میں اڑنا چاہتا تھا پھر بھی اس نے ڈیوٹی کو فوقیت دی تھی۔

تین دن بعد ہی وہ مولانا احتشام کی رہائش گاہ پر موجود تھا۔ یہ اسلام آباد کے مضافات میں واقع ایک عظیم الشان محل نما گھر تھا جہاں سیکیورٹی کے سخت پہرے تھے۔ سمیر جب وہاں پہنچا تو اسے سیدھا ایک پُروقار لائبریری میں لے جایا گیا، جہاں عود اور صندل کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

مولانا احتشام ایک صوفے پر بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے۔ سمیر کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر ایک شفقت بھری مسکراہٹ آ گئی۔ وہ کھڑے ہوئے اور سمیر کو گلے لگا لیا۔

"خوش آمدید، غازیِ اسلام! آپ کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔" مولانا کی آواز ریشم کی طرح نرم لیکن اثر انگیز تھی۔

"شکریہ مولانا صاحب۔" سمیر نے مختصر جواب دیا۔

"آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ مجھ جیسے گوشہ نشین کو آپ جیسے شیر کی ضرورت کیوں پڑی؟" مولانا نے چائے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "سمیر صاحب، دشمن صرف سرحد پار نہیں، سرحد کے اندر بھی ہے۔ میں ملک بھر میں امن کا پیغام لے کر جانا چاہتا ہوں لیکن میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھے ایک ایسا ساتھی چاہیے جو نہ صرف فضاؤں کا ماہر ہو بلکہ جس کا دل حُبُّ الوطنی سے لبریز ہو۔"

سمیر نے غور کیا کہ مولانا کی آنکھیں بہت گہری تھیں۔ وہ مسکرا رہے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں ایک سرد مہری بسی ہوئی تھی۔

"میں اپنا فرض پوری ایمانداری سے نبھاؤں گا۔" سمیر نے خوش دلی سے کہا۔

"مجھے پورا یقین ہے....." مولانا نے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اگلے ہفتے شمالی علاقہ جات اور پھر کچھ سرحدی علاقوں کا دورہ کرنا ہے۔ یہ سفر پاکستان کی تاریخ بدل دے گا۔"

جب سمیر اس کمرے سے نکلا، تو اسے ایک عجیب سا

بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی بہت بڑے مقصد کا حصہ بننے جا رہا ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ مقصد کس کا ہے؟

"کیسی رہی ملاقات؟" باہر گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے علی کو فون کیا تو اس نے فوراً ہی پوچھا۔

"علی، مولانا بہت میٹھا بولتے ہیں..... لیکن تم تو جانتے ہی ہو مجھے میٹھی چیزوں سے اکثر ڈر لگتا ہے۔" سمیر نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

علی ہنسا۔ "چھوڑو یار، یہ تمہارا وہم ہے۔ بس انجوائے کرو، اب تمہیں جی۔ فورس نہیں، وی آئی پی پروٹوکول ملے گا۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتا تھا....." سمیر نے فون کال بند ہونے کے بعد خود کلامی کی۔

وہ اب موبائل فون پر اس نجی طیارے کی فوٹو دیکھنے لگا جو ہینگر میں کھڑا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اڑان اسے ایک ایسی دلدل میں لے جائے گی جہاں سے واپسی کا راستہ صرف خون اور آگ سے ہو کر گزرے گا۔

☆☆☆

فروری کی دوپہر تھی لیکن موسم میں تپش ہونے لگی تھی۔ اس بار سردی جم کر نہیں پڑی تھی۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ گرمیوں کا آغاز بھی جلد ہی ہو جائے گا۔ ائرپورٹ کے خصوصی وی آئی پی ہینگر کے اندر اے سی کی ٹھنڈک نے ماحول کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔ سامنے ایک چمکتا ہوا گلوبل 7500 بزنس جیٹ کھڑا تھا جس کی دم پر سبز ہلالی پرچم اور مولانا احتشام کی تنظیم کا نشان نقش تھا۔

"مولانا صاحب کی امارت کے کیا کہنے؟" سمیر نے دل ہی دل میں کہا۔

سمیر احمد جو ہمیشہ سے جی ایف۔ 17 تھنڈر کے تنگ کاک پٹ کا عادی تھا، اس عالی شان طیارے کے اندرونی نرم و گدیلی اور چمڑے کی نشستوں کو دیکھ کر تھوڑا اجنبی سا محسوس کر رہا تھا۔ پچھلے تین ماہ سے وہ مولانا کے ساتھ فلائٹس لے رہا تھا..... لیکن ابھی تک تکلف اور اجنبیت کی دیوار برقرار تھی۔ یہ بھی سچ تھا کہ اس دوران مولانا نے صرف چھ ملاقاتوں کا وزٹ کیا تھا اور یہ آنا جانا سمیر کی طبیعت پر گراں نہیں گزرا تھا۔

اس وقت اس کے پاس ہی مولانا کا پرسنل سیکریٹری زبیر کھڑا تھا۔ یہ ایک گھنی داڑھی والا خاموش طبع جوان تھا۔ چہرے کے نقوش بھی دلکش رہے ہوں گے لیکن چہرے پر چھائی درشتی نے اسے ماند کر دیا تھا۔

"سر، مولانا صاحب چاہتے ہیں کہ آج کی فلائٹ کا روٹ تھوڑا تبدیل کیا جائے۔" زبیر نے ایک ٹیبلٹ سمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سمیر نے نقشے پر نظر ڈالی اور اس کی بھویں تن گئیں۔

"یہ روٹ تو قبائلی علاقوں کے بالکل قریب سے گزر رہا ہے۔ یہ تو فلائی زون کے بہت قریب ہے۔ سیکیورٹی کے لحاظ سے یہ ٹھیک نہیں رہے گا۔"

زبیر کے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "مولانا صاحب وہاں کے قبائلی عمائدین سے امن مذاکرات کے لیے جا رہے ہیں۔ حکومت اور جی ایچ کیو سے اس کی خصوصی اجازت لی جا چکی ہے۔ یہ رہا این او سی۔"

سمیر نے دستاویزات بغور دیکھیں۔ مہریں اصلی تھیں، دستخط معتبر تھے۔ لیکن اس کے اندر کا پائلٹ اسے خبردار کر رہا تھا۔ فضائیہ میں اسے سکھایا گیا تھا کہ جب سب کچھ ضرورت سے زیادہ پرفیکٹ لگے تو سمجھو کچھ نہ کچھ تو غلط ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد کالے شیشوں والی تین لینڈ کروزر گاڑیاں ہینگر کے اندر داخل ہوئیں۔ مولانا احتشام اپنے مخصوص سفید لباس اور سیاہ واسکٹ میں برآمد ہوئے۔ ان کے ساتھ چار مسلح محافظ بھی تھے جن کے پاس جدید ترین اسلحہ تھا۔

"سمیر بیٹا! تیار ہو؟" مولانا نے طیارے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بلند آواز میں پوچھا۔

"جی مولانا، طیارہ اڑان کے لیے تیار ہے۔" سمیر نے مودبانہ جواب دیا لیکن اس کی نظریں ان محافظوں پر تھیں جن کے چلنے کا انداز کسی مذہبی پیروکار جیسا نہیں بلکہ تربیت یافتہ کمانڈوز جیسا تھا۔

کاک پٹ میں بیٹھ کر سمیر نے انجن اسٹارٹ کیے۔ اے ٹی سی سے کلیئرنس ملی اور طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا۔ جیسے ہی پہیے زمین سے جدا ہوئے، سمیر کو ایک عجیب سا بوجھ محسوس ہوا۔ یہ بوجھ طیارے کے وزن کا نہیں تھا بلکہ اس ذمے داری کا تھا جس کا رخ اب بادلوں کی طرف تھا۔

دورانِ پرواز..... فضا میں پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر طیارہ ہموار طریقے سے اڑ رہا تھا۔ سمیر نے آٹو پائلٹ آن کیا اور تھوڑی دیر کے لیے ٹیک لگائی۔ اچانک کاک پٹ کا دروازہ کھلا اور مولانا خود ہی اندر داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں دو پیالیاں تھیں۔

"چائے پیجیے سمیر بیٹا....." مولانا نے ایک پیالی سمیر کی طرف بڑھائی۔ "آپ جیسے جری جوانوں کی وجہ سے ہی ہم زمین پر سکون کی نیند سوتے ہیں۔"

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" سمیر نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے تکلفاً کہا۔ "ویسے بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں مولانا، آپ کا یہ مشن بہت خطرناک ہے۔ ان علاقوں

میں آج کل حالات بہت کشیدہ ہیں۔"

"خطرہ تو ہر جگہ ہے سمیر۔ دیکھو ان پہاڑوں کو، ان کے اندر کتنے راز دفن ہیں۔" مولانا کھڑکی سے باہر پھیلے پہاڑوں کو دیکھنے لگے۔ "کبھی کبھی امن قائم کرنے کے لیے دشمن کے گھر تک جانا پڑتا ہے۔"

سمیر کو محسوس ہوا کہ مولانا کی باتوں میں ایک دوہرا مطلب چھپا ہوا تھا۔ وہ عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اچانک طیارے کے ریڈیو پر ایک عجیب سی اسٹیٹک آواز کا شور پیدا ہوا۔

"لیکن ون! یہ پشاور کنٹرول ہے۔ آپ اپنے مقررہ راستے سے پانچ ناٹیکل میل مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ تصحیح کریں، اوور۔"

سمیر نے فوری طور پر آلات چیک کیے۔ "پشاور کنٹرول، میرا نیویگیشن سسٹم بالکل درست دکھا رہا ہے۔ ہم روٹ پر ہیں۔"

"لیکن ون! آپ کا سگنل فلکچویٹ کر رہا ہے۔ فوری طور پر دائیں مڑیں!" کنٹرولر کی آواز اب کٹ کٹ کر آ رہی تھی۔

اس سے قبل کہ سمیر ہدایات پر عمل کرتا اچانک ہی طیارے کے تمام الیکٹرانک ڈسپلے ایک لمحے کے لیے بجھے اور پھر روشن ہوئے۔ لیکن اب جی پی ایس پر لوکیشن غائب ہو چکی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سمیر نے تیزی سے سوئچز ہلائے..... رابطہ بحال نہ ہو سکا۔

اس نے مڑ کر مولانا کی طرف دیکھا۔ مولانا ابھی بھی اطمینان سے چائے پی رہے تھے، لیکن ان کے چہرے پر اب وہ شفقت نہیں تھی..... پریشانی بھی نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سی سرد مہری تھی۔

اسی لمحے کاک پٹ کا دروازہ دوبارہ کھلا اور زبیر داخل ہوا لیکن اس کے ہاتھ میں اب ٹیبلٹ نہیں بلکہ ایک سائلنسر لگا پستول تھا جس کا رخ سمیر کی کنپٹی پر تھا۔

"گھبراؤ نہیں سمیر....." اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہم نے بس تھوڑا سا راستہ بدلا ہے۔ منزل اب وہ نہیں جو آپ کے چارٹ پر لکھی تھی۔"

مولانا نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن زبیر نے کرخت لہجے میں گن کا رخ ان کی جانب کرتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو مولانا خاموش ہو کر رہ گئے۔

"خاموشی سے طیارے کو نیچی پرواز پر لے جاؤ اور ان کو آرڈیننس پر اترو جو میں بتا رہا ہوں۔" زبیر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یاد رہے، نیچے ہمارے ساتھی 'اسٹنگر میزائل' لیے کھڑے ہیں۔ اگر کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو یہ طیارہ بادلوں میں ہی راکھ بن جائے گا۔"

سمیر کے ذہن میں بجلی کوند گئی۔ یہ خوا کمل منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اس نے ایک نظر ٹیول کیچ پر ڈالی اور پھر مولانا کی آنکھوں میں جھانکا۔

اسے سمجھ آ گیا تھا کہ وہ کسی دہشت گرد جتھے کے نہیں بلکہ ایک بہت بڑی عالمی بساط کے مہرے کے ہتھے چڑھ چکا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ اب اسے مولانا کی حفاظت کا بھی خیال کرنا ہوگا۔

☆☆☆

پشاور ائیر ٹریفک کنٹرول (ATC) روم میں اس وقت ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔

"گلوبل 17500 اپنی پوزیشن بتائیں! آپ ریڈار سے غائب ہو رہے ہیں۔" کنٹرولر کی آواز میں گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی لیکن اسکرین پر موجود وہ سبز نقطہ جو مولانا کے طیارے کی نشاندہی کر رہا تھا، آخری بار تھرتھرایا اور پھر ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔

"سر! طیارہ مہمند ایجنسی کے قریب بادلوں میں گم ہو گیا ہے۔ آخری سگنل پاک افغان سرحد کے بالکل اوپر سے تھا ہے۔" جونیئر آپریٹر نے لرزتی آواز میں کہا۔

تین گھنٹے بعد ہی اسلام آباد اور پورے پاکستان کا منظر نامہ عجیب ہو چکا تھا۔ پورا ملک جیسے تھم سا گیا تھا۔ ہر نیوز چینل پر سرخ پٹیوں میں ایک ہی طرز کی "بریکنگ نیوز" گردش کر رہی تھی۔

"بڑی خبر: مولانا احتشام الدین کا نجی طیارہ لاپتا! دہشت گردی کا خدشہ!"

"پورا پاکستان صدمے میں..... امن کے سفیر مولانا احتشام اغوا کر لیے گئے؟"

شہر شہر احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ مولانا کی سلامتی کے لیے دعائیہ تقاریب منعقد ہونے لگیں۔ سوشل میڈیا پر صرف ایک ہی نام گونج رہا تھا..... مولانا احتشام الدین۔ حکومت پر دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وزیرِ داخلہ کو ہنگامی خطاب کرنا پڑا۔

ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اصل صورتِ حال سے واقف ہو سکیں۔ ابھی تک اغوا کے بارے میں ہمیں کوئی کنفرمیشن نہیں ملی ہے۔ عوام سے گزارش ہے کہ تحمل کا مظاہرہ کریں اور دعا بھی کریں کہ طیارہ کسی حادثے کا شکار نہ ہوا ہو۔"

وزیرِ داخلہ کی بات کی گہرائی محسوس کرنے کے بعد

مظاہروں میں تو کمی آ گئی لیکن ماحول میں ابھی بھی تناؤ باقی تھا۔ عوام جو اچانک سے سوشل میڈیا پر اغوا کی خبروں سے بے چین ہو گئی تھی اس پریس کانفرنس کے بعد تھوڑا پُرسکون ہو گئی تھی۔

مولانا کی عوامی مقبولیت کے اس سیلاب میں کسی نے یہ غور ہی نہیں کیا کہ اس طیارے کا پائلٹ پاکستان کا وہ ہیرو تھا جس نے پاک بھارت کی تازہ جنگ میں دشمن کے دانت کھٹے کیے تھے۔ خبروں میں سمیر کا ذکر صرف ایک سطر میں آ رہا تھا۔

"طیارے میں پائلٹ سمیر احمد بھی سوار تھے جن کے بارے میں مولانا کے ساتھ تا حال کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

پاکستان ائرفورس بیس میں ونگ کمانڈر علی خان کے دفتر میں بھی صورتِ حال پورے پاکستان سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

علی خان کے غضب ناک ہونے کی وجہ البتہ قدرے مختلف تھی۔ اس نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کر دیا۔ اس کے سامنے میز پر چائے کی پیالی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

"کسی کو اس کی فکر نہیں؟" علی دیوار پر لگے سمیر کے پورٹریٹ کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا جہاں وہ خود اس کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ لیے کھڑا تھا۔ "وہ پائلٹ جس نے اکیلے دشمن کے دو جہاز گرائے..... آج وہ لاپتا ہے اور میڈیا صرف اس مقدس ہستی کے پیچھے پاگل ہو رہا ہے؟"

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سینئر افسر گروپ کیپٹن اسلم اندر داخل ہوئے۔

"علی! اپنے جذبات پر قابو رکھو۔ صورتِ حال بہت نازک ہے۔" اسلم نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"سر! نازک کیسے نہیں ہو گی؟" علی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ "سمیر احمد کوئی عام پائلٹ نہیں ہے۔ وہ ائرفورس کا اثاثہ ہے۔ اگر وہ طیارہ گرا ہوتا تو ہمیں ملبا مل جاتا۔ اگر اسے ہائی جیک کیا گیا ہے..... تو سمیر جیسا ماہر پائلٹ خاموشی سے طیارہ دشمن کے حوالے نہیں کر سکتا۔ وہاں کاک پٹ میں کچھ بہت غلط ہوا ہے، سر!"

گروپ کیپٹن نے اِدھر اُدھر دیکھا اور آواز دھیمی کر لی۔ "علی، انٹیلی جنس کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق طیارہ سرحد پار کر کے افغانستان کے صوبہ کنڑ میں اترا ہے۔ مولانا کی سیاسی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ حکومت کسی بھی قیمت پر انہیں واپس لانا چاہتی ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔"

"تو کیا دہشت گردوں کی جانب سے کوئی مطالبہ کیا گیا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں..... وہ لوگ اتنے دھڑلے سے اغوا کاری کا اعتراف نہیں کر سکتے ورنہ پاک فوج کا غصہ بھگتنا پڑے گا۔"

"پھر کیا امید ہے؟"

"فی الحال تو کچھ نہیں کہا جا سکتا..... لیکن اتنا اندازہ ہو رہا ہے کہ انڈیا اپنی پراکسی استعمال کرتے ہوئے دہشت گردوں کے ذریعے کوئی مشن مکمل کرنا چاہ رہا ہے۔"

"سر، مجھے مشن دیں۔" علی کی آواز میں فولادی عزم تھا۔ "حکومت کو مولانا چاہیے، مجھے میرا دوست چاہیے۔ میں اسے اس طرح گمنامی میں مرنے نہیں دوں گا۔"

گروپ کیپٹن نے ایک فائل علی کی طرف بڑھائی۔ "مجھے پہلے ہی معلوم تھا..... تبھی تمہاری درخواست منظور کر لی گئی ہے۔ تم 'اسپیشل سرچ اینڈ ریسکیو ونگ' کی ایک چھوٹی ٹیم لے کر رات کی تاریکی میں بارڈر کراس کرو گے۔ سرکاری طور پر، ہم اس مشن سے لاتعلق رہیں گے۔ اگر تم پکڑے گئے، تو تم ہمارے افسر نہیں ہو۔"

علی نے فائل لی اور ایک زوردار سیلوٹ کیا۔ "سمجھ گیا سر۔ مجھے چھوٹی ٹیم میں کوئی ایسا بھی چاہیے جو مجھے اس جگہ کی مقامی معلومات دے سکے۔"

"اس کے لیے تمہیں جلال آباد کے قریب ہمارے ایک اثاثے سے ملنا ہو گا۔" گروپ کیپٹن نے کہا۔ "ایک خاتون ڈاکٹر ہے، گل بانو۔ وہاں ایک ریلیف کیمپ چلاتی ہے اور اس علاقے کی گس گس سے واقف ہے۔ پاکستان سے ہی ڈاکٹری مکمل کی ہے اس نے۔ مہینے میں ایک دو کیمپ وہ ہمارے قبائلی علاقوں میں بھی لگاتی ہے۔"

جب علی مشن کی تیاری کر رہا تھا دوسری جانب سرحد پار ایک اندھیری غار نما کوٹھری میں سمیر کی آنکھ کھلی۔ اس کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے بندھے تھے اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ زبیر اس کے بالکل سامنے ہی تھا۔

اس کے برابر میں ایک سانولی رنگت اور لمبے قد والا کلین شیو شخص کھڑا تھا جس نے خاکی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ وہ راکا نامی کرائے کا ایجنٹ اور افغانستان میں پاکستان کے خلاف دہشت گردوں کے ذریعے مسلح جارحیت کا روحِ رواں اجیت ڈوبروال تھا۔

"سواگت ہے سمیر احمد....." اجیت نے ایک تلخی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تمہیں کیا لگا تھا؟ تم ہمارے جہاز گراؤ گے اور ہم تمہیں تمغے دیں گے؟"

"تمہارے جہاز گرانا ہی میرے لیے کسی تمغے سے کم نہیں۔" سمیر نے کہا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس دشمن کے چنگل میں پھنس چکا ہے جو سامنے سے شکست کھانے کے بعد پیٹھ

پیچھے وار کرتا ہے۔" اور یہ تمنے پوری دنیا دیکھ چکی....."

"بکواس نہ کر....." اجیت نے ایک گالی دی اور اس کے منہ پر ایک مکا جڑ دیا۔ سمیر نے اس کی دکھتی رگ دبا دی تھی جس کی وجہ سے وہ کسی گلی محلے کے تھرڈ کلاس غنڈے کی طرح بولنے لگا تھا۔

سمیر نے ایک جانب خون تھوک دیا۔

"اسے سنبھالو..... میں ذرا مولانا کو دیکھ لوں۔" اجیت نے زبیر سے کہا تو سمیر تڑپ کر رہ گیا۔

"اپنے گندے ہاتھ مولانا سے دور ہی رکھنا۔" وہ بے اختیار چلایا۔

اجیت بلاوجہ ہی ہنسنے لگا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ اس سے قبل کہ وہ اجیت کو مزید کچھ کہتا، زبیر کا زبردست گھونسا اس کی کنپٹی پر پڑا اور اسے جیسے دن میں ہی تارے نظر آ گئے تھے۔

ظلم و تشدد کی رات طویل ہونے والی تھی۔

☆☆☆

طورخم بارڈر سے چند کلو میٹر دور، ایک گمنام پہاڑی راستہ تھا جہاں وہ پیدل چل رہے تھے۔

رات کا پچھلا پہر تھا اور چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ ونگ کمانڈر علی خان نے فوری طور پر اپنی ٹیم کے ساتھ سرحد عبور کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے روایتی فوجی وردی کی جگہ مقامی لباس پہن رکھا تھا، کندھے پر چادر اور ہاتھ میں جدید بیرا یم۔ 4 رائفل تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت پوری طرح الرٹ تھا۔

"سر، سامنے کی سمت میں حرکت محسوس ہو رہی ہے۔" نائٹ ویژن چشمے سے دیکھتے ہوئے سارجنٹ اسلم نے سرگوشی کی۔

انہوں نے ابھی ایک چٹان پار کی تھی اور اس کے پیچھے کا منظر بالکل بھی خوش کن نہیں تھا۔ علی نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیم کو رکنے کا حکم دیا۔ سامنے سے چند مسلح افراد جو وضع قطع سے مقامی دہشت گرد لگ رہے تھے، سگریٹ پیتے ہوئے گشت کر رہے تھے۔ یہ اجیت ڈوبھال کے تنخواہ دار کارندے تھے جو اس راستے کی نگرانی کر رہے تھے۔

"خاموشی سے خاتمہ....." علی نے سرگوشی میں حکم دیا اور ٹیم جھاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

جیسے ہی وہ گروہ قریب آیا، علی نے ایک چیتے کی طرح جھاڑیوں سے چھلانگ لگائی اور ایک دہشت گرد کو گرگیدتا ہوا اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے رائفل استعمال کرنے کے بجائے اپنا کومبیٹ نائف نکال لیا تھا۔

دہشت گرد نے بلا کی پھرتی کا مظاہرہ کیا اور علی کی گرفت سے نکل گیا البتہ اس کوشش میں وہ اپنی رائفل زمین پر گرا چکا تھا۔

دست بدست لڑائی شروع ہوئی تو علی نے پہلے دہشت گرد کا گلا دبوچا اور اسے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا۔ اس سے قبل کہ وہ اٹھ کر ایک بار پھر علی کی گرفت سے نکل بھاگتا، علی نے خنجر اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست کر دیا۔ دستے تک گھس جانے والے خنجر نے دہشت گرد کو دوسری سانس لینے کا موقع نہیں دیا تھا..... وہ وہیں اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہو کر تڑپنے لگا۔

علی نے خنجر کا استعمال کیا تھا جبکہ اس کی ٹیم نے اسی اثنا میں دوسرے دو دہشت گردوں کو سائلنسر لگے پستول کی گولیوں سے ڈھیر کر دیا تھا۔

ایک دہشت گرد نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن علی کی پھرتی کسی چیتے کی رفتار کو بھی شرمندہ کر دینے والی تھی۔ اس نے اسے پیچھے سے دبوچ کر ہوا میں ہی اچھالا اور کہنی کا ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹنے کی آواز خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ اس سے قبل کہ وہ چیخنا چلاتا، علی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خنجر کا وار کر دیا۔ اس دہشت گرد کے ساتھ بھی اس نے پہلے والے جیسا ہی سلوک کیا تھا۔ محض چند منٹوں میں راستہ صاف ہو چکا تھا۔

"سمیر، میں آ رہا ہوں۔" علی نے خون آلود خنجر اصاف کرتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

صبح کی پو پھوٹے کافی وقت گزر چکا تھا اور وہ اس وقت ایک سالخوردہ سی سرکاری عمارت کے سامنے ہی موجود تھا۔ اس عمارت پر ایک چھوٹے سے فلاحی اسپتال کی تختی لگی ہوئی تھی۔

سرحد پار کرنے کے بعد علی کی اگلی منزل وہ فلاحی اسپتال تھا جہاں اس کا خفیہ رابطہ کار موجود تھا۔ یہ ایک تقریباً کچی عمارت تھی جس کے باہر ایمبولینس کی جگہ چند خچر بندھے ہوئے تھے۔ برقع پوش عورتوں اور مدقوق چہروں والے بچوں کا وہاں شور گونج رہا تھا۔

علی جیسے ہی اندر داخل ہوا، اس کا سامنا ایک ایسی شخصیت سے ہوا جس نے ایک لمحے کے لیے اس کی پیشہ ورانہ سختی کو موم کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ اپنے سامنے موجود دلکش حسینہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

وہ ایک بے انتہا خوب صورت لڑکی تھی جس نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر بڑے سلیقے سے ایک زرد رنگ والی چادر اوڑھ رکھی تھی جس میں سے کچھ شرارتی لٹیں باہر نکل کر اپنی جھلک دکھلا رہی تھیں۔ وہ اس وقت ایک زخمی بچے کی پٹی

کر رہی تھی۔ ہونٹ قدرتی طور پر ایسے لال تھے جیسے اس نے لپ اسٹک لگائی ہو۔ اس کے دلکش چہرے پر موجود ہلکی بھوری آنکھوں میں بلا کی معصومیت تھی جیسے اس ہارود زدہ علاقے میں وہ امن کی کوئی نشانی ہو۔

علی مشن کے علاوہ کچھ سوچنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کاش وہی گل بانو ہو۔

"تو دلتہ شہ کوی؟" (آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟) لڑکی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی شفافیت تھی جو کسی بھی جھوٹ کو فوراً پکڑ لیتی تھی۔ "یہ وقت مریضوں کے آنے کا نہیں ہے۔ آپ عصر کے بعد تشریف لائیں۔"

"میں وہ مسافر ہوں جسے رات کے اندھیرے میں تارے راستہ دکھاتے ہیں۔" علی نے مخصوص کوڈ ورڈز ادا کیے۔

لڑکی کے ہاتھ رک گئے اور چہرے کی رنگت ایک لمحے کے لیے مزید گلابی ہو گئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور معصومانہ ادا سے ماتھے پر آئی ایک لٹ کو پیچھے کی جانب ہٹایا۔

"تو آپ وہی طوفان ہیں جس کی آمد کی پیش گوئی محکمہ موسمیات والے کر رہے ہیں۔"

اب کی بار گہری سانس علی نے لی..... چند لمحے قبل دل میں اٹھنے والی ہوک دعا بن کر آسمان سے ٹکرائی تھی اور قبولیت کی صورت میں اس کے سامنے مجسم ہو گئی تھی۔ کوڈ ورڈز کی ادائیگی نے تصدیق کر دی تھی کہ وہ گل بانو ہی تھی۔

وہ علی کو ایک اندرونی کمرے میں لے گئی۔ وہاں کی سادگی اور گل بانو کی گفتگو کا انداز بہت دلکش تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے کبھی کبھی شرما کر نظریں جھکا لیتی لیکن اگلے ہی لمحے اس کے لہجے میں ایک پختہ عزم جھلکنے لگتا تھا۔ تعارف اور چائے پینے کے دوران اس نے علاقے کی بہت سی معلومات علی کے گوش گزار دی تھیں۔

"میں نے سنا ہے آپ اپنے دوست کو بچانے آئے ہیں۔" گل بانو نے چائے کا پیالہ علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یاد رکھیے خان صاحب، یہاں کے پہاڑ جتنا راستہ دیتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ راستے نگل لیتے ہیں..... اور ساتھ ساتھ ان راستوں پر چلنے والے مسافروں کو بھی۔"

چائے نہ جانے واقعی خوش ذائقہ تھی یا پھر گل بانو کی محبت نے اثر ڈالا تھا..... پہلی چسکی نے ہی علی کے وجود میں تراوٹ بھر دی۔

"گل بانو، مجھے راستوں کی فکر نہیں..... بس زبان دی کر دو۔" علی اس کی باتوں سے زیادہ اس کے دلکش انداز کے سحر میں کھو سا گیا تھا لیکن پھر سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "دوست اور مولانا..... مجھے دونوں کو بچانا ہے۔ ویسے تم اس خطرناک کام میں میرا ساتھ کیوں دے رہی ہو؟"

گل بانو نے ایک معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"کیونکہ اس ہارود کی بو نے میرے بچپن کی خوشیاں چھین لی ہے۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی میں نے ریفیوجی کیمپ میں یتیموں مسکینوں والی زندگی گزاری ہے۔ پاکستان نے مجھے نام دیا..... مجھے تعلیم کے مواقع دیے۔ ہم جو گھٹ پٹ کر پہنچے تھے ہمیں پناہ دی۔ اس سب کے شکریے کے لیے میں جو کر رہی ہوں وہ بہت کم ہے۔" گل بانو یہ سب کہتے ہوئے نم دیدہ ہو گئی تھی۔ "میری خواہش ہے کہ جنگ و جدل کا یہ بازار اب بند ہو جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ کم از کم کوئی تو ایسا ہو جو اس آگ سے بچ سلامت واپس نکل سکے۔ مولانا بھی ایک دین کے خدمت گار ہیں، انہیں نجانے کن ناعاقبت اندیشوں نے اغوا کر لیا اور پھر آپ..... آپ جیسے بہادر لوگ کم ہی نظر آتے ہیں جو ان کی سلامتی کے لیے اپنی جان داؤ پر لگانے چلے آئے ہیں۔" آخری بات کہتے ہوئے وہ جھجک گئی تھی۔

اس کی سادگی اور اس بہادر لوگ والے جملے نے علی کے دل میں ایک ایسی دستک دی جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ علی کے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی..... وہ جو صرف مشن کے بارے میں سوچتا تھا، اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ اس جدوجہد اور گشت و خون کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو بہت خوب صورت ہو سکتی ہے۔

"کوئی سراغ ملا کہ مولانا اور سمیر کہاں ہیں؟" علی نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے مخبروں کے مطابق وہ اس وقت سنگلاخ سیاہ کے علاقے میں موجود سیاہ قلعہ میں ہیں۔" گل بانو کا چہرہ یہ سب بتاتے ہوئے سنجیدہ ہو گیا۔ "وہاں تک پہنچنا موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے۔ وہاں کی تیاریوں سے لگ رہا کہ اجیت ڈوبروال اور اس کے بچوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔"

علی کھڑا ہو گیا۔ "موت سے تو میں روز ہاتھ ملاتا ہوں گل بانو۔ بس اب اس قلعے کی چابیاں ڈھونڈنی ہیں۔"

"آپ آرام کریں..... ہم کل فجر کے بعد روانہ ہوں گے۔ شاید چابیوں کی ضرورت ہی نہ پڑے اور ہم کوئی خفیہ راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔" گل بانو نے اسے ایک ایڈریس پر بلا پر لکھ کر دیتے ہوئے رخصت کیا۔ اسے امید تھی کہ صبح تک وہ مزید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہو گا۔

علی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

"یا اللہ اسے کامیاب کرنا۔" گل ہانو نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی معصوم آنکھوں میں علی کے لیے بے ساختہ ہی ایک دعا ابھری تھی۔

☆☆☆

کوئی جگنو سا ٹمٹمایا تھا..... ایک روشنی کی ہلکی سی جھلک..... لیکن فی الحال کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"زبیر اب تم پاکستان واپس چلے جاؤ اور وہاں سے مشن کو آگے بڑھاؤ۔" کوئی میٹھے لہجے میں مخاطب تھا۔

"لیکن ابھی یہاں کے حالات....." کچھ کہنے کی کوشش کی گئی لیکن بات کاٹ دی گئی۔

"میں یہاں سب دیکھ لوں گا..... بس یہ یاد رکھنا کہ جب میری شہادت کی خبر پہنچے تو ایسے ہنگامے ہونے چاہئیں کہ ان کی نظیر نہ ملے۔"

"مجھے ان بھارتیوں پر اعتماد نہیں ہے..... یہ کافر آپ کے ساتھ کچھ غلط بھی کر سکتے ہیں۔" لہجے میں تشویش تھی۔

"کچھ غلط نہیں ہوگا۔ جب ان کا مقصد پورا ہو جائے گا تو میں منظرِ عام پر آجاؤں گا..... پھر وہی جاہل عوام ہوگی اور پھر وہی میرے اشاروں پر ناچنے کا عمل جاری ہو جائے گا۔ ویسے بھی یہاں کی ریڈ ہارڈ ڈرائیو کا ڈیٹا تم نے اپنے پاس کاپی کر لیا ہے..... جب تک یہ محفوظ ہے تب تک یہ میرے ساتھ کچھ غلط کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

جاتے قدموں کی آواز تھمی جو اسے ہوش کی دنیا میں لے آئی۔ سمیر اب بھی رسن بستہ حالت میں تھا۔ تشدد کی وجہ سے اس کے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ گردن، سر اور سینے کے مختلف حصوں میں تو درد تھا ہی لیکن داہنی ٹانگ میں ہونے والی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔ اجیت نے خنجر گھونپنے کے بعد اس میں نمک ڈال دیا تھا۔

آنکھیں کھلیں تو ایک جہانِ حیرت اس کا منتظر تھا۔ سامنے ایک کرسی پر مولانا احتشام الدین بیٹھے تھے لیکن اب ان کے چہرے پر وہ نورانی مسکراہٹ کے بجائے ایک زہریلی چمک تھی۔

"دھوکا..... فریب..... غداری؟" فہم و ادراک کی کئی منازل اس نے ایک ساتھ طے کی تھیں۔

سمیر نے کراہتے ہوئے مولانا کی طرف دیکھا۔

"آپ..... آپ نے یہ سب کیوں کیا؟"

مولانا اٹھے اور سمیر کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ ان کا لہجہ اب بھی ویسا تھا لیکن اس میں موت جیسی سرد مہری تھی۔

"سمیر بیٹا، تم نے پچھلے سال ہماری جس بیٹے دشمن کا ٹھکانا سمجھ کر تباہ کیا تھا، وہاں میرا سب کچھ تھا۔ میرا وہ مستقبل جو میں نے سرحد کے اس پار تیار رکھا تھا۔ تم نے صرف جہاز نہیں گرائے، تم نے میری طاقت کی بنیاد ہلائی تھی۔ اب تم اس کی قیمت چکاؤ گے۔"

"تو یہ سارا کھیل مجھ سے بدلہ لینے کے لیے رچایا گیا ہے؟" سمیر کے لہجے میں حیرت تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ اپنا درد بھی بھول گیا تھا۔

"تم سے انتقام تو بونس ہے..... اصل کھیل تو پیسے کا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ اس سارے کھیل میں مجھے بھارتی حکومت کن کن محاذوں سے نواز رہی ہے۔ اور رہا نہ مانو..... مجھے اپنے نقصان کی ریکوری بھی تو کرنی ہی تھی۔" مولانا کا میٹھا لہجہ سمیر کی سماعتوں میں زہر بن کر داخل ہو رہا تھا۔

اجیت ڈوبروال بھی دروازہ کھول کر مولانا کے پیچھے ٹھہر گیا..... سمیر اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کوئی لطیفہ یاد آگیا جو ایسے ہنسنے لگے؟" اجیت نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لو..... میں مولانا کے بارے میں فکرمند تھا کہ تم انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤ اور وہ یہاں میری ذات کا سودا کیے بیٹھے ہیں۔" سمیر کے لہجے میں طنز تھا۔ "میں تو غدار کے ہتھے چڑھ گیا۔"

چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی سمیر کا سر گھوم گیا۔ مولانا کے بھاری ہاتھ کے تھپڑ نے اس کا جبڑا ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میں نے کوئی غداری نہیں کی..... بس اپنا نقصان کرنے والے سے بدلہ لینے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے۔" مولانا احتشام الدین کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں لیکن لہجہ پر سکون اور میٹھا لہجہ برقرار تھا۔

سمیر نے تھوک کے ساتھ خون کا گھونٹ بھرا اور مسکرایا۔ "مولانا، آپ نے چہرہ بدل لیا، لیکن آپ یہ بھول گئے کہ پاکستان ائیر فورس کا ایک پائلٹ تب بھی لڑ رہا ہوتا ہے جب اس کے پر کاٹ دیے جائیں۔ تم مجھے نہ بھی آپ کو تو بچانے آئے گی اور جب وہ آئیں گے تو آپ کی یہ مقدس پناہ گاہ ہی آپ کی قبر بن جائے گی۔"

"تمہاری بھول ہے یہ۔ یہاں جو بھی آئے گا لاش بن کر ہی جائے گا..... دیکھتے ہیں، تمہاری ٹیم تمہیں بچاتی ہے یا یہاں کی پہاڑیوں میں ہی لاش بن جاتی ہے۔" اجیت ڈوبروال نے سمیر کے چہرے پر ایک زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

وہ بڑی دیر تک سمیر کے چہرے پر ٹھوکریں مارتا رہا۔

جانے بغیر کہ سمیر چوتھی ضرب پر ہی ایک بار پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سورج کی پہلی کرنیں جب بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکرانے لگیں تو فضا میں اُڑتی دھول نے ایک سنہری چادر سی تان دی تھی۔

ونگ کمانڈر علی خان اور گل بانو اس وقت ایک تنگ پہاڑی درے سے گزر رہے تھے۔ علی کے قدموں کی چاپ میں ایک فوجی نظم و ضبط تھا جبکہ گل بانو اپنی چادر سنبھالتی ہوئی بڑی مہارت سے پتھریلے راستوں پر چل رہی تھی۔

گل بانو کو جو اطلاعات ملی تھیں، اس کے مطابق وہ خود علی خان کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینے پر راضی ہو گئی۔ اس نے اپنے ایک بااعتماد ساتھی کو دوسری پارٹی کے ساتھ منتقی کر دیا تھا۔

ساری رات کی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت علی نے اپنی دوسری پارٹی کو ایک اور راستے سے بھیجا تاکہ ایک پارٹی ناکام ہو بھی جائے تو دوسری مشن مکمل کرنے کے لیے تیار ہو۔ یہ الگ بات تھی کہ دو لوگ خفیہ طور پر بہ آسانی نقل و حمل کر سکتے تھے..... دوسری پارٹی کے پاس ایسا بھاری اسلحہ موجود تھا جو اتنی آسانی سے بغیر نظروں میں آئے آگے لے جانا آسان نہیں تھا۔

راستہ انتہائی کٹھن تھا۔ کہیں زمین اتنی ڈھلوانی تھی کہ ایک غلط قدم سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں گرا سکتا تھا اور کہیں فضا میں آکسیجن کی کمی سانس لینا دوبھر کر رہی تھی۔

"گل..... تھک تو نہیں گئیں؟" علی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کی نظریں گل بانو کے تھکے ہوئے لیکن پُرعزم چہرے پر ٹھہری تھیں۔

گل بانو نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا اور ایک معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "خان صاحب! ہم ان پہاڑوں کی گود میں پلے بڑھے ہیں۔ یہ پتھر ہمیں تھکاتے نہیں، بلکہ راستہ دیتے ہیں۔ بس تھوڑی سی دھول ہے جو آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔"

علی اس کی ہمت دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ وہ ایک نازک سی لڑکی تھی لیکن اس کے اندر کا عزم کسی چٹان سے کم نہ تھا۔

دشوار گزار پتھریلے راستے پر سفر جاری تھا..... وہ جیسے ہی ایک موڑ پر پہنچے، علی کے کانوں میں ایک مانوس لیکن خطرناک آواز آئی..... کلک۔

یہ کسی رائفل کے سیفٹی لاک کھلنے کی آواز تھی۔ علی کے حواس فوراً بیدار ہو گئے۔ ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اس نے حرکت کی۔

"گل! نیچے جھک جاؤ!" اس نے زور سے چلا کر گل بانو کو ایک قریبی چٹان کے پیچھے دھکیلا۔

اسی لمحے فائر کی آواز گونجی اور ایک گولی گل بانو کے سر کے بالکل قریب سے گزر کر پہاڑ سے ٹکرائی۔ سامنے والی پہاڑی پر دو مسلح دہشت گرد چھپے ہوئے تھے جنہوں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔

"وہاں سے مت ہلنا!" علی نے پوزیشن سنبھالتے ہوئے حکم دیا۔

دہشت گردوں نے اب اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ علی ان کی نظروں میں نہیں آیا تھا لیکن گل بانو کو انہوں نے چٹان کے پیچھے چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ایک گولی اس چٹان کے کونے پر لگی جہاں گل بانو پناہ لیے ہوئے تھی۔ پتھر کے ریزے اُڑ کر گل بانو کے ہاتھ پر لگے اور وہ تکلیف سے کراہ اٹھی۔

"آہ....." خوف کے مارے اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔

علی نے دیکھا کہ ایک دہشت گرد پوزیشن بدل کر گل بانو کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی پوری توجہ گل بانو کی طرف تھی۔ علی نے بجلی کی تیزی سے اپنی رائفل اٹھائی اور صرف دو نشانے لیے۔ "ٹھاہ! ٹھاہ!" دہشت گرد وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اگرچہ اس کی پہلی گولی نے ہی دشمن کا کام تمام کر دیا تھا لیکن دوسری گولی اس نے احتیاطاً فائر کی تھی۔ دوسرا دہشت گرد اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھ کر وہاں سے بھاگنے لگا۔ علی پیٹھ پیچھے وار کرنے کا قائل نہیں تھا لیکن اس وقت وہ اپنی موجودگی ظاہر کر کے دشمن کو مشن کو سبوتاژ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے دکھی دل کے ساتھ رائفل بلند کی اور بھاگتے ہوئے دہشت گرد پر ایک فائر کر دیا۔

"ٹھاہ!"..... دہشت گرد تڑپ کر نیچے گرا اور ساکت ہو گیا۔ اس کا بھیانک کردار گرد پتھروں پر بکھر گیا تھا۔

فائرنگ تھمتے ہی علی بھاگ کر گل بانو کے پاس پہنچا، جو اب بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔

"گل! تم ٹھیک ہو؟" علی نے پریشانی سے اس کا ہاتھ تھاما جس سے ہلکا سا خون بہہ رہا تھا۔

"مجھے..... مجھے لگا تھا کہ اتنی شدید فائرنگ سے میں مر جاؤں گی۔" گل بانو نے لرزتی ہوئی آنکھوں سے علی کی طرف دیکھا۔ اس کی معصومیت میں بھی ایک عجیب سا بہروپ جھلک رہا تھا۔

علی نے اپنے بیگ سے فرسٹ ایڈ کٹ نکالی اور بڑی نرمی سے اس کے زخم کو صاف کرنے لگا۔ "جب تک میں زندہ

ہوں، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس لمحے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی خاموش گفتگو ہوئی جو الفاظ کی محتاج نہ تھی۔ علی کی مضبوط گرفت اور گل بانو کی لرزتی ہوئی انگلیاں ایک دوسرے کو وہ تحفظ فراہم کر رہی تھیں جو اس جنگ زدہ ملاقات میں نایاب تھا۔

گل کا چہرہ یہ سن کر گلنار ہو گیا تھا اور خاموشی جب جذبات کی شدت بڑھانے لگی تو علی نے ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے بات بڑھائی۔

"ویسے ڈاکٹر صاحبہ..... وقتی طور پر مریض بن کر کیسا لگ رہا ہے؟" گل بانو اس بات پر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

زخم پر پٹی باندھنے کے بعد، وہ ایک لمحے کے لیے وہیں بیٹھ گئے۔ سورج کی تمازت بڑھ رہی تھی، لیکن ان کے دلوں میں ایک ٹھنڈی لہر اتر چکی تھی۔

"خان صاحب..... آپ سمیر صاحب کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں۔" گل بانو نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ویسے وہ آپ کا کیا لگتا ہے؟"

علی نے دور نظر آنے والے ایک سیاہی مائل قلعے کی طرف دیکھا۔ "وہ میرا بھائی ہے، میرا ہمزاد ہے۔ ہم نے ایک ساتھ آسمانوں کی وسعتیں ناپی ہیں۔ اگر آج میں اسے یہاں چھوڑ گیا تو میں خود سے کبھی نظریں نہیں ملا پاؤں گا۔"

"اور مولانا؟" گل نے سوال کیا۔

"وہ بھی..... ملک کے لیے بہت اہم ہیں۔ ان کی ہمارے ملک کو بہت ضرورت ہے۔" علی نے اپنے اصلی جذبات بیان کرنے سے گریز کیا۔ وہ شروع سے ہی سمیر کے مولانا کے ساتھ کام کرنے کے حوالے سے تحفظات رکھتا تھا اور ذاتی طور پر مولانا کی شخصیت کو پسند بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کی پہلی ترجیح اس کا دوست ہی تھا۔

گل بانو نے ایک گہرا سانس لیا۔ "کاش سبھی انسان ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی سوچتے۔ خان صاحب، آپ نے آج میری جان بچائی ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کو اس قلعے کے اس خفیہ راستے تک لے جاؤں گی جہاں سے پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

علی نے اس کی معصوم اداؤں اور اس کے پکے ارادے کو دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مشن میں اب صرف سمیر کی زندگی ہی نہیں، بلکہ گل بانو کی بھی اس کے لیے ایک امانت بن چکا ہے۔ اس کے دل میں موسم گل بانو کے لیے ہار کی بہار ہونے لگا تھا۔

"چلو گل بانو۔" علی کھڑا ہوا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ "منزل قریب ہے، اور دشمن کو معلوم بھی نہیں کہ موت اس کی دہلیز پر تاک لگا کر دستک دینے والی ہے۔"

گل بانو نے علی کا ہاتھ تھام کر اٹھتے ہوئے اسے ایسی نظر سے دیکھا جس میں ستائش بھی تھی اور ایک ابھرتی ہوئی محبت کی جھلک بھی۔ وہ دونوں دوبارہ اس دھول اڑتے راستے پر چل پڑے..... لیکن اب ان کے قدموں میں پہلے سے کہیں زیادہ ہم آہنگی تھی۔

☆☆☆

سیاہ قلعے کی دیواریں اتنی ہی سرد اور بے رحم تھیں جتنا کہ ان کے اندر چھپا راز۔ عقوبت خانے کی ایک تاریک کوٹھری میں، جہاں دیواروں سے نمی رس رہی تھی، اسکواڈرن لیڈر سمیر احمد ایک زنجیر سے بندھا لٹک رہا تھا۔ اس کے لباس پر خون کے خشک دھبے اس تشدد کی گواہی دے رہے تھے جو پچھلے کئی گھنٹوں سے اس پر جاری تھا۔

ایک گارڈ نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی سمیر کے منہ پر ایسے انڈیلی جیسے لٹھ مار رہا ہو۔ سمیر نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں..... اس کا سانس اکھڑ رہا تھا لیکن آنکھوں میں موجود چمک اب بھی ماند نہیں پڑی تھی۔ اسے اب تک کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ پیاس کی شدت سے اس کے لبوں پر پپڑی جمنے لگی تھی۔

سر اور چہرے پر رستے سرد پانی کو اس نے زبان سے حلق تک پہنچانے کی سعی کی تو وہاں موجود لوگ اس کی کیفیت پر قہقہے لگانے لگے۔

ابھی بھی وقت ہے پائلٹ۔" سامنے کھڑے ایک نقاب پوش نے بھاری آواز میں کہا۔ "ہمارے مالک تم سے وہ کوڈز چاہتے ہیں جو تمہارے طیارے کے میزائل سسٹم میں استعمال ہوتے ہیں۔ بتا دو اور جان بچا لو۔"

سمیر کے پھٹے ہوئے لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ آئی۔ "اپنے آقاؤں کو کہنا..... کہ ہم آسمانوں میں آگ برسانا جانتے ہیں، راز اگلنا نہیں۔"

سمیر کی اس بات پر جھنجھلاہٹ تشدد کا ایک اور دور شروع ہو گیا..... اس کی چیخیں عقوبت خانے کی محدود فضا میں گونجنے لگیں یہاں تک کہ وہ ایک بار پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

عقوبت خانے کی اس اذیت ناک دنیا سے چند منزلیں اوپر کا منظر بالکل مختلف تھا۔

ایک شاندار کمرا تھا جس کے فرش پر ایرانی قالین بچھے تھے اور ہوا میں صندل کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ مولانا احتشام الدین ایک نرم صوفے پر بیٹھے گرما گرم قہوہ پی رہے تھے۔ ان

کے سامنے میز پر خشک میوہ جات اور پھل سجے تھے۔
کمرے کا دروازہ کھلا اور اجیت ڈوبروال داخل ہوا۔
اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور مولانا کے سامنے بیٹھ گیا۔
"آپ کے پائلٹ کی ہڈیاں تو ٹوٹ سکتی ہیں، لیکن زبان نہیں کھل رہی۔" اجیت نے بیزاری سے کہا۔
مولانا نے قہوے کی پیالی میز پر رکھی اور سکون سے تسبیح کے دانے گرانے لگے۔
"اجیت صاحب، آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس کی زبان کھلوانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسے زندہ رکھنا ہی اصل بدلہ ہے۔ اسے ہم یہاں سے نکال کر سرحد پار اپنے محفوظ ٹھکانے پر منتقل کر دیں گے۔ پاکستان میں شور مچا ہوا ہے کہ میں اغوا ہو گیا ہوں۔ اس افراتفری میں کوئی سمیر احمد کو یاد بھی نہیں رکھے گا۔"
مولانا احتشام الدین کی گردن یہ بات کہتے ہوئے کروفر سے اکڑ گئی تھی۔
"آپ کا پلان واقعی زبردست ہے۔ پاکستان میں خانہ جنگی جیسی صورت حال پیدا ہو گی، اور ہم یہاں اس ہیرو کی زندگی کو جہنم بنا دیں گے جس نے ہماری ائر فورس کا غرور خاک میں ملایا تھا۔" اجیت شیطانی ہنسی ہنسنے لگا۔ "دوہرا قائدہ....."
مولانا کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک آئی۔ "انتقام کی آگ بہت ٹھنڈی ہوتی ہے اجیت، بشرطیکہ اسے صحیح وقت پر جلایا جائے۔ پاکستانی قوم اور اس کے حکمرانوں کو پتا ہی نہیں چلے گا کہ ان کے ساتھ گیم کیا ہوئی ہے۔"
اجیت ڈوبروال پہلو بدل کر رہ گیا..... اگرچہ وہ اس وقت را کی جانب سے "آل ان آل" تھا..... سب کچھ اسی نے سنبھالنا تھا لیکن اسے اپنی قیادت کی یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی کہ انہوں نے مولانا کو اجیت پر فوقیت دی تھی۔
ابھی بھی بہت سے معاملات ایسے تھے جس کے بارے میں ہائی کمان کے بعد زیادہ معلومات مولانا کے پاس تھی۔
اب بھی اس کے دماغ میں یہی چل رہا تھا کہ آخر مولانا کا گیم پلان کیا ہے..... ایسی کون سی چال وہ چلنے والے ہیں جو پاکستان کو شدید ڈنک پہنچا سکتی ہے اور آخر کیا وجہ ہے کہ اسے کچھ بتایا نہیں جا رہا۔
رات گہری ہونے لگی تھی اور قلعے کی بیرونی فصیل پر پہرا ابھی بڑھ گیا تھا۔
قلعے سے کچھ ہی فاصلے پر ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے علی نے اپنے کان میں موجود وائرلیس سیٹ کو ایڈجسٹ کیا۔
"ایگل ٹو، یہ ایگل ون ہے۔ کیا آپ پوزیشن پر ہیں؟" علی نے سرگوشی میں پوچھا۔
"ایگل ون، ایگل ٹو اسپیکنگ۔ ہم قلعے کے جنوبی گیٹ سے پانچ سو میٹر کی دوری پر بیک اپ فراہم کر رہے ہیں۔ بس آپ کے اشارے کا انتظار ہے۔" دوسری طرف سارجنٹ اکرم کی آواز آئی۔
دوسری پارٹی بھی کچھ وقفے کے بعد قلعے کے پاس پہنچ چکی تھی۔
علی نے ریڈیو بند کیا اور اپنے برابر میں بیٹھی گل بانو کی طرف دیکھا۔ گل بانو کا چہرہ چاندنی میں اور بھی معصوم لگ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اب خوف کے بجائے ایک عجیب سی پختگی تھی۔ اس نے علی کو قلعے کے ایک قدیم خفیہ آب کے راستے کی طرف اشارہ کیا جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ڈرینج کا یہ راستہ جدید اور متبادل طریقہ کار اختیار کرنے کی وجہ سے متروک ہو چکا تھا لیکن اس ساخوردہ راستے میں ایک انسان کچھ تنگی کے ساتھ بہر حال گزر سکتا تھا۔
"یہ راستہ سیدھا قلعے کے تہ خانوں میں جاتا ہے۔" گل بانو نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرے دادا بتاتے تھے کہ پرانے وقتوں میں بھی قیدی یہاں سے فرار ہونے کے لیے انہی راستوں کا انتخاب کرتے تھے۔"
"پھر حکمرانوں نے یہ راستہ بند کیوں نہیں کروا دیا؟" علی کے لہجے میں حیرت تھی۔
"یہاں حکمران باقی رہتے تو بند بھی کروا دیتے۔" گل بانو نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہر چند سال بعد تو یہاں کوئی اور ہی قابض ہوتا ہے اور حکومت تبدیل ہو جاتی ہے۔"
علی نے اپنی جدید ساخت کی ویپن گن کو چیک کیا۔ اس میں ملٹی پل آپشن موجود تھے جو ڈاکل کی مدد سے تبدیل ہو جاتے تھے۔ یہ فائر کرنے کے علاوہ بے ہوش کرنے اور چھوٹے گرینیڈ پھینکنے کا فنکشن بھی کر سکتی تھی۔
علی نے گل بانو کا کندھا تھپتھپایا اور بولا۔ "گل..... یہاں سے آگے کا راستہ بہت خطرناک ہے۔ تم یہیں رکو اور محفوظ رہو گی..... میری ٹیم تمہیں کور بھی دے گی۔"
گل بانو نے علی کی آستین پکڑ لی..... اس کی ہلکی بھوری آنکھوں میں التجائیں چھلکنے لگی تھیں۔
"نہیں..... میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو وہاں تک پہنچاؤں گی۔ میں ان راستوں کو آپ سے بہتر جانتی ہوں۔ مجھے ساتھ لے چلیں ورنہ آپ بھول بھلیوں میں گم ہو جائیں گے۔" اس کے لہجے میں ایک معصومانہ ضد تھی۔
علی نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

دماغ کہہ رہا تھا کہ گل بانو کا ساتھ ہونا رسک ہے..... دل نے صدا لگائی لیکن وہ راستے جانتی ہے تو اس کی ضرورت بھی ہے۔

دل کے ساتھ لگائی جانے والی بازی میں دماغ اکثر ہار جاتا ہے۔ اب بھی ایسا ہی ہوا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن میرے بالکل پیچھے رہنا۔ اگر فائرنگ شروع ہو جائے تو فوراً زمین پر لیٹ جانا۔"

وہ دونوں گھنی جھاڑیاں ہٹاتے ہوئے اس تنگ اور تاریک سرنگ نما دراڑ میں داخل ہو گئے۔ اندر بُو اور اندھیرا تھا لیکن علی کے دل کی دھڑکن اور گل بانو کی سانسوں کی ترتیب ایک دوسرے کو حوصلہ دے رہی تھی۔ علی کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ صرف مخبریوں کو چٹخانے نہیں جا رہا بلکہ ایک ایسی حقیقت کو بے نقاب کرنے جا رہا ہے جو پورے ملک کی بنیادیں ہلا سکتی ہے۔

اوپر قلعے کے برج پر موجود گارڈز کی دشمن کو خوفزدہ کرنے کی وقفے وقفے سے کی گئی گولیوں کی تھاپ اور علی کے دل کی دھڑکن اب ایک ہی رفتار پر چل رہے تھے۔ ریسکیو مشن اپنے نازک ترین مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سرنگ کی دیواروں سے رسنے والا گندا پانی اور گھٹن زدہ فضا کسی عام انسان کا دل دہلا دینے کے لیے کافی تھی لیکن ونگ کمانڈر علی خان کے اعصاب جیسے لوہے کے بنے ہوئے تھے۔

اس کے ایک ہاتھ میں جدید ساختہ ٹلٹی پرز ویپنڈ گن تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے گل بانو کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا تاکہ اندھیرے میں وہ راستہ نہ بھٹک جائے۔ انہوں نے محدود روشنی والی ایک ٹارچ جلا رکھی تھی۔

"ہم پہنچ گئے۔" گل بانو نے سرگوشی کی۔ سامنے ہی ایک زنگ آلود لوہے کی جالی تھی جو قلعے کے اندرونی تہ خانے میں کھلتی تھی۔

علی نے اپنی ٹول کٹ میں سے ایک کٹر نکالا اور بڑی مہارت سے جالی کو کاٹنا شروع کر دیا اور دونوں تھوڑی ہی دیر میں اندر داخل ہو گئے۔ وہاں کی فضا میں خون اور بارود کی بو رچی بسی تھی۔ جیسے ہی وہ ایک تاریک راہداری سے گزرے، انہیں کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ علی کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ آواز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

ایک لوہے کے دروازے کی درز سے علی نے اندر جھانکا۔ سامنے سمیر ایک لکڑی کے تختے سے بندھا ہوا تھا، اس کا سر جھکا ہوا تھا اور جسم پر زخموں کے نشانات تازہ تھے۔

"سمیر! میرے بھائی۔" علی نے دل میں کہا اور دروازے کا لاک کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی وہ اس حوالے سے کچھ کرنے ہی لگا تھا کہ بالائی حصے سے آوازیں آنے لگیں..... ان میں مولانا کی آواز بھی تھی۔

"اگر سمیر اور مولانا میں سے کسی کو چننا پڑے تو تمہاری ترجیح مولانا ہونے چاہئیں۔" اسے مشن پر آنے سے پہلے کی گئی بہت سی ہدایات میں سے ایک بات یاد آئی۔

دماغ اسے راہ پر چلانا چاہ رہا تھا لیکن اس کے دل میں سمیر کی حالت فوقیت رکھتی تھی۔ علی آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اسے اوپر والے ہال سے قہقہوں کی آواز سنائی دی۔ اسے تجسس ہوا کہ مولانا کو کس حال میں رکھا گیا ہے۔ اس نے گل بانو کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود بلی کی طرح دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر ہال کے دریچے تک جا پہنچا۔

جو منظر علی نے دیکھا، اس نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔

وہاں کوئی قید خانہ نہیں تھا، نہ ہی کوئی زنجیر..... مولانا احتشام الدین ایک بڑی میز کے سرے پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے افغانی انگور، انار، سیب اور ایرانی قہوہ سجا تھا۔ ان کے دائیں جانب اجیت ڈوبروال بیٹھا ایک پرانے نقشے پر نشانات لگا رہا تھا اور اپنے آئی پیڈ سے اسے اسکین بھی کرتا جا رہا تھا۔

مولانا صاحب..... آپ کی اداکاری کا تو جواب نہیں۔" اجیت ڈوبروال نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پاکستان میں لوگ آپ کے لیے سڑکوں پر نکل رہے ہیں، اور آپ یہاں ہمارے ساتھ اگلا مشن ڈیزائن کر رہے ہیں۔"

مولانا نے اطمینان سے قہوے کی چسکی لی اور اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

"ڈوبروال صاحب، دنیا صرف وہ دیکھتی ہے جو اسے دکھایا جاتا ہے۔ سمیر احمد نے 2025ء کی جنگ میں میرے ان اثاثوں کو تباہ کیا تھا جو سرحد کے دونوں طرف میری طاقت کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ اس کی بہادری کا تمغا اسے یہاں تک لے آیا کہ وہ میرا محافظ بنا۔ اب یہی محافظ دنیا کی نظر میں مفرور یا مردہ قرار پائے گا، اور میری شہادت کا ڈراما پاکستان میں وہ آگ لگائے گا کہ آپ کی انٹیلی جنس کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"

مولانا کا لہجہ اتنا زہریلا اور مکر و فریب سے بھرا تھا کہ علی کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ شخص جسے پاکستانی قوم اپنا رہبر و رہنما مانتی تھی، وہ دراصل دشمن کا سب سے بڑا مہرہ تھا۔ اس نے سمیر کو بچانے کے لیے نہیں، بلکہ اسے دشمن کے حوالے کر کے اپنا اسکور برابر کرنے

کے لیے یہ سارا کھیل رچایا تھا..... اور اب آگے کی پلاننگ بتا رہی تھی کہ وہ پاکستان کی گلیوں میں کشت و خون کا بازار گرم کرنے کا خواہش مند ہے۔

"تو یہ اغوا نہیں تھا۔" علی نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔ "یہ سودا تھا! ایک غدار نے ایک سپاہی کا سودا کیا تھا۔"

علی کا دماغ گھوم رہا تھا لیکن وہ تیزی سے واپس نیچے آیا جہاں گل بانو پریشانی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا ہوا خان صاحب؟ آپ کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟" گل بانو نے سرگوشی میں پوچھا۔

"گل..... سب غلط ہو گیا۔ ہم نے جس مقدس ہستی کو بچانے کا سوچا تھا وہ ہی اس سارے فساد کی جڑ ہے۔ مولانا غدار ہے۔" علی کی آواز میں غصہ اور نفرت کی لہر اتنی شدید تھی کہ گل بانو ایک بار لرز کر رہ گئی۔

گل بانو کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔

"مطلب..... اب ہم کیا کریں گے؟"

اب ہم صرف کمیر کو یہاں سے نکالیں گے۔" علی نے پستول سیدھا کرتے ہوئے کہا۔ "اور ان غداروں کو بتائیں گے کہ پاک فضائیہ کے افسر کا سودا کرنا اتنا آسان نہیں جتنا انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔"

اسی لمحے تہ خانے کے دوسرے سرے سے بھاری بوٹوں کی آواز آنے لگی۔ گارڈز کا گشت شروع ہو چکا تھا۔ علی نے گل بانو کو ایک ستون کے پیچھے چھپایا اور خود حملے کے لیے تیار ہو گیا۔

ایگل ٹو، یہ ایگل ون! ٹیم کو الرٹ کرو۔ ہم دشمن کے حصار میں ہیں، غدار بے نقاب ہو چکا ہے۔ یلغار کے لیے تیار رہو! اوور۔" اس نے مختصر الفاظ میں اندر کی تمام تفصیل دوسری پارٹی کے گوش گزار دی تھی۔

علی نے جیسے ہی وائرلیس پر پیغام مکمل کیا، ایک گارڈ نے اسے دیکھ لیا۔

کون ہے وہاں؟" گارڈ کی چیخ کے ساتھ ہی قلعے کا سکوت گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے ٹوٹ گیا۔

اب یہ صرف ریسکیو مشن نہیں رہا تھا، یہ حق اور باطل کے درمیان ایک ایسی جنگ بن چکا تھا جس کا ایندھن مولانا کی منافقت اور کمیر کا لہو تھا۔

☆☆☆

گولیوں کی بے تحاشا تڑتڑاہٹ نے قلعے کے بوسیدہ تہ خانے کی خاموشی کو چیر کر رکھ دیا۔

علی نے ہینڈ گن کو ہولسٹر میں رکھا اور کندھے سے لٹکی رائفل اتار کر ہاتھ میں لے لی۔ ستون کی آڑ لیتے ہوئے اس نے اپنی ایم۔4 رائفل کا رخ گارڈز کی طرف کیا اور دو برسٹ فائر کیے۔

"ٹھاہ! ٹھاہ! ٹھاہ!" گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ ہی دو گارڈز خون میں لت پت ہو کر گر پڑے جبکہ تیسرے نے پیچھے ہٹ کر الارم کا بٹن بجا دیا۔

سائرن کی تیز اور کان پھاڑ دینے والی آواز پورے سیاہ قلعے میں گونجنے لگی۔ تاریک سائے اب موت کے رقص میں بدل چکے تھے۔ علی نے تیسرے پر بھی ایک برسٹ فائر کیا اور اسے جہنم رسید کر دیا۔

"گل! میرے پیچھے رہنا!" علی نے چلاتے ہوئے کہا اور تیزی سے اس کوٹھری کی طرف بڑھا جہاں کمیر قید تھا۔ اس نے تالے پر گولی چلائی لیکن بھاری تالے پر اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس نے اپنی ہینڈ گن پر گرینیڈ موڈ ایڈجسٹ کیا اور فائر کر دیا۔

ایک کان پھاڑ دھماکا ہوا اور بھاری فولادی دروازہ شور کرتا ہوا نیچے گر گیا۔

گرد کا طوفان تھما تو سامنے کمیر تختے سے بندھا ہوا تھا..... اس کا چہرہ خون اور پسینے سے تر تھا لیکن علی کو دیکھتے ہی اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے..... میرے ونگ کمانڈر۔" کمیر نے نقاہت کے باوجود اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں کہا۔

علی نے تیزی سے اپنا خنجر نکال کر کمیر کی رسیاں کاٹیں اور اپنی شرٹ اتار کر اس کے اوپری بدن کے زخموں کو ڈھانپنے کے لیے فراہم کر دی۔ کمیر کو کھڑا کیا تو علی نے اسے اپنے مضبوط کاندھوں کا سہارا دیا۔

"یار کمیر! تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ چلو جلدی، میری ٹیم باہر انتظار کر رہی ہے۔ ہم پچھلے راستے سے نکلیں گے۔"

گل بانو بھی اندر آ گئی..... اس کی آنکھوں میں اس زخمی پائلٹ کے لیے شدید عقیدت تھی جس کی بہادری کے قصے اس نے سن رکھے تھے۔

"خان صاحب، ہمیں جلدی کرنی ہو گی۔ سائرن بج چکا ہے، امت کے تمام آدمی تہ خانے کی طرف آ رہے ہوں گے۔" وہ علی سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ گرد و غبار سے علی کے سیاہ بالوں میں سفیدی اتر آئی تھی لیکن بیان میں اس کے بازوؤں کی پھڑکتی مچھلیاں دیکھ کر گل بانو کا بھی دل ایک لمحے

انداز میں دھواں کر رہ گیا تھا۔

علی نے سمیر کا بازو اپنے کندھے پر رکھا اور مڑنے لگا لیکن سمیر نے اپنے قدم وہیں جما دیے۔ اس نے علی کا ہاتھ پکڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی نظروں میں اب کوئی تھکن نہیں تھی بلکہ ایک عقاب جیسی تیزی تھی۔ زخمی لیکن بیدار ہو چکا تھا۔

"علی..... ہم ابھی نہیں جا سکتے۔" سمیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب نہیں جا سکتے؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ تم زخمی ہو اور پورا قلعہ ہمارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے!" علی تقریباً چیخ پڑا۔

سمیر نے ایک گہرا سانس لیا۔ "علی، تمہیں کیا لگتا ہے؟ مجھ جیسا پائلٹ اتنی آسانی سے طیارہ ہائی جیک ہونے دیتا؟ میں جان بوجھ کر ان کے جال میں آیا تھا۔"

علی اور گل بانو دونوں ہکا بکا رہ گئے۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"ملٹری انٹیلی جنس کو پچھلے چھ ماہ سے شک تھا کہ مولانا احتشام ملک کے اندر ایک بہت بڑا سلیپر سیل اور خفیہ دہشت گرد نیٹ ورک چلا رہے ہیں لیکن ان کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ پاکستان میں افغانستان سے ہونے والی بھارتی دہشت گردی کے ڈانڈے اکثر ان سے جا ملتے تھے کہ یہ ان دہشت گردوں کے سہولت کار نکلتے تھے۔ مولانا اتنے بااثر ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا پورے ملک کو آگ لگانے کے برابر تھا۔ جب انہوں نے مجھے پائلٹ کے طور پر مانگا تو انٹیلی جنس نے مجھے بریف کیا تھا۔ میں یہاں اس قلعے تک پہنچنے کے لیے ایک چارا تھا تاکہ اس بڑی مچھلی کو پکڑا جا سکے۔" سمیر نے تفصیل بتائی۔

"مچھلی نہیں یہ پورا مگرمچھ ہے..... لیکن آگے اب کیا کرنا ہے؟" علی نے تیزی سے پوچھا۔

سمیر کی حالت خراب تھی، اس نے ایک کھانسی کے ساتھ خون تھوکا اور بات جاری رکھی۔

کئی گھنٹوں کے تشدد کے دوران میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگا لیا ہے۔ اجیت اور مولانا کا سارا ڈیٹا، ان کے سلیپر سیلز کے نام، بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات..... سب کچھ اوپر والے سرور روم کی ایک لال رنگ کی ہارڈ ڈرائیو میں محفوظ ہے۔ اگر ہم وہ ڈرائیو لیے بغیر گئے، تو میرا یہاں آنا اور یہ تشدد سہنا سب بیکار جائے گا۔ وہ پاکستان میں آگ لگا دیں گے۔"

علی نے دانت پیسے اور پھر ایک فکر بھری نگاہ اپنے دوست پر ڈالی۔ وہ جانتا تھا کہ سمیر کی رگوں میں خون سے کہیں زیادہ حب الوطنی دوڑتی ہے۔ اس نے اتنی دیر میں فرسٹ ایڈ کٹ میں سے ایک انجکشن نکالا اور سمیر کو لگا دیا۔ یہ طاقت اور مرہم دونوں کا کام دینے والا تھا۔

"تم سچ میں ایک پاگل انسان ہو۔ ٹھیک ہے! ہارڈ ڈرائیو کہاں ہے؟" علی نے اپنی ویڈ گن ایڈجسٹ کی۔

"دوسری منزل..... دائیں طرف کا آخری کمرا۔"

گل بانو آگے بڑھی، اس نے زمین پر پڑے ایک گارڈ کی کلاشنکوف اٹھائی اور اسے بڑی مہارت سے چیک کیا۔ "خان صاحب، اگر اوپر جانا ہے تو ہمیں مرکزی زینے سے گزرنا ہوگا۔ میں کور فائر دوں گی۔"

علی نے حیرت سے گل بانو کو دیکھا، وہ معصوم سی لڑکی اب ایک جنگجو بن چکی تھی۔ "تم واقعی کمال ہو گل..... چلو!"

وہ تینوں دوا خانے سے نکل کر قلعے کے مرکزی زینے کی طرف بڑھے جہاں سے دوسری منزل تک جانا آسان ہو جاتا۔ اسی اثنا میں اوپر سے اجیت کے دہشت گردوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

"ایگل ٹو ایگل ون ہے! ہمیں ڈارون چاہیے! دہشت گرد ہم پر حملہ آور ہیں..... ان کی توجہ ہم سے ہٹانے کے لیے قلعے کے مشرقی حصے پر حملہ کرو..... ابھی!" علی نے وائرلیس پر چیختے ہوئے حکم دیا۔

حکم پر فوری عمل ہوا..... اگلے ہی لمحے، قلعے کے باہر ایک زوردار دھماکا ہوا۔ سارجنٹ اکرم کی ٹیم نے راکٹ لانچر سے بیرونی دیوار اڑا دی تھی۔ دہشت گردوں کی آدھی سے زیادہ نفری بوکھلا کر اس دھماکے کی طرف بھاگی۔

اسی افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے علی نے سیڑھیوں پر دو اسموک گرینیڈ پھینکے۔ دھوئیں کے بادلوں میں علی اور گل بانو نے اندھا دھند مگر درست فائرنگ کی جس سے اوپر کھڑے گارڈز نیچے آ گرے۔ سمیر جس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا، علی کے کور میں لنگڑاتا ہوا اوپر تک پہنچا۔

دوسری منزل کے کوریڈور میں اجیت کے خاص کمانڈوز موجود تھے جنہیں وہ انڈیا سے بطور خاص اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کمانڈو نے سمیر پر نشانہ لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا گل بانو نے ایک ماہر نشانہ باز کی طرح اسے سینے پر گولی مار کر گرا دیا۔

دوسرے کمانڈو نے اپنے ساتھی کا بدلہ لینے کے لیے گل بانو کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تو علی کی گن نے موت کا قہقہہ لگاتے ہوئے اسے جہنم کا راستہ دکھا دیا۔

علی اور سمیر پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے کا بھاری نقصان ان خاص کمانڈوز کو گل بانو کی شاندار نشانہ بازی کی

ملاحیت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے ہوا تھا۔

وہ تینوں دوڑتے ہوئے سرور روم کے دروازے پر پہنچے۔ علی نے دروازے کے لاک پر گولی چلائی اور اسے لات مار کر کھول دیا۔ اندر کئی کمپیوٹر اسکرینز روشن تھیں۔ لیکن کمرا کسی انسانی وجود سے خالی تھا۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ افغانستان کے ایک ویران علاقے کے تقریباً متروک قلعے میں اتنا جدید کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر بھی بنایا جا سکتا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ تینوں اندر کا ماحول دیکھ کر ایک بار ششدر رہ گئے تھے۔

زیادہ دیر تک ان کی یہ کیفیت نہ رہی اور انہوں نے سرخ ہارڈ ڈرائیو کی تلاش شروع کر دی۔ گل بانو دائیں جانب جبکہ علی بائیں جانب مڑ گیا۔

"وہ رہی! وہ لال ڈرائیو!" سمیر نے ایک طرف اشارہ کیا جو مین سرور کے ساتھ لگی تھی۔

علی نے تیزی سے ڈرائیو نکالی اور اپنے خاکی ٹراؤزر کی ایک خفیہ جیب میں محفوظ کر لی۔ "مشن مکمل! اب یہاں سے نکلنے کا وقت ہے۔"

"واہ ہیرو واہ....." اچانک پیچھے سے تالیوں کی آواز آئی۔ "ایسے کیسے میں تم لوگوں کو نکلنے دوں؟"

وہ تینوں تیزی سے مڑے۔ سرور روم کے دروازے پر اجیت ڈوبروال کھڑا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں ایک آٹومیٹک اسالٹ گن تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک ریموٹ کنٹرول۔ اس کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

مولانا احتشام اس کے پیچھے محفوظ فاصلے پر کھڑے تھے۔

علی نے سمیر اور گل بانو کو غیر محسوس انداز میں اپنے پیچھے کر لیا۔

"بہت بہادر ہو تم لوگ۔" اجیت ڈوبروال نے خباثت سے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا تم نے سوچا تھا کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دوں گا؟ یہ قلعہ کئی۔ 4 ٹن کا خیر مواد سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس کا ریموٹ میرے ہاتھ میں ہے۔ ایک بٹن..... اور تم سب راکھ۔"

"تم خود بھی تو مرو گے....." علی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "میں تو کہتا ہوں مولانا کو ہمارے حوالے کرو اور اپنی بدصورت شکل گم کر دو یہاں سے۔"

"مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا....." اجیت کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی لیکن مولانا کے چہرے پر خوف کے سائے لرزنے لگے تھے۔ "وطن اور قوم کے لیے مرمٹنے والا جذبہ شاید تم مسلمانوں سے ہی سیکھا ہے۔"

علی نے یہ ہرزہ سرائی سن کر اپنی ساتھی کا رخ اجیت کی طرف کیا لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ گولی چلنے سے پہلے اجیت کا انگوٹھا بٹن دبا دے گا۔ کمرے میں ایک جان لیوا خاموشی چھا گئی تھی اور موت کے سائے ان سب کے سروں پر لہرانے لگے تھے۔

☆☆☆

سرور روم میں موت جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اجیت ڈوبروال کے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول پر اس کا انگوٹھا کسی بھی لمحے دب سکتا تھا، جس کا مطلب تھا، سیاہ قلعے کے ساتھ ساتھ ان سب کا راکھ کے ڈھیر میں بدل جانا تقریباً طے تھا۔ اس کے دو خاص گارڈز بھی آن پہنچے تھے۔ انہوں نے مولانا کو ایسے گھیرے میں لے لیا جیسے شکر گھیر ہوں۔

"سرینڈر کرنے میں ہی تمہارا فائدہ ہے..... ورنہ تمہارا یہ ریسکیو مشن..... مشن ڈیڈ باڈیز میں بدل جائے گا۔" اجیت نے دھمکی دی۔

مولانا احتشام کے چہرے پر ایک فاتحانہ اور خبیث مسکراہٹ نمودار ہو چکی تھی۔ وہ شخص جو منبر پر بیٹھ کر موت سے نڈرنے کے درس دیتا تھا، آج ایک بزدل کی طرح دشمن کی آڑ میں کھڑا تھا۔

علی کا دماغ کمپیوٹر سے بھی تیز چل رہا تھا۔ فاصلہ پندرہ فٹ سے بھی زیادہ تھا۔ گولی چلنے میں ایک سیکنڈ کا سو واں حصہ لگتا لیکن اجیت کا انگوٹھا ہٹنے میں اس سے بھی کم وقت درکار تھا۔

"علی..... کھڑکی کے باہر دیکھو۔" سمیر جو علی کے عقب میں ٹھہرا تھا، اس نے دھیمی سی سرگوشی کی۔

علی نے اپنی آنکھوں کا زاویہ ہلکا سا بدلا۔ سرور روم کی بڑی شیشے کی کھڑکی کے پار اندھیرے میں ایک ہلکی سی سرخ لیزر لائٹ اجیت کے ماتھے پر رقص کرنے لگی تھی۔ یہ سارجنٹ اکرم کی ٹیم کے اسنائپر کا نشانہ تھا۔ علی کا وائرلیس ابھی بھی آن تھا اور اس کی خاموشی دراصل اکرم کے لیے ایک سگنل تھی۔

"کیا کھسر پھسر کر رہے ہو تم دونوں؟ آخری کلمہ پڑھ رہے ہو؟" اجیت نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں....." علی کی آنکھوں میں ایک شعلہ لپکا۔ "تمہاری چتا کی تیاری کر رہے ہیں۔"

اپنے کریا کرم کی بات سن کر اجیت کو کچھ شک ہو گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس نے جھکائی دی اور ریموٹ والا ہاتھ بلند کیا۔

ٹھاہ! ایک گرج دار آواز نے رات کا سینہ چیر دیا۔

ایک ہائی کیلیبر اسنائپر گولی..... کھڑکی کا موٹا شیشہ چکنا چور کیا اور سیدھی اجیت کے کلائی والے ہاتھ کو حادثے پاروں جس میں اس نے ریموٹ پکڑ رکھا تھا۔

"آآآہ!" اجیت ایک بھیانک چیخ مار کر پیچھے ہٹا۔ اس کا ہاتھ لہولہان ہو گیا اور ریموٹ کنٹرول چھوٹ کر زمین پر جا گرا تھا۔

اسی سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں علی حرکت میں آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی رائفل سے فائر کھول دیا۔ اجیت کے پیچھے کھڑے دونوں گارڈز کو سنبھلنے کا وقت ہی نہیں ملا اور وہ موقع پر ہی ڈھیر ہو گئے۔

مولانا احتشام، جو موت کو اتنے قریب دیکھ کر بوکھلا چکے تھے، وہ تیزی سے کور یڈور کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ سمیر اور گل بانو تیزی سے باہر نکلے تاکہ مولانا کے فرار کو ناکام بنا سکیں۔

"اجیت کو میں دیکھتا ہوں! تم دونوں مولانا کو بھاگنے مت دو!" علی نے چلاتے ہوئے کہا۔

اجیت ڈوبروال زخمی ہونے کے باوجود ایک تربیت یافتہ ایجنٹ تھا۔ اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے شاٹ گن اٹھائی اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ علی نے خود کو میز کے پیچھے چھپایا۔ گن سے نکلنے والے چھرے دیواروں اور سرور کی مشینوں سے ٹکرائے، جس سے شدید شارٹ سرکٹ ہوا اور مشینوں میں آگ لگ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سرور روم میں شعلے بھڑک اٹھے۔

علی نے مین سرور کی آڑ میں سے ریموٹ کنٹرول کو نشانہ بنایا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ اجیت ڈوبروال جو خوشی خوشی علی کی پسپائی کے بعد ریموٹ کو اٹھانے لگا تھا، چونک کر رہ گیا۔ اس کا سانولا چہرہ مزید تاریک ہو گیا تھا..... اس نے شاٹ گن کا رخ مین سرور کی جانب کیا اور فائرنگ کرنے لگا۔

علی نے ڈائیو لگائی اور ایک میز کے پیچھے پوزیشن لی۔ قلعے کے باہر اب باقاعدہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ سارجنٹ اکرم کی ٹیم نے قلعے کے بیرونی حصار کو توڑ دیا تھا اور افغان وادی گولیوں اور راکٹوں کی گونج سے لرز رہی تھی۔

اجیت نے ایک اور فائر کیا جس سے علی کی عارضی مورچے کی حیثیت والی میز اڑ گئی۔

"تم یہاں سے زندہ نہیں جاؤ گے پاکستانی!" اجیت دہاڑا۔

علی کی رائفل کی گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے رائفل کو ایک طرف پھینکا..... ہینڈ ٹو ہینڈ دست بدست لڑائی میں سود مند ثابت نہیں ہو گی لہٰذا اس نے اپنی ٹیکٹیکل نائف نکالا اور دھوئیں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک چیتے کی طرح اجیت پر جھپٹا۔

دونوں کے درمیان ایک خونریز دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ اجیت نے شاٹ گن کے بٹ سے علی کے چہرے پر وار کیا، لیکن علی نے اسے بلاک کر کے اجیت کے زخمی بازو پر زوردار لات ماری۔ اجیت کراہتے ہوئے پیچھے ہٹا، لیکن پھر پلٹ کر اس نے علی کی گردن دبوچ لی..... علی ایسی پھرتی کی توقع نہیں کر رہا تھا اس لیے ٹیک لاک میں پھنس گیا..... اس کا خنجر والا ہاتھ بھی بیچ میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

"تم نے میرا پورا پلان تباہ کر دیا!" اجیت کے منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا۔

علی کا سانس رکنے لگا لیکن اس نے اپنی پوری قوت اکٹھی کی اور خنجر والے ہاتھ کو آزاد کر کے پوری طاقت سے خنجر اجیت کی پسلیوں کے درمیان اتار دیا۔ اجیت کی آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی اور وہ خون تھوکتا ہوا زمین پر گر گیا۔

"یہ اس خون کا حساب ہے جو تم نے میری سرحدوں پر بہایا ہے۔" علی نے ہانپتے ہوئے خنجر نکالا اور اس بار اجیت کی گردن میں گھونپ دیا۔

وہ کسی ذبح ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا..... علی اسے زمین پر تڑپتا چھوڑ کر کور یڈور کی طرف بھاگا۔

باہر راہداری میں صورت حال انتہائی غراب تھی۔ آگ اب پورے فلور پر پھیل چکی تھی اور پرانے قلعے کی لکڑی کی چھتیں چٹخنے لگی تھیں۔ دھوئیں میں سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔

کچھ فاصلے پر گل بانو نے سمیر کو سہارا دیا ہوا تھا اور وہ دونوں مولانا کے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن سمیر کے زخموں اور نقاہت کی وجہ سے ان کی رفتار سست تھی۔

"خان صاحب! وہ چھت کی طرف گیا ہے! وہاں ایک ہیلی کاپٹر کی آواز آ رہی ہے!" گل بانو نے علی کو آتے دیکھ کر کھانستے ہوئے کہا۔

علی نے اپنی جیب پر ہاتھ مار کر تسلی کی کہ وہ لال ہارڈ ڈرائیو محفوظ ہے۔ "گل بانو، تم سمیر کو لے کر نیچے جاؤ۔ اکرم کی ٹیم گیٹ پر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ میں مولانا کو لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں علی!" سمیر نے نقاہت کے باوجود سختی سے کہا۔ "وہ درندہ اکیلے نہیں مرے گا۔ میں بھی اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"خان صاحب..... ہم آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم ساتھ آئے تھے، ساتھ ہی واپس جائیں گے۔" گل بانو نے بھی ضد کی۔ اس کے صبیح چہرے پر کالا دھواں اثر دکھانے لگا تھا لیکن آنکھوں کا عزم ویسا ہی تھا۔

سیاہ قلعے کی دیواریں لرز رہی تھیں۔ چھت سے جلتی ہوئی لکڑیاں گر رہی تھیں۔ علی نے جان لیا کہ اب بحث کا وقت نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے، جلدی کرو ابھی چھت پر موجود ہیلی پیڈ بھی فوراً پہنچنا ہے!"

وہ تینوں آگ کے اس دریا کو چیرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھے جو قلعے کی چھت تک جاتی تھیں۔ اوپر پہنچ کر دروازہ کھولا تو رات کے آخری پہر کی ٹھنڈی ہوا ان کے چہروں سے ٹکرائی۔ چھت پر ایک چھوٹا سا بلیک ہاک ہیلی کاپٹر کھڑا تھا جس کے پنکھے تیزی سے گھوم رہے تھے۔

مولانا احتشام الدین ہیلی کاپٹر کے دروازے پر کھڑے تھے اور پائلٹ کو جلدی اُڑان بھرنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ان کا وہ سفید جبہ جو نورانیت کی علامت تھا، اب دھوئیں اور گرد سے کالا ہو چکا تھا، بالکل ان کے دل کی طرح۔

"احتشام الدین!" علی کی گرجدار آواز ہیلی کاپٹر کے شور سے بھی زیادہ بلند تھی۔ اس نے اپنی ویپن گن نکال کر سیدھی مولانا پر تان لی۔ "تمہارا کھیل ختم ہو گیا ہے!"

وہ اس شخص سے اتنی نفرت محسوس کر رہا تھا کہ مولانا جیسا قابلِ عزت لقب بھی اسے دینے کو تیار نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر زمین سے چند فٹ اوپر اٹھ چکا تھا۔ مولانا نے نیچے کھڑے علی، سمیر اور گل بانو کو دیکھا اور ان کے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

☆☆☆

قلعے کی چھت پر ہیلی کاپٹر کے گھومتے ہوئے پروں نے ہوا کا ایک ایسا طوفان کھڑا کر رکھا تھا جس میں کھڑا رہنا بھی محال ہو رہا تھا۔

کالے دھوئیں اور آگ کے شعلوں کے پس منظر میں، بلیک ہاک ہیلی کاپٹر زمین سے چند فٹ بلند ہو چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے کھلے دروازے میں کھڑے مولانا احتشام الدین کے چہرے پر موت کے خوف اور فرار کی خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے علی! میں تمہارے ملک کا وہ سچ ہوں جسے کوئی نہیں مٹا سکتا!" مولانا کی آواز ہیلی کاپٹر کے شور میں کٹ کٹ کر آ رہی تھی۔

علی نے اپنے پستول کی نال سیدھی کی، لیکن ہیلی کاپٹر کا زاویہ ایسا تھا کہ گولی سیدھی مولانا کو لگتی یا پھر پائلٹ کو۔ اگر پائلٹ مارا جاتا تو ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر ان تینوں پر بھی گر سکتا تھا۔ گرینیڈ استعمال کرنے سے بھی کم و بیش یہی نتیجہ نکلنا تھا۔ علی کا تربیت یافتہ دماغ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں حساب لگا رہا تھا۔

"خان صاحب! وہ فرار ہو رہا ہے!" گل بانو چلائی، اس نے سمیر کو سہارا دیا ہوا تھا جس کی ٹانگ سے خون رس کر چھت کے فرش پر گر رہا تھا۔

علی نے پستول کا رخ ہلکا سا تبدیل کیا اور ہیلی کاپٹر کے ٹیل روٹر یعنی پچھلے پنکھے کو نشانہ بنایا۔ وہ پہلے ہی اس کے ڈاکل سے گرینیڈ سوا ہٹا کر فائر سوا آن کر چکا تھا۔

"فضاء افضاء افضاء!"

مسلسل تین فائر۔ گولیاں سیدھی ٹیل روٹر کی موٹر میں پیوست ہوئیں۔ ایک زوردار چنگاری اٹھی، دھات کے گھرانے کی خوفناک آواز آئی اور ہیلی کاپٹر کا توازن اچانک بگڑ گیا۔ وہ فضا میں ایک لٹو کی طرح گھوما۔ مولانا، جو دروازے پر کھڑے تھے اپنا توازن کھو کر اندر کیبن میں جا گرے۔

ہیلی کاپٹر ہچکولے کھاتا ہوا چھت کے ایک کونے پر زوردار دھماکے سے گرا۔ اس کا پچھلا حصہ تباہ ہو گیا تھا اور انجن سے دھواں نکل رہا تھا، لیکن خوش قسمتی سے فیول ٹینک محفوظ رہا جس کی وجہ سے وہ آگ کا گولہ بننے سے بچ گیا تھا۔

علی، سمیر اور گل بانو محتاط قدموں کے ساتھ اس تباہ شدہ ڈھانچے کی طرف بڑھے۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ بے ہوش ہو چکا تھا۔ پیچھے کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک کراہتا ہوا وجود باہر گرا۔

متحدہ عرب امارات میں مقیم
اردو قارئین کے لیے خوشخبری

جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کراچی (پاکستان)
کے چاروں رسائل

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت

ایک فون کال کے فاصلے پر

آپ کال کریں، مطلوبہ رسالہ آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا۔
اردو بک ورلڈ ایف زیڈ سی۔ بزنس سینٹر، شارجہ پبلشنگ سٹی
فری زون، الزاہیہ، شیخ محمد بن زاید آر ڈی، ای 311 شارجہ

97150480534

URDU BOOKS WORLD FZC,
BUSINESS CENTRE
SHARJAH PUBLISHING CITY
FREE ZONE, AL ZAHIA,
SHEIKH MOHAMMED BIN ZAYED RD,
E311, SHARJAH, UNITED ARAB EMIRATES

یہ مولانا احتشام الدین تھے۔ ان کا وہ سفید، نورانی لباس اب کالے دھوئیں، مٹی اور انجن کے تیل سے لت پت تھا۔ ان کا سر پھٹ چکا تھا اور چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ شخص جو کچھ گھنٹے پہلے تک ایک پُرتعیش کمرے میں بیٹھ کر پورے ملک کی تقدیر سے کھیل رہا تھا، اب ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح زمین پر پڑا ہانپ رہا تھا۔

علی تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے مولانا کے سینے پر بوٹ رکھ کر اسے زمین سے لگا دیا۔ پستول کی گرم نال سیدھی مولانا کی کنپٹی پر تھی۔

"کھیل ختم، پیسا ہضم..... غدارِ وطن!" علی کی آواز میں وہ غضب تھا جو ایک محبِ وطن فوجی کو اپنے ملک کے سوداگروں کو دیکھ کر آتا ہے۔

مولانا نے کھانستے ہوئے علی کو دیکھا اور پھر اچانک ان کے ہونٹوں پر ایک زہریلی اور تمسخرانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "تم سمجھتے ہو تم..... جیت گئے ہو ونگ کمانڈر؟ یہ لال ہارڈ ڈرائیو اور یہ میری گرفتاری..... یہ..... یہ سب بے معنی ہے۔"

"تم سے کس نے کہا کہ تم گرفتار ہونے لگے ہو؟" علی کے لہجے میں تمسخر تھا۔

سمیر لنگڑاتا ہوا گل بانو کے سہارے آگے آیا۔ اس کی آنکھوں میں شدید تکلیف کے باوجود ایک فاتحانہ چمک تھی۔

"بے معنی نہیں ہے مولانا۔ آج تمہارا وہ چہرہ بے نقاب ہو گیا ہے جس کے پیچھے چھپ کر تم نے اس قوم کے ایمان اور جذبات کا سودا کیا۔"

مولانا کا چہرہ جو علی کی بات پر رنگت بدل رہا تھا وہاں مسکراہٹ نمودار ہونے لگی..... انہوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جو کھانسی میں بدل گیا۔

"ایمان؟ جذبات؟ تم جیسے جذباتی بیوقوفوں کو کیا معلوم کہ طاقت کا کھیل کیا ہوتا ہے! سمیر احمد، تم نے 2025ء میں دشمن کی جس بارود کی فیکٹری اور اسلحے کے ڈپو پر بمباری کی تھی، وہ ہندوستان کا نہیں تھا..... وہ میرا تھا! میری وہ سلطنت جو میں نے پچھلی دو دہائیوں میں بنائی تھی۔ اس حملے میں میرا سگا بھائی مارا گیا جو اس فیٹ ورک کو چلا رہا تھا۔ تم نے ایک دن میں میری اربوں کی وہ سلطنت اور میری خونی رگ کاٹ دی تھی!" مولانا نے ہانپتے ہوئے کہا۔

گل بانو نے حیرت اور نفرت سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ "تو آپ نے ایک ذاتی بدلے کے لیے، چند پیسوں اور جھوٹی انا کے لیے اپنے ہی ملک کو آگ میں جھونک دیا؟ آپ تو منبر پر بیٹھ کر اسلام اور امن کی باتیں کرتے تھے۔"

"میری بھی، منبر تو صرف ایک اسٹیج ہے۔" مولانا کے لہجے کی مٹھاس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ "اصل اسکرپٹ تو کہیں اور لکھا جاتا ہے۔ پاکستان میں میرے اغوا اور مرنے کی خبر سے جو آگ لگی ہے اسے تم لوگ نہیں بجھا سکتے۔ میں اگر تمہارے ہاتھوں زندہ گرفتار واپس گیا تو یہ عوام تمہیں ہی مجرم سمجھے گی کہ تم نے ان کے رہنما کو اغوا کیا۔ میں زندہ رہوں یا مر جاؤں..... نقصان تمہارا ہی ہے۔ تم لوگ چاروں طرف سے بُری طرح پھنس چکے ہو۔"

علی نے غصے سے پستول کا رخ مولانا کی آنکھوں کے عین درمیان کیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا، لیکن یہ خوف سے نہیں بلکہ اس شدید غصے کی وجہ سے تھا کہ کوئی انسان اتنا گر کیسے سکتا ہے۔

"نیچ انسان..... تمہاری اس گندی سیاست اور مکر نے ہزاروں ماؤں کے بچے چھینے ہیں۔ تم جیسی دیمک نے اس ملک کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔" علی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی پروا نہیں کہ کل نیوز میں کیا آئے گا۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ آج میں اس ملک کو ایک غدار سے پاک کر دوں گا۔"

علی نے گن کا ڈائل بدلا۔ 'کلک!'

سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا تھا..... تاریک رات کے اختتام میں یہ آواز موت کے پروانے جیسی تھی۔ مولانا کی آنکھوں میں پہلی بار حقیقی خوف کی جھلک نظر آئی۔ اس نے جان لیا تھا کہ یہ فوجی افسر اب کسی پروٹوکول، کسی قانون یا کسی میڈیا ٹرائل کی پروا نہیں کرنے والا۔ علی کی انگلی ٹریگر پر دباؤ بڑھانے لگی۔

قلعے کے نیچے سے اکرم کی ٹیم کے اوپر آنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آگ کے شعلے چھت کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ ہر چیز تباہی کے دہانے پر تھی، اور علی کے رگ و پے میں دوڑتی آگ مولانا کے خون سے ہی ٹھنڈی ہونے والی تھی۔

وقت جیسے تھم کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

آگ کے شعلے اب قلعے کی فصیلوں کو چھو رہے تھے اور گزشتہ رات کے ملگجے اندھیرے کو ایک بھیانک سرخی میں بدل چکے تھے۔

علی کی انگلی پستول کے ٹریگر پر دباؤ بڑھا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت صرف ایک ہی منظر تھا۔ وہ ماؤں کے آنسو، سرحدوں پر بہنے والا جوانوں کا خون اور اس شخص کی منافقت جس نے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر ملک کا سودا کیا تھا۔

"جہنم میں جاؤ مولانا!" علی نے غرا کر کہا تو مولانا نے

آنکھیں موند لیں۔

"رک جاؤ علی!" ایک کانپتا ہوا لیکن انتہائی مضبوط ہاتھ اچانک علی کے پستول والے ہاتھ پر آکر پڑا۔ یہ سمیر تھا۔ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا چہرہ اذیت سے پیلا پڑ چکا تھا لیکن اس کی گرفت میں ایک عجیب سی طاقت تھی۔

علی نے حیرت اور غصے سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ "سمیر! میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ اس درندے نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، اس نے ہمارے ملک کے ساتھ کیا کیا ہے! یہ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے۔"

مولانا موت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند کر چکا تھا اچانک ہی ہانپتے ہوئے دوبارہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

"علی، میں جانتا ہوں کہ تمہارے اندر کا غصہ حق بجانب ہے۔ لیکن ذرا سوچو، اگر تم نے اسے یہاں گولی مار دی، تو کیا ہوگا؟" سمیر نے علی کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوگا؟ ایک غدار کا خاتمہ ہوگا!" علی چلایا۔

"نہیں! ایک شہید کا جنم ہوگا....." سمیر کی آواز بھاری تھی۔ "پاکستان کے لوگ، جو اس کی اصلیت نہیں جانتے، وہ سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ وہ اسے ایک عظیم رہنما مانتے ہیں..... وہ سمجھیں گے اسے دشمنوں نے شہید کر دیا..... بھارتی میڈیا اس کا الزام پاکستان حکومت پر بھی لگا سکتا ہے..... پورا ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس نے کمانڈ سینٹر میں بیٹھ کر انڈیا میں کیا کیا انفارمیشن دی ہیں۔ ملک میں شورش ہو گی تو یہ وہی تو چاہتا ہے! اس کی موت وہ آگ لگائے گی جسے ہماری پوری فوج مل کر بھی نہیں بجھا پائے گی۔"

علی کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے ہلکا سا کانپ کر رہ گیا..... سمیر کی باتوں میں ایک تلخ حقیقت چھپی تھی۔

سمیر نے مولانا کی طرف حقارت سے دیکھا اور بات جاری رکھی۔ "کبھی کبھی، بڑی تباہی سے بچنے کے لیے، ان ضروری برائیوں کو زندہ رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی موت سے انتقام پورا ہوگا..... لیکن اس کی زندگی..... اس سرخ ہاؤ ڈرائیو کے ساتھ..... انصاف ہوگی۔ ہم اسے انکی جس کے حوالے کریں گے۔ اس کا پورا نیٹ ورک، اس کی اربوں کی سلطنت خاموشی سے تباہ کی جائے گی۔ اسے ایک ایسی گمنام موت دی جائے گی کہ تاریخ کے اوراق میں اس کا نام و نشان تک نہیں رہے گا۔"

"خان صاحب، سمیر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" گل بانو جو خاموشی سے یہ سب سن رہی تھی آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "اس شخص کی موت اسے ہیرو بنا دے گی۔ اسے اس کے اپنے بچھائے ہوئے جال میں زندہ دفن ہونے دیں۔"

علی نے ایک گہرا سانس لیا..... اس نے آہستہ آہستہ اپنی گن نیچے کر لی۔

اس کی آنکھوں کا خسارہ ایک نئے عزم میں بدل چکا تھا۔ اس نے مولانا کے گریبان کو بے رحمی سے تھاما۔

"تمہیں موت نہیں ملے گی مولانا۔ تمہاری سب سے بڑی سزا یہ ہوگی کہ تم زندہ رہو گے اور تمہاری بنی ہوئی سلطنت تمہاری آنکھوں کے سامنے راکھ ہو جائے گی۔" علی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

اسی لمحے سیڑھیوں کا دروازہ دھماکے سے کھلا اور اکرم اپنی ٹیم کے ہمراہ چھت پر پہنچ گیا۔

"سر! قلعہ تباہ ہونے والا ہے، ہمیں فوراً نکلنا ہوگا۔" اکرم نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"اس غدار کو جھٹکوں کی ٹکاؤ سے تڑپا تڑپا کر مارنے کے لیے لے جانا ہے۔" علی نے حکم دیا۔

مولانا احتشام کو جب آہنی جھکڑیوں میں جکڑا گیا تو اس کی آنکھوں میں جتنی اور بھیانک بے بسی تھی وہ بیان سے باہر تھی کہ اس کا کھیل ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ وہ مکڑی جس سے وہ پاکستان کو کنٹرول کرنا چاہتا تھا، اب اس کے سامنے جل کر خاکستر ہو رہا تھا۔

☆☆☆

رمضان کے مہینے سے قبل ہونے والی اس کارروائی کے بھیانک اثرات کے باعث اس مبارک مہینے کا آغاز ہی ملک بھر میں سکون کا ماحول تھا۔

مولانا احتشام الدین کا انجام اور پھر ان کی گرفتاری کے بعد پورے ملک میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ ریاست نے انتہائی دانشمندی سے کام لیا۔ لال ہاؤ ڈرائیو سے ملنے والی معلومات کی بنیاد پر ساتوں ریاستوں میں چھاپے مارے گئے اور مولانا کے سینکڑوں کارندوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ مولانا کا سب راست زیر تھی ایک ایسی ہی ریڈ کے دوران مارا گیا تھا۔

عوام کو صرف اتنا بتایا گیا کہ مولانا کی طبیعت خراب ہے اور وہ صحت یابی کے لیے تمام سیاسی و مذہبی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو کر ایک محفوظ مقام پر منتقل ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ ایک انتہائی سکیورٹی والے اپنے ہی محل نما گھر میں اپنی بچی زندگی کے آخری دن گن

گزارنے کے لیے دھکیل دیے گئے تھے جہاں وہ سیکیورٹی اداروں کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتے تھے۔

اجیت ڈوبروال کا نیٹ ورک افغانستان میں ہی اس کے ساتھ دفن ہو چکا تھا۔ اس کی ہارڈ ڈرائیو سے ملنے والی معلومات کافی کارگر ثابت ہوئی تھی اور سرحد پار سے ہونے والے حملوں کی روک تھام کے لیے پاک فضائیہ نے کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔ علی نے اس دوران کئی دہشت گردوں کے ٹھکانوں کو بمباری کا نشانہ بنایا تھا۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں ملک بھر میں وقتاً فوقتاً ہونے والے خودکش حملوں کا سلسلہ بھی رک گیا تھا۔

وہ عید کا تیسرا دن تھا اور ونگ کمانڈر علی خان ایک ملٹری جیپ کے پاس کھڑا تھا۔

اس نے آج وردی پہن رکھی تھی اور اس کے سینے پر سجے تمغے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اس کے سامنے گل بانو اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ آج واپس افغانستان، اپنے گاؤں جا رہی تھی تاکہ اپنے لوگوں کی خدمت کر سکے۔

گل بانو کی آنکھوں میں آج دھول یا خوف نہیں تھا بلکہ ایک گہری چمک اور ہلکی سی اداسی تھی۔

"تو خان صاحب..... ہمارا سفر یہیں تک تھا؟" گل بانو نے اپنی چادر کو درست کرتے ہوئے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"یہ سفر کا اختتام نہیں ہے، گل بانو۔ تم نے ایک سپاہی کی جان بچائی، اس کے دوست کو بچایا۔ تمہارا بہت شکریہ۔"

علی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبا تھمایا۔ اس میں ایک خوب صورت ریشمی چادر اور ایک نازک سی رسٹ واچ تھی جس میں ایک چھوٹا سا ٹریکر بھی لگا ہوا تھا۔ علی نے اس بارے میں گل بانو کو آگاہ کر دیا تھا۔

"صرف شکریہ؟" انداز شرارتی تھا۔

"اور کیا کہوں.....؟ منع کرنے کے باوجود واپس جا رہی ہو حالانکہ تمہارے والدین بھی عید کے لیے پاکستان آ گئے تھے۔"

"میرا مقصد بہت بڑا ہے اس لیے جا رہی ہوں..... اور....." اس نے ایک لمحے... توقف کیا۔ "اور..... رکنے کے لیے وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔"

"میرے لیے ہی رک جاؤ..... میں کافی وجہ نہیں ہوں؟" علی نے بالآخر اپنے جذبات کو الفاظ میں بیان کر ہی دیا۔

گل بانو کا چہرہ خوشی اور حیا سے سرخ ہو گیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور جیپ میں بیٹھ گئی۔

"گل..... اب بھی جا رہی ہو؟" علی کے لہجے میں استعجاب نمایاں تھا۔

"مشرق میں دلہنیں اپنے گھر سے ہی وداع ہوتی ہیں..... میں بھی مشرقی لڑکی ہوں اور اپنی برات کا انتظار کروں گی۔" گل نے اپنے گلنار ہوتے چہرے کے ساتھ بمشکل کہا اور جیپ کے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کے لیے کہا۔

جب جیپ دھول اڑاتی ہوئی دور جانے لگی تو علی تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ جنگ کی اس راکھ سے ایک نئی، خوب صورت زندگی جنم لے چکی ہے۔ وہ بے ساختہ ہی خوشی محسوس کرنے لگا۔

شام کا وقت تھا۔ اسپتال کے ڈی آئی پی وارڈ کی کھڑکی کھلی تھی اور ہلکی ہوا اندر آ رہی تھی۔ اسکواڈرن لیڈر سمیر احمد وہیل چیئر پر بیٹھا کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے زخم اب بھر رہے تھے لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔

علی وارڈ میں داخل ہوا اور چلتے ہوئے اپنے دوست کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے کچھ دیر تک بادلوں کو دیکھا جہاں ایک جے ایف۔ 17 تھنڈر طیارہ اپنی معمول کی پرواز پر تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو، ہیرو؟" علی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تمہاری قربانی نے اس ملک کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچا لیا۔ پوری ملٹری لیڈر شپ تمہاری معترف ہے۔"

سمیر نے ایک لمبا سانس لیا اور آسمان سے نظریں ہٹا کر علی کی طرف دیکھا۔

"میں سوچ رہا ہوں علی..... کہ یہ قوم کتنی معصوم ہے۔ انہیں کبھی معلوم ہی نہیں ہوگا کہ جس آگ سے وہ بچ گئے، اسے بجھانے کے لیے کن لوگوں نے اپنے ہاتھ جلائے ہیں۔ ہم فوجی اس آتشِ خاموش کے مانند ہیں جو ملک کو روشنی اور حرارت تو دیتی ہے لیکن خود اندھیرے اور راکھ میں چھپی رہتی ہے۔ سچ پوچھو تو..... مجھے اس گمنامی پر فخر ہے۔"

علی نے فخر سے اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک سمیر جیسے خاموش مجاہد اور گل بانو جیسے بے لوث ساتھی اس مٹی پر موجود ہیں کوئی غدار یا دشمن اس صبح فروزاں کو بجھا نہیں سکتا تھا۔

آسمان پر طیارے کی گونج ایک بار پھر بلند ہوئی جو اس بات کا اعلان تھی کہ فضاؤں کے محافظ جاگ رہے ہیں اور پاکستان کا پرچم ہمیشہ یونہی سربلند رہے گا..... پاکستان زندہ باد!

◆◆◆

صید و صیاد

زویا صفوان

اچھا وقت کچھ دیر کا مہمان ہوتا ہے... محبت کی ڈور سے بندھی خواہشیں کٹی پتنگ کی طرح دل و جاں میں ڈولتے ہوئے مسلسل محوِ پرواز رکھتی ہیں... ایسی ہی اُڑان بھرنے والے دوستوں کی ہنستی مسکراتی زندگی... جیسے ایک ہی دن میں گرہن لگ گیا... وقت و حالات انہیں دھکیل کر ایک ایسے مقام پر لے گئے جہاں منافقت... نفرت... حسد... بغض و عناد اور خوف و دہشت میں مبتلا کر دینے والے اژدھے اُن کے منتظر تھے... دہشت اور وحشت نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا... دن و رات کا اکٹھا سفر انہیں بطلیموس کے مانند گھما رہا تھا... قید و بند نے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا... صید و صیاد کے جال میں جکڑ جانے والوں کی بپتا...

مصائب کی زہریلی بارشوں سے گزر کے موت کی دہلیز پر منتظر ہولناک پروانہ زیست

سفر کا آغاز بے حد خوشگوار تھا۔ موسم کی دلفریبی بھی مزاج میں ایک ترنگ پیدا کر رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے چاروں افراد کے چہرے جوش اور خوشی سے دمک رہے تھے۔ اُن کی عمریں اٹھارہ سے بیس سال کے لگ بھگ تھیں۔ لہجے سے بے فکری اور ثروت خاصی نمایاں تھی۔

کچھ ہی لمحوں بعد اگلی نشست پر بیٹھی شینا نے سر پیچھے موڑ کر لطف اندوز ہونے کے لیے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔

"ارے یار! مت اوپن کرو ونڈو۔" پچھلی نشست پر

رونی کے ہمراہ بیٹھی ماریہ نے نزاکت سے اسے مخاطب کیا۔
"کم آن! انجوائے کرو۔" ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ارسل نے حسبِ عادت شیخی کا دفاع کیا۔
"ماریہ کو ڈسٹ الرجی ہے یار! اس کی اسکن پر ریش ہو جاتے ہیں۔" رونی نے بھی اپنی ذمے داری 'فی الفور' نبھائی۔
"مجھے ماریہ پر پورا یقین ہے۔ اس کے پاس کوئی نہ کوئی کریم یا لوشن ٹائپ پراڈکٹ ہوگی۔" ارسل معنی خیزی سے مسکرایا۔ "ویسے بھی میں نے پہلے ہی سب کو بریف کر دیا تھا کہ انجوائے منٹ پر کوئی کمپرومائز نہیں ہوگا۔ سب ارینجز اور پرابلم کا کوئی نہ کوئی سولیوشن سوچ کر آنا۔"
ماریہ نے ترچھی نگاہوں سے ارسل کی جانب دیکھا۔ اس کی شخصی وجاہت، ورزشی جسم اور سبزی مائل آنکھیں مقابل کے لیے مزاحمت کی کوئی راہ ہی نہ چھوڑتی تھیں۔ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے رونی نے موضوعِ گفتگو تبدیل کرنے کی غرض سے کہا۔
"میوزک ہی لگا دو بڑی!"
ارسل نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی میں نصب جدید میوزک سسٹم کو اپنی انگلیوں کے لمس سے فعال کر دیا۔ اگلے ہی لمحہ ایک بھرپور تان کے ساتھ موسیقی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ، کندھے اور قدم بے اختیار تھرکنے لگے۔ وہ سُرور کے عالم میں گانے کے بول بھی دہرانے لگا تھا۔
"رستے میں سڑک پہ..... اِک موڑ آیا..... میں اوتھے دل چھوڑ آیا۔"
رونی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔
"واٹس سو فنی؟" شینا نے بیک ویو مرر سے اسے گھورا۔
"ارسل کی چوائس بالکل ٹرک ڈرائیورز جیسی ہے۔" اس نے ہنسی کے فوارے میں ہی بات مکمل کی۔
اس تشبیہ نے تینوں افراد کو بھی بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر دیا۔
"سفر کے دوران تو ایسا ہی میوزک سنا جاتا ہے بڑی!" ارسل نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "فاسٹ..... ایکسائٹنگ..... موڈ بالکل ایسا بنا دے کہ گاڑی کو راکٹ کی طرح چلانے پر مجبور ہو جائے۔"
"نو..... ناٹ ایٹ آل! میوزک تو رومانٹک ہونا چاہیے۔" ماریہ نے حسبِ عادت نزاکت سے کہا۔ "موڈ بالکل ایسا بنا دے کہ آپ کو اپنا پارٹنر حد درجہ ہینڈسم اور ڈیشنگ لگنے لگے۔"
رونی کا سر تفاخر سے بلند ہو گیا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت اور سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔
"اوکے ڈن!" شینا نے تیکھی انداز میں سر ہلایا۔ "ایک سونگ ہماری پسند سے اور دوسرا تمہاری چوائس۔"
"میرے موبائل فون کو اس سسٹم سے اٹیچ کر لو پھر۔" ماریہ نے پیشکش کی۔
"نو..... ناٹ ایٹ آل....." ارسل نے اسی کے انداز میں ٹوکا۔ "سفر کے دوران کوئی بھی موبائل فون استعمال نہیں کرے گا۔ ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا نا کہ موبائل کے بجائے نیچرل بیوٹی کی طرف فوکس ہوگا۔"
ماریہ کے ہونٹ مخصوص انداز میں سکڑے اور وہ محض کندھے اُچکا کر رہ گئی۔
"ویسے میں تو اس ٹرپ کے لیے بہت ایکسائٹڈ ہوں۔" شینا چہکی۔
"ایکسائٹڈ تو میں بھی ہوں۔" رونی نے سرشاری سے کہا۔ "میں پہلی دفعہ اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ ایسے لانگ ٹرپ پر جا رہا ہوں۔"
"ویسے بڑی! کتنا اسکور کر چکے ہو اب تک؟" ارسل نے اسے بیک ویو مرر سے دیکھتے ہوئے بائیں آنکھ دبائی۔
رونی کسی گہری سوچ میں غرق دکھائی دینے لگا۔
"سات سال کی ایج سے اگر کاؤنٹنگ اسٹارٹ کروں تو تیرہ سال میں یہی کوئی..... ٹوکٹی فائیو۔"
رونی کے بے نیازانہ انداز پر ماریہ اور شینا اسے حیرت سے دیکھنے لگیں تاہم ماریہ نے تیکھے انداز میں دریافت کیا۔
"اور میں کس نمبر پر آتی ہوں؟"
"لاسٹ نمبر پر سوئٹ ہارٹ!" اس نے پچکارا۔ "تمہارے بعد کسی کا کوئی چانس ہی نہیں۔"
"اوووو....." رونی کے انداز بیان پر ارسل اور شینا نے ہونٹوں کو گولائی میں گھماتے ہوئے مخصوص نعرۂ تحسین بلند کیا۔ ماریہ کی آنکھیں فخر و غرور سے چمک اٹھیں۔
"اور تمہارا اسکور کتنا ہے بھلا؟" رونی نے دریافت کیا۔
"ففٹی تک ہوگا۔" وہ تفاخر سے مسکرایا۔
"ویسے یہ اسکورنگ ہم بوائز ہی تو نہیں کرتے۔" رونی کو ایک اور نکتہ سوجھا۔
"اوہ یس!" ارسل پُرجوش ہوا۔ "تم نے اب تک کتنا اسکور کیا ہے شینا؟"
اس سوال پر شینا خفت کے بجائے اعتماد سے مسکرانے لگی۔
"تم سے تو کم ہی ہے۔ لیو چر میں سنچری کرنے کی خواہش ہے۔"
شینا کے اس جواب پر رونی اور ماریہ..... خوشی سے چیخنے

تھی۔

"اور ماریہ تم؟" ارسل نے اسے مخاطب کیا۔

"میری اتنج سے زیادہ ہی ہے نمبر۔" اس نے اپنا زیریاب دبایا۔

"اووووو....." گاڑی کی فضا ایک بار پھر معنی خیز نعروں سے گونج اٹھی۔

"میرے لیے اس نمبرنگ پر کوئی فل اسٹاپ لگایا ہے کیا؟" رونی نے شرارت سے دریافت کیا۔

"میرے موڈ پر منحصر ہے۔ ویسے تین، چار مہینوں تک میں خود ہی بریک اپ کر لیتی ہوں۔" ماریہ نے اتراتے ہوئے بتایا۔

رونی کے چہرے پر خجالت دکھائی دینے لگی۔ اسے اپنی خوبروئی، جامہ زیبی اور والدین کی مضبوط معاشی حیثیت پر بے حد ناز تھا۔ اس کی سماعت نے کسی بھی لڑکی کی جانب سے ایسا جارحانہ اور صاف گو جواب پہلی بار سنا تھا۔ اضطراب اور غصہ یک وقت حملہ آور ہوئے تھے۔

"آئی تھنک ڈرائیونگ اکسچینج کر لیتے ہیں اب۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے بور ہو گیا ہوں۔" اس نے ایک توقف کے بعد تجویز دی۔

"رائٹ! میں بھی اب آگے بیٹھوں گی۔" ماریہ پُرجوش ہوئی۔

ارسل نے بلا تامل اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی ایک جانب روک کر نشستوں کا تبادلہ کر لیا۔ ماریہ نے اگلی نشست سنبھالتے ہی موسیقی تبدیل کر دی تھی۔ شیبا نے محبوبانہ انداز میں اپنا سر ارسل کے شانے پر رکھ دیا۔ ارسل کی آنکھوں میں بھی والہانہ چمک دکھائی دینے لگی۔

"سیکھو تم بھی کچھ۔" رونی نے ماریہ کو جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

ماریہ نے فراخ دلی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بی کیئر فل بڈی!" ارسل تجویز ہوا۔ "ابھی رومانس کے بجائے ڈرائیونگ پر فوکس کرو۔"

ماریہ نے بدمزہ ہو کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ کچھ لمحوں تک گاڑی میں محض موسیقی ہی مرتعش ہوتی رہی۔ نصف گھنٹے بعد وہ شمالی علاقہ جات کی درمیانی حدود تک پہنچ چکے تھے۔

"واٹر فال....." ماریہ پُرجوش ہوئی۔ "گاڑی روکو رونی! مجھے یہاں سیلفیز اور ویڈیوز بنانی ہیں۔"

ارسل اور شیبا نے بھی اس تجویز کی تائید کر دی۔ رونی نے گاڑی ایک سمت کھڑی کی اور وہ چاروں ہی فطری نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تصاویر، ویڈیوز بنانے لگے۔

متمول خاندانوں کے یہ سبھی افراد بے فکری اور جدید طرز زندگی کی عملی تفسیر تھے۔ خوشی سے اچھلتے، قہقہے لگاتے اور ایک دوسرے پر پھبتیاں کستے ہوئے انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ ان کی مسکراہٹوں کا آخری پڑاؤ ہے۔

☆☆☆

"کیا بات ہے؟ بہت خوش دکھائی دے رہی ہو؟" اس نے گمبھیر انداز میں دریافت کیا۔ وہ دونوں حسب سابق اس نیم تاریک مقام پر موجود تھے۔

"ہاں! خوش تو میں بہت ہوں۔" وہ آسودگی سے کہنے لگی۔

"مجھے وجہ نہیں بتاؤ گی؟" وہ مسکرایا۔

"تمہیں ہی تو بتاؤں گی۔ تمہارے سوا کسی اور کو بتا سکتی ہوں کیا؟" اس نے اٹھلا کر کہا۔

"تو پھر جلدی سے بتاؤ۔" وہ تجسس ہوا۔

"وقت نزدیک آ رہا ہے اور اس بار میں بہت ایکسائٹڈ ہوں۔"

"انتظار تو مجھے بھی بہت ہے۔" اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"تمہاری تیاری تو مکمل ہے نا؟"

"دو سو فیصد۔"

اس جواب پر وہ سوچ میں مبتلا ہو گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ اس کی جانب بغور دیکھنے لگا۔

"بہت کچھ۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"ہم..... میں جانتا ہوں تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟" وہ پُرسوچ انداز میں کہنے لگا۔

"وجہ بھی تم جانتے ہی ہو۔" اس نے اضطراب سے جواب دیا۔

"اس بار کامیابی ضرور ملنی چاہیے۔" وہ ایک توقف کے بعد گویا ہوا۔

"ضرور ملے گی۔ مجھے یقین ہے۔" اس نے اعتماد سے کہا۔

"اس بار غلطی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔

"کوئی غلطی نہیں ہوگی۔" اس کا اعتماد برقرار تھا۔

وہ دونوں اب اپنے ممکنہ منصوبے کی جزئیات کے متعلق گفتگو کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

نصف گھنٹے تک سیلفیز لینے اور مختلف ویڈیوز بنانے کے مشغلے میں مصروفیت کے بعد وہ ایک بار پھر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" ہینا نے آنکھیں بچائیں۔

"کوئی روڈ سائیڈ ہوٹل ڈھونڈتے ہیں۔" ارسل نے تجویز دی۔

"پتا نہیں ہالی جینک ہوگا یا نہیں؟" ماریہ متامل تھی۔

"یہی تو ایڈونچر ہے۔" رونی نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی۔

ارسل نے اپنے موبائل فون پر نقشہ دیکھا اور رونی سے کہنے لگا۔

"دو کلومیٹر کے بعد ایک فوڈ پوائنٹ ہے۔ وہیں روک لینا۔"

رونی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس مطلوبہ مقام پر پہنچتے ہی اندرونی سمت سے برآمد ہونے والی خوشبو نے معدے میں اُدھم مچا دیا تھا۔ دیسی کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تصاویر اور ویڈیوز بنانے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس دوران ہلکی پھلکی بوندا باندی کا آغاز ہو گیا تھا۔

"آئی تھنک ہمیں اب نکلنا چاہیے۔" ارسل نے تشویش سے کہا۔

کچھ دیر بعد ڈرائیونگ کی نشست ایک بار پھر رونی نے سنبھال لی تھی۔

"کتنا سفر رہ گیا ہے اور.....؟" ہینا نے تساہل سے کہا۔ شکم سیری کے بعد اب اس پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا تھا۔

"ابھی سے تھک گئی ہو کیا؟ بے چارہ ارسل اکتنی بورنگ اور تھکی ہوئی کمپنی ملی ہے اسے۔" رونی نے چٹکی بھری۔

"یہ تو ٹائم آنے پر ہی پتا لگے گا کہ کون کتنا نبھائے کرتا ہے۔"

ہینا نے جمائی روکتے ہوئے ایک بار پھر ارسل کے کندھے پر سر لگایا اور آنکھیں موند لیں۔ کچھ ہی دیر بعد گاڑی کو جھٹکا لگنے سے وہ ہڑبڑا گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" ارسل بھی چونکا۔

رونی نے لاعلمی سے کندھے اچکائے اور گاڑی رواں کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم پیچھے ہٹو۔ میں دیکھتا ہوں۔" ارسل جھنجلایا۔

"گاڑی کی کنڈیشن چیک تو کروائی تھی نا؟" ہینا نے دریافت کیا۔

"سب کچھ فل چیک کیا تھا۔" وہ مزید جھنجلایا۔

اس کی کوششوں کے باوجود گاڑی اپنی جگہ سے حرکت کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

"بلڈی ہیل!" ماریہ نے کوفت سے کہا۔ "میں نے کہا بھی تھا کہ میری گاڑی پر چلتے ہیں۔"

"اوہ کم آن!" ہینا نے ٹوکا۔ "گاڑیاں ہم سبھی کے پاس ہیں۔ ہم نے خود ہی ارسل کے لیے انگری کیا تھا۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ بدلحاظی سے کہنے لگی۔

ارسل کی جھنجلاہٹ اب تشویش و بے بسی میں ڈھل رہی تھی۔ وہ بونٹ کھول کر انجن کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس تجزیے کی اہلیت سے بھی واقفیت نہ تھی۔ اسی اثنا میں ایک مخصوص آواز نے انہیں چونکا دیا۔ ان کی نگاہیں بیک وقت ٹائروں کی سمت اٹھیں۔ چاروں ٹائر بیک وقت پنکچر ہو گئے تھے۔ یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔

"ڈیم شٹ! یہ کیا کھٹارا اٹھا لائے ہو؟" رونی نے تمسخر سے کہا۔

ارسل غصہ و ناگواری سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اب کیا ہوگا؟ کیا کریں گے ہم؟" ہینا مضطرب ہوئی۔

"اسے یہیں پارک کرنا پڑے گا۔" اس نے ہونٹ بھینچے۔

"میپ چیک کرو۔ کہیں نہ کہیں کوئی گیراج تو شو ہو ہی جائے گا۔" ماریہ نے کہا۔

ارسل نے اپنا موبائل نکالا اور اسکرین روشن ہوتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ سگنلز کے تمام تر نشانات معدوم ہو چکے تھے۔

"نیٹ ورک ہی نہیں ہے۔" وہ شدید حیرت زدہ تھا۔

دیگر تینوں افراد کے موبائل فونز کی بھی یہی صورتِ حال تھی۔

"پلان بی کیا ہے؟ اب آگے کیسے جائیں گے؟" رونی نے ایک توقف کے بعد استفسار کیا۔

"ابھی تو پیدل چلتے ہیں۔ شاید آگے سے کوئی مدد مل جائے۔" وہ پُرسوچ انداز میں کہنے لگا۔

"آل رائٹ! ایڈونچر ہی سہی۔" دونوں لڑکیاں خلافِ توقع بلا تامل راضی ہو گئیں۔

"کسی سے لفٹ لے لیتے ہیں۔" رونی نے تجویز دی۔

"یہاں کس نے لفٹ دینی ہے؟" ماریہ نے اسے گھورا۔

"رائٹ! یہاں تو پہلے ہی ٹیمبلیز یا ٹریفرز کے گروپس آتے ہیں۔ کسی کی گاڑی میں جگہ نہیں ملے گی۔" ہینا نے بھی ٹوکا۔

ارسل اور رونی نے ڈکی سے مختصر سفری بیگ نکال لیے۔ موسم کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہوتے وہ اعتماد سے آگے بڑھنے لگے۔ نصف کلومیٹر سے زائد سفر طے کرنے کے بعد انہیں شیشے کے دروازوں سے منعکس ہوتی روشنی دکھائی دی۔

"وہاں سے چل کر پوچھتے ہیں۔" ارسل کے قدموں میں تیزی پیدا ہوئی۔

رونی اپنے سفری بیگ کے بوجھ سے بیزار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی فطری تساہل پسندی اس پاپیادہ مسافت سے مطابقت ہی نہیں رکھتی تھی۔

☆☆☆

"ویسے گائز! کتنی فلمی سچویشن ہے نا؟" شینا نے چند لمحوں کے بعد خواب ناک سے انداز میں کہا۔

"رائٹ! میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" ماریہ نے جوش سے تائید کی۔

"دو کپلز کا ایک گاڑی میں سفر۔ گاڑی پہلے بند ہوتی ہے اس کے بعد چاروں ٹائرز ایک ساتھ ہی فلیٹ ہو جاتے ہیں۔ موبائل نیٹ ورکس بھی غائب۔ دونوں کپلز اب پیدل مدد لینے کے لیے چلتے ہی چلے جا رہے ہیں۔" شینا نے سُرور سے کہا۔

"اور پھر وہ اس مدد کے چکر میں ایک ڈینجرس نیٹ ورک میں پھنس جاتے ہیں۔" ماریہ نے لقمہ دیا۔

"کپلز میں سے ایک لڑکا ان سب کی ٹانگیں فش کر دیتا ہے۔ وہ اس نیٹ ورک کا دی اینڈ کر کے ایک نیشنل ہیرو بن جاتا ہے۔" رونی نے بھی اپنے تخیل کی پرواز بھری۔

"اس نیشنل ہیرو کی فٹنس کا یہ حال ہے کہ صرف تھوڑی دیر ہی پیدل چلنے سے اس کا سانس پھولنے لگتا ہے۔" ارسل نے اطمینان سے چٹکی بھری۔

ماریہ اور شینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اوہ ریئلی؟" رونی نے معصومیت سے کہا۔ "تمہاری فٹنس ایسی ہے یا؟ چہ چہ چہ..... مجھے تو لگتا تھا کہ جم شم کرتے ہو۔ کافی فٹ ہو گے۔"

ارسل اس جوابی وار پر محظوظ کن انداز میں مسکرایا۔

"ویسے ارسل! تمہیں بھی یہ سب کچھ فلمی نہیں لگ رہا کیا؟" شینا نے ایک ادا سے اسے دیکھا۔ "ہم سب کی فرینڈشپ۔ کسی ہل اسٹیشن پر کچھ دن ایک ساتھ رہنے کا پلان۔ ایک بہت ہی خوب صورت وادی میں تمہارے انکل کا ریسٹ ہاؤس۔ ہمارا ہائی روڈ ٹریول کرنے کا فیصلہ۔ ناردرن ایریاز میں ہل اسٹیشنز کی رینج میں آتے ہی پرابلمز اور ایشوز اسٹارٹ۔ ہاؤ رومانٹک اینڈ ہاؤ فلمی!"

"رائٹ! کچھ ایسی ہی وائبز آ رہی ہیں مجھے بھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویسے تم گرلز کا بھی جواب نہیں۔" رونی نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا۔ "ہر بات میں رومانس ڈھونڈ ہی لیا کرتی ہو۔"

"ہمیں لائف میں بیوٹی تلاش کرنا آتی ہے۔" شینا نے اعتماد سے جواب دیا۔

"ویسے مائی ڈیئر رونی! لائف میں رومانس نہ ہو تو لائف کا مزہ ہی کیا ہے؟" ماریہ نے اپنی ریشمی زلفوں میں انگلیاں پھیریں۔ "رومانس کے بغیر لائف ایسے ہی ہے جیسے ٹائرز یا انجن کے بغیر گاڑی۔"

"یا جیسے اسپائس کے بغیر فوڈ۔" شینا نے بھی لقمہ دیا۔

اس جملہ بازی میں وہ اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچ گئے تھے۔

"تم دونوں کو کوئی بھی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ارسل نے شینا اور ماریہ کو بیک وقت مخاطب کیا۔ "ہم خود ہی ڈیل کر لیں گے۔"

"اوکے! اگر ہیلپ کرنے کے لیے کوئی اماؤنٹ وغیرہ مان گے تو بارگیننگ کرنے مت بیٹھ جانا۔" شینا نے متنبہ کیا۔

"ڈونٹ یو وری!" رونی نے بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔ "یہ کام لیڈیز کرتی ہیں۔"

شینا نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ کر ارسل کے ہمراہ اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

اس کشادہ اسٹور کی اندرونی سمت بے حد صاف ستھری تھی۔ ایک جانب مختلف ریکس میں اشیائے خورد و نوش سلیقے اور نفاست سے رکھی تھیں۔ دوسری سمت دو فریزر بھی دکھائی دے رہے تھے۔ تیسری جانب کتابوں اور مختلف میگزینز کی ایک شیلف تھی۔ کاؤنٹر کے عقب میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا شخص کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی اس کے ہونٹوں پر غیر مقدمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اویس نامی اس شخص کی عمر اڑتالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کی صحت قابلِ رشک اور ظاہری شخصیت بھی خاصی متاثر کن تھی۔ سر کے گھنے سیاہ بالوں میں کہیں کہیں جھلکتی سفیدی معتبر محسوس ہوتی۔

"یس سر؟" وہ انہیں براہِ راست کاؤنٹر پر آتے دیکھ کر چونکا۔ عموماً طور پر یہاں آنے والے گاہک اپنی مطلوبہ اشیاء خرید کر بل بنوانے ہی کاؤنٹر پر آیا کرتے تھے۔

"وہ..... ایکچوئلی..... ہمیں کچھ مدد چاہیے۔" ارسل نے شائستگی سے اسے مخاطب کیا۔

"شیور سر! فرمایئے۔ کیا مدد کر سکتا ہوں؟" اویس مسکرایا۔

"ہم یہاں ٹورسٹ ہیں۔ ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ موبائل فون کے سگنلز بھی ڈراپ ہیں۔ کیا میں آپ کے فون سے میپ وغیرہ دیکھ سکتا ہوں۔"

"اوہ..... اس سو سیڈ سر!" اویس نے تاسف سے سر

ہلایا اور اپنے موبائل فون کی اسکرین روشن کر کے ان کے سامنے رکھ دی۔

ارسل نے بے تابی سے فون تھاما اور سگنلز ندارد دیکھ کر جھنجلا کر رہ گیا۔

"ہماری بیڈ لک ہی خراب ہے۔" رونی نے سر جھٹکا۔ "پہلے گاڑی کے سب ٹائرز ایک ساتھ پنکچر ہوئے اور اب سگنلز بھی نہیں ہیں۔"

"اس سیزن میں گاڑیاں خراب ہونے کے بہت سے کیسز سنے ہیں میں نے۔" اویس نے ہمدردی سے انہیں دیکھا۔

"یہاں قریب میں کوئی مکینک مل جائے گا کیا؟" ارسل نے ایک توقف کے بعد دریافت کیا۔

"قریب ترین گیراج بھی کم از کم دس، پندرہ کلومیٹر دور ہے۔" اس نے بتایا۔

"ڈیم شٹ! اتنی دور پیدل کون چلے گا؟" رونی مضطرب ہوا۔

"اگر آپ وہاں پہنچ بھی جائیں تو اس بات کی گارنٹی نہیں کہ وہاں کوئی مکینک مل جائے گا۔ سیزن چل رہا ہے۔ بہت بزی ہوتے ہیں۔" اویس نے صاف گوئی سے کہا۔

"بلڈی ہیل!" ماریہ بھنا گئی۔ "میپ ہوتا تو کم از کم کوئی ہوٹل ہی دیکھ لیتے۔"

"سوری میم! ہوٹل تو فل بک ہوتے ہیں۔ سیزن میں تو وہاں کوئی روم ملنا ایک طرف۔ پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی۔" اویس نے شائستگی سے بتایا۔ "آپ نے کون سے ہوٹل میں بکنگ کروائی تھی بائی دا وے۔"

"ہمیں اپنے ریسٹ ہاؤس جانا تھا۔ یہاں گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ آئی تھنک ابھی فورٹی کلومیٹرز کا ٹریول تو ہو گا۔" ارسل نے اپنی پیشانی مسلی۔

"آئی ہی! لیکن یہاں تو ایسے ہی ہے۔" اس نے گہری سانس بھری۔ "سیزن شروع ہوتے ہی پبلک ایسے ٹوٹتی ہے جیسے دوبارہ کبھی موقع ہی نہیں ملے گا۔ اسی وجہ سے یہاں سب کے تیور بھی آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ ہوٹلز، شاپنگ مالز، مکینک، ڈاکٹرز سب ہی فورسٹس کی کھال اتارنے کے لیے ریڈی رہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ایک مافیا بنا ہوا ہے سب۔"

"ہم منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ بس کسی بھی ہوٹل کا ایڈریس دے دیں۔" شینا نے پہلو بدلا۔

"بالکل دے سکتے ہوں گے۔" اویس نے تلخی انداز میں سر ہلایا۔ "لیکن ہوٹلز میں اور بھی تو ایشوز ہوتے ہیں۔"

"کیسے ایشوز؟" ماریہ نے بے ساختگی سے دریافت کیا۔

"کیا آپ کے پاس نکاح نامہ موجود ہے؟ ہوٹل والے آئی ڈی کارڈ کے بعد سب سے پہلے وہی مانگیں گے۔"

شینا اور ماریہ کے چہروں پر خجالت کی سرخی بکھر گئی۔

"اچھی زبردستی ہے۔" ارسل نے سر جھٹکا۔

"پالیسی ہے سر! ورنہ یقین کریں ایسے سین کبھی ہوتے تھے کہ کبھی کسی کی بیوی چھاپا مارنے پہنچ جاتی تھی تو کبھی کسی کا شوہر ہنگامہ کر دیتا تھا۔ بہت شور شرابہ ہوتا تھا جی۔ دوسرے کسٹمرز بھی ڈسٹرب ہوتے تھے۔ تو بس یہ سب کرنا پڑا۔" اس نے وضاحت سے بتایا۔

"ہر ہوٹل میں تو ایسا نہیں ہوتا ہوگا نا۔ کہیں نہ کہیں تو بیک ڈور پالیسی ہوگی۔ کوئی تو انکم کی پالیسی پر چل رہا ہوگا۔" رونی نے کہا۔

"بالکل ہوتے ہیں جی!" اویس نے رسان سے جواب دیا۔ "اور سب سے پہلے یہی ہوٹلز بک ہوتے ہیں۔"

اس صورتِ حال نے ان چاروں کو اضطراب میں مبتلا کر دیا۔

"ہم ایک دوسرے کے بہن بھائی بن کر کہیں ٹرائی کر سکتے ہیں۔" ماریہ نے یکدم ایک نقطہ اٹھایا۔

اویس نے لمحہ بھر کے لیے اس کی جانب دیکھا اور نرمی سے کہنے لگا۔ "آپ کے آئی ڈی کارڈز پول کھول دیں گے جی۔"

"واٹ دا ہیل! کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" ارسل نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "واپس جا نہیں سکتے۔ آگے کا کوئی رستہ جانتے نہیں۔"

"ہم بس اسٹینڈ چلتے ہیں۔ لوکل ٹرانسپورٹ پر ٹریول کرنے میں کیا حرج ہے؟" شینا نے تجویز دی۔

"بس اسٹینڈ بھی نزدیک تو نہیں ہے جی۔" اویس نے آگاہ کیا۔ "اور ویسے بھی یہاں بسوں کی اپنی ٹائمنگ ہے۔ اگلی بس کل صبح نکلے گی۔"

"تو رات کہاں رہیں گے ہم؟" ان سبھی کی زبان سے بیک وقت کم و بیش یہی الفاظ برآمد ہوئے۔

"کسی کے گھر میں اوور نائٹ اسٹے نہیں مل سکتا کیا؟ ہم آفر کر دیں گے۔" رونی نے کہا۔

اویس لمحہ بھر کے لیے سوچ میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن واضح دکھائی دے رہی تھی۔

"میرا ایک چھوٹا سا کاٹیج یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو وہاں اسٹے کر سکتے ہیں۔"

اویس کی اس پیشکش پر وہ حیرت و بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"رئیلی؟" ارسل نے کہا۔ "اور کون رہتا ہے وہاں؟"

"کوئی بھی نہیں جی! کافی ٹائم سے میرا بھی چکر نہیں لگا۔ وہ کمرے ہیں۔ آپ لوگوں کے لیے تو بہت ہوں گے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

"آپ خود کیوں نہیں رہتے وہاں؟" شینا نے بے ساختگی سے دریافت کیا۔

"میری گھر والی کے بعد وہاں دل ہی نہیں لگتا جی۔ میں یہیں بستر ڈال کر سو جاتا ہوں۔ کھانا پینا کسی نہ کسی ہوٹل سے ہو جاتا ہے۔" اویس نے گہری سانس لی۔

اس کی نگاہوں سے جھلکتے کرب اور بے چینی نے ان کا دل بھی بوجھل کر دیا۔

"کئی دوستوں نے مشورہ دیا کہ کاٹیج کرائے پر دے دوں۔ میرا دل ہی نہیں مانتا۔" اس نے ایک توقف کے بعد بتایا۔ ارسل اور رونی کے ذہن میں در آنے والی اُلجھن بھی ازخود ہی سلجھ گئی۔

"تھینک یو سو مچ۔ آپ نے تو ہماری پرابلم ہی حل کر دی۔" شینا نے آسودہ سانس خارج کی۔

"آپ اگر چاہیں تو میں موبائل مکینک بحال ہوتے ہی کسی مکینک کو بلوا لوں گا۔ گاڑی ٹھیک ہونے تک آپ کاٹیج میں رہ لیں۔" اویس نے ایک اور پیشکش کی۔

"یس شیور..... شیور..... وائے ناٹ۔" ارسل کو اپنے اعصاب میں در آنے والی کشیدگی زائل ہوتی محسوس ہوئی۔

"آپ مجھے اپنا نمبر دے دیں۔ مکینک سے کانٹیکٹ ہوتے ہی میں آپ کو انفارم کر دوں گا۔"

اویس کی اس تجویز پر ارسل اور رونی نے بلا تامل اپنے فون نمبر بتا دیے۔

"تھینک یو انکل!" ماریہ مسکرائی۔ "ہم آپ کو ڈسٹرب کر دیں گے۔"

اویس نے ایک گہری سانس لی اور متانت سے کہنے لگا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے جی۔ ہاں بس ذرا یہاں سے تھوڑی بہت شاپنگ کر لیں۔"

"شیور!" رونی نے کہا۔ "ہم ضرورت کا کچھ سامان خرید لیتے ہیں۔"

شینا اور ماریہ اشیائے خورد و نوش کی جانب بڑھ گئیں۔ رونی انرجی ڈرنکس کا جائزہ لینے لگا۔ ارسل البتہ یونہی گھوم پھر کر دکان کا جائزہ لینے لگا۔ نفاست، صفائی اور ترتیب ہر ایک کونے سے جھلک رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد دیگر تینوں افراد اپنی خریدی گئی اشیا کا بل بنوانے کے لیے دوبارہ کاؤنٹر پر چلے آئے۔ ارسل کی نگاہیں ہنوز دکان کا ہی جائزہ لے رہی تھیں۔

اویس نے بل بنانے کے بعد رونی کو کاٹیج کی چابیاں تھما دیں اور موبائل فون سے تصاویر نکال کر اسے محلِ وقوع سمجھانے لگا۔ ارسل کی نگاہیں اب سی سی ٹی وی کیمرے کے مناظر عکس بند کرتی ہوئی ایک ایل سی ڈی پر مرکوز تھیں جہاں اسکرین پر اسٹور کے مختلف گوشوں کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔

خالی الذہنی کے عالم میں اسکرین کا جائزہ لیتے ہوئے ارسل یک دم چونک گیا۔ اس کے سامنے ایک حیران کن منظر تھا۔ اسے بل بنواتے ہوئے تینوں ساتھی تو دکھائی دے رہے تھے لیکن اویس کا وجود ندارد تھا۔ ارسل حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے اسکرین کی جانب دیکھنے لگا۔ منظر ہنوز وہی تھا۔ اس نے بے یقینی سے کاؤنٹر کی جانب دیکھا۔ اویس بے نیازی سے بل بنانے میں مصروف تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" ارسل نے اپنی آنکھیں مسلیں۔

اسی لمحہ اویس نے اپنی نظریں اٹھاتے ہوئے ارسل کی جانب دیکھا۔ ارسل کو اپنا وجود منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ اویس کی نگاہیں لہو سے بھی زیادہ سرخ تھیں۔ دھیرے دھیرے یہ آنکھیں مکمل طور پر سیاہی میں ڈھل گئیں۔ اس کا چہرہ اپنے نقوش تبدیل کرنے لگا۔ کھال کھنچ کر کئی پرتوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسے اپنی نگاہوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔ دھیرے دھیرے یہ جلن پورے وجود میں سرایت کرنے لگی۔ ارسل کا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ شینا، ماریہ اور رونی بالکل نارمل دکھائی دے رہے تھے۔

اگلے چند لمحوں میں منظر ایک بار پھر تبدیل ہو گیا۔ اسکرین پر اویس بل بنا دینے کے بعد خوش خلقی سے گفتگو کرتا دکھائی دینے لگا۔ اس کی آنکھیں، چہرہ، کھال اور نقوش بالکل متوازن تھے۔

"آپ گاڑی کی چابی مجھے دے دیں۔ میں اسے ٹھیک کروا کے آپ کو انفارم کر دوں گا جی۔" اویس ان سبھی سے مجموعی طور پر مخاطب تھا۔

ارسل کو اپنی سماعت میں تیز سیٹیاں گونجتی محسوس ہونے لگیں۔ حواس بالکل مختل ہو رہے تھے۔

"کیز تو ارسل کے پاس ہیں۔" رونی نے اس کی سمت دیکھا۔ اویس بھی اسی کی جانب متوجہ تھا۔ ارسل کا وجود یکسر ساکت تھا۔ حواس کا زیر و بم بھی نہایت بری طرح درہم برہم ہو چکا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ دھیان کہاں ہے تمہارا؟" شینا نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔

ارسل کے بدن میں جھرجھراہٹ پیدا ہو گئی۔ وہ غرا کر

کسی گہری نیند سے بیدار ہوتا محسوس کرنے لگا۔
"کہاں گم ہو؟" شینا نے جھنجلا کر ایک بار پھر اسے جھنجوڑا۔
"کک..... کہیں..... نن..... نہیں..... کیا..... ہوا؟" وہ ہڑبڑا کر کہنے لگا۔
"گاڑی کی چابیاں دے دو۔" شینا جز بز ہوئی۔
"کیوں..... کس..... لیے؟" اس نے خالی الذہنی سے دریافت کیا۔
"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو شاید۔" شینا نے دانت پیسے۔ "چابیاں انہیں دے دو۔ یہ گاڑی ٹھیک کروا کے ہمیں اغارم کردیں گے۔"
"یہ..... کون؟" وہ مزید حواس باختہ دکھائی دینے لگا۔
شینا کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے تندی سے ارسل کی جیبیں ٹٹولتے ہوئے چابیاں برآمد کیں اور اویس کے حوالے کردیں۔
"گاڑی ذرا جلدی ٹھیک کروا دیں۔ ہم کل دوپہر اپنا سفر دوبارہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔"
"میں پوری کوشش کروں گا جی۔ پریشان مت ہوں۔" اویس نے رسان سے کہا۔
رونی، ماریہ اور شینا سامان سنبھالتے ہوئے بیرونی جانب بڑھنے لگے۔ ارسل کے قدموں میں بھی جنبش پیدا ہوئی تاہم اسے اپنا وجود بے حد بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ اسٹور سے باہر نکلنے سے قبل وہ بے اختیار پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اویس کی آنکھوں میں سفیدی نمایاں تھی۔ خوفناک سیاہی پر مشتمل دو گڑھے نہایت ہولناک دکھائی دے رہے تھے۔ چہرے کے علاوہ گردن اور ہاتھوں کی کھال بھی چیچک زدہ لوگوں کے مانند لٹک چکی تھی۔ ارسل کو اپنی آنکھوں میں اذیت ناک جلن محسوس ہونے لگی۔ اس کے قدم منوں وزنی ہو چکے تھے۔

☆☆☆

"وہ آرہے ہیں۔"
"گڈ! رئیلی گڈ! آجائیں۔ ہم بھی تو تیار ہیں۔" اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔
"اس بار کامیابی ملے گی۔ ضرور ملے گی۔" وہ گویا خود کو دلاسا دے رہی تھی۔
"کتنے لوگ ہیں؟"
"چار۔"
"ہم..... فرینڈز گروپ ہے کوئی؟"
"نہیں..... کپلز ہیں۔" وہ مستی خیزی سے کہنے لگی۔
"اوہ..... ہنی مون؟"
"نہیں بھئی!" وہ مسکرائی۔ "ہنی مون پر تو ایک کپل ہوتا ہے نا۔ یہ پری ہنی مون سمجھ لو۔"
"پھر تو اور بھی مزہ آئے گا۔" اس کی آنکھوں میں چمک بیدار ہوئی۔
رئیلی! اس بار اگلی پچھلی ساری کسر نکالنی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔
"رائٹ!" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "ان پر نظر رکھو اور مجھے اَپ ڈیٹ کرتی رہنا۔"
وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

"ویسے گائز! بہت ہی سوئٹ اور ڈیسنٹ بندہ تھا یہ، ہے نا؟" ماریہ نے خریدا گیا سامان دائیں ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔
"ہاں!" شینا نے تائید کی۔ "اور بہت افسردہ بھی۔"
"مجھے بھی اس کی بیوی کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا۔ بے چارہ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے کتنا پریشان لگ رہا تھا۔" رونی نے کہا۔
"ہاؤ رومانٹک نا!" ماریہ کا لہجہ خوابناک ہو گیا۔ "کوئی اپنے شریکِ حیات سے اتنی محبت بھی کر سکتا ہے کیا؟"
"ویسے مجھے تو یہ صورتِ حال بھی فلمی ہی لگ رہی ہے۔" شینا نے بشاشت سے کہا۔ "ایک شاپ کیپر چار اسٹرینجرز کو اپنا کانچ دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ان کی گاڑی ٹھیک کروانے کی ذمے داری بھی لے لیتا ہے۔ حیرت انگیز۔"
"مجھے پہلے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کوئی فراڈ نہ ہو۔ ہم سے گاڑی کی چابی لے کر خود کوئی نقلی چابی... پکڑا دے لیکن دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سچائی تھی۔" رونی نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔
"آنکھیں..... سچائی....." ان کے عقب میں سست روی سے چلتے ارسل کے ذہن میں ایک بار پھر وہی منظر اُجاگر ہو گیا۔ بدن میں بے اختیاری جھرجھری پیدا ہوئی تھی۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟" شینا اس کی جانب متوجہ ہوئی۔
"اس کی بیٹری سلو ہو گئی ہے۔" رونی نے چٹکی بھری۔
"میں ابھی چارج کر دیتی ہوں۔" شینا نے ایک ادا سے کہا اور نہایت استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
ماریہ مضطرب نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے محبت اور توجہ کا یہ برملا اظہار کسی قدر کھلا تھا۔ رونی انہیں

نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موبائل فون پر سگنلز کا جائزہ لینے لگا لیکن نتیجہ حسب سابق ہی تھا۔

ماریہ ان دونوں سے نظریں چراتے ہوئے آگے بڑھی ہی تھی کہ اسے ایک تیز سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر آہٹ کی سمت دیکھا۔ بائیں سمت ڈھلان کی جانب سے سیاہ عجیب الخلقت پرندوں کا غول تیزی سے نمودار ہوا اور اس کے سنبھلنے سے قبل ہی وجود کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔

ماریہ کے ہاتھوں سے سامان نیچے گر گیا۔ اس نے اضطراری انداز میں اپنا چہرہ بازوؤں کی اوٹ میں کر لیا۔ اس کے بدن کا ہر ایک مسام تکلیف دہ جلن محسوس کر رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ان پرندوں کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ جلن اب ہڈیوں کے گودے میں اتر رہی تھی۔ اس کے حلق سے ہذیانی چیخیں برآمد ہونے لگیں لیکن حیران کن طور پر یہ چیخیں سماعت تک پہنچ ہی نہیں پا رہی تھیں۔ وہ اس متضاد امر پر مزید ہذیان میں مبتلا ہو گئی۔

☆☆☆

"تمہارے ہاتھ اتنے گرم کیوں ہیں؟" شینا نے ارسل سے دریافت کیا۔ "فیور تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بدقت کہا۔

"شیور؟" شینا ہنوز غیر مطمئن تھی۔

"یس۔" ارسل نے بوجھل انداز میں کہا۔ "بس اسٹریس اور تھکاوٹ ہے۔"

اسی لمحہ رونی نے پلٹ کر ماریہ کی سمت دیکھا اور الجھ کر رہ گیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟"

ماریہ کو اپنی سماعت میں تیز سیٹیاں گونجتی محسوس ہونے لگیں۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟" رونی گھٹنوں کے بل اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

ماریہ نے وحشت کے عالم میں اطراف کا جائزہ لیا۔ پرندوں کا وہ غول کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بدن ٹٹولنے لگی۔

"کیا بات ہے سوئٹ ہارٹ؟ کچھ تو بولو؟" رونی تشویش میں مبتلا ہونے لگا۔

اسی اثنا میں شینا بھی ان کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

"اینی پرابلم؟" وہ بھی ان کے پاس چلی آئی۔

"مجھے نہیں معلوم! میں نے جب دیکھا تو یہ اس طرح نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔" رونی نے کندھے اچکائے۔

"تھک گئی ہوں۔ یہ بیگ وغیرہ تم ہی پکڑو۔" ماریہ نے بمشکل کہا۔

"نو پرابلم سوئٹی!" بس تھوڑی دیر کی بات ہے۔ کاٹیج میں جا کر آرام کریں گے۔" اس نے پچکارا۔

ارسل گہری نگاہوں سے ماریہ کی سمت دیکھنے لگا۔ اسے یہ کیفیت بہت مانوس لگ رہی تھی۔ اسی لمحہ ان دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ان نظروں کی خاموشی، الجھن، وحشت اور اضطراب یکساں تھا۔ ماریہ بوجھل قدموں سے اپنا وجود گھسیٹنے لگی۔

☆☆☆

"تم نے لوکیشن ٹھیک طرح سمجھ تو لی تھی نا؟" شینا نے رونی سے دریافت کیا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ بھٹک کر کہیں اور ہی پہنچ جائیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"ویسے میں ایک اور بات بھی سوچ رہی تھی۔" وہ متذبذب تھی۔

رونی نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ ارسل اور ماریہ لاتعلقی سے بوجھل انداز میں چل رہے تھے۔

"اصل شاپ کیپر نے بتایا تھا کہ وہ کافی وقت سے وہاں نہیں گیا۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ کاٹیج وغیرہ گندہ نہ ہو۔" شینا نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"او ایشو! صرف ایک رات کی تو بات ہے۔ کسی نہ کسی طرح مینیج کر لیں گے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"لیکن مجھے ڈسٹ الرجی ہے۔" شینا نے تخوت سے ناک چڑھائی۔

رونی نے بے نیازی سے کندھے اچکا دیے۔

"ویسے میں نے اپنی لائف میں کبھی اتنی واک نہیں کی۔"

"اِٹ مینز ایڈونچر کا کریز ختم ہو گیا۔" رونی نے معنی خیزی سے کہا۔

"ناٹ ایٹ آل۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

اس کے بعد کچھ لمحوں کے لیے وہاں سکوت طاری ہو گیا۔

اس دوران میں ماریہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ رونی نے غیر اختیاری طور پر موبائل فون کی اسکرین روشن کی لیکن سگنلز ہنوز عنادرد تھے۔ اس کے اعصاب پر کشیدگی طاری ہونے لگی۔ موبائل فون سے ہمہ وقت منسلک رہنے کی لت اضطراب میں مبتلا کر رہی تھی۔

"سن سیٹ سے پہلے تو پہنچ ہی جائیں گے۔" شینا نے موضوع گفتگو ایک بار پھر اسی ڈگر پر رواں کر دیا۔

"ہاں!" رونی نے مختصر اجواب دیا۔

اسی لمحے اسے ایک عجیب احساس نے گھیر لیا۔ اس کی نگاہیں بے طرح چندھیا رہی تھیں۔ وہ بے اختیار رکا اور آسمان کی سمت دیکھنے لگا جہاں سورج نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

"سن سیٹ کے ٹائم پر یہ سب؟" اس کے ذہن میں ایک سوچ ابھری۔

اگلے ہی پل دماغ ہر سوچ سے خالی ہو گیا۔ سورج کی سنہری کرنیں سیاہی میں ڈھل گئیں۔ ان سیاہ کرنوں نے اس کا وجود مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔ تمازت کی جلن اس قدر شدید تھی کہ اسے اپنی کھال چٹختی محسوس ہونے لگی۔ چند ہی لمحوں میں اس کے بدن میں جابجا دراڑیں پڑنے لگیں۔ رونی کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ ان دراڑوں کو مزید پھیلاؤ سے روکنے کے لیے دیوانہ وار اپنا جسم دبانے لگا۔

یہ لمحات جانے کتنے طویل ثابت ہوئے۔ رونی اردگرد کے احساسات سے غافل ہو گیا۔ سیاہ کرنوں کی تمازت نے اس کے بدن میں ہزارہا سلوٹیں اور دراڑیں پیدا کر دی تھیں۔ کھال میں پڑنے والے اس خلا سے سیاہ رنگ کا لہو رسنے لگا۔ رونی کے بدن پر مزید لرزش پیدا ہو گئی۔ ٹانگیں بھی بدن کا بوجھ سہارنے سے قاصر تھیں۔ وہ سڑک پر ہی ڈھے گیا۔

"کیا ہوا ہے؟ رک کیوں ہو گئے ہو؟" شینا نے اس کا کندھا ہلایا۔

رونی کی منقطع شدہ ذہنی رو یک دم بحال ہو گئی۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے سیاہ کرنوں کے ماخذ کی جانب دیکھنے لگا۔ آسمان پر گہرے بادلوں اور اپنے گھونسلوں کی جانب عازم پرواز پرندوں کے سوا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے اپنے بازوؤں اور چہرے کو ٹٹولا۔ کہیں بھی کوئی دراڑ یا لہو نہیں تھا۔

"وہ سب..... کیا تھا..... وہ سب؟" رونی ہنوز اپنے حواس مختل ہی محسوس کر رہا تھا۔

ارسل اور ماریہ اس کی کیفیات بغور دیکھنے لگے۔ ان کی سپاٹ نگاہوں میں لحاظی طور پر ایک مبہم چمک ابھرتی اور پھر معدوم ہو جاتی۔

"تھک گئے ہو شاید....." شینا نے اس کی خاموشی سے ازخود قیاس کیا۔

رونی اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے بمشکل اٹھا۔

"ہری اَپ مین!" شینا نے اسے تحریک دی۔ "سن سیٹ سے پہلے وہاں پہنچنا ہے۔"

غروبِ آفتاب کا ذکر سنتے ہی رونی کا بدن لرز گیا۔ اسے اپنی ہولناک کیفیات ایک بار پھر یاد آنے لگیں۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے اپنے حواس متوازن رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی اثنا میں اس کی نگاہیں ارسل اور ماریہ سے ٹکرائیں۔ اسے ان کی آنکھوں کا خلا اور سپاٹ پن بے حد مانوس محسوس ہوا تھا۔ وہ بھی انہی کی طرح میکانکی انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

☆☆☆

"ارسل! میں ایک بات سوچ رہی تھی۔" شینا نے چلتے ہوئے حسبِ عادت اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ شینا کے چہرے پر استعجاب در آیا۔ اس نے ارسل کا دوسرا ہاتھ بھی گرفت میں لیا اور تشویش سے گویا ہوئی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

ارسل نے بیزاری سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروائے اور سپاٹ لہجہ میں کہنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

شینا اس کی بے نیازی اور سرد مہری محسوس کر کے ٹھٹک گئی تاہم حیران کن طور پر کسی بھی ردِعمل سے گریز کیا۔

"یہ لاسٹ سائن ہے نا؟" اس نے ایک درخت کی طرف دیکھتے ہوئے رونی کو مخاطب کیا۔

رونی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس کے بعد اگلے موڑ پر ہی وہ کاٹیج ہے، ایم آئی رائٹ؟" وہ منزل قریب تر محسوس کرتے ہی مزید پرجوش ہوئی۔

"ہم....." اس نے میکانکی انداز میں جواب دیا۔

شینا نے اپنے ساتھیوں کی خاموشی اور لاتعلقی کے باوجود اپنی ہی لے میں سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو دوستو! ہم لوگ اس کاٹیج میں جائیں گے اور وہاں سے کوئی بوڑھا آدمی ایک پرانی سی لالٹین لیے باہر آئے گا۔ وہ ہمیں بتائے گا کہ اس کا نام راموپاشاموکا ہے اور وہ اپنے بچپن سے یہاں کی رکھوالی کر رہا ہے۔"

وہ تخیل کی پرواز میں مگن لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی اسی اثنا میں اس کے قدم ساکت ہو گئے۔ نگاہیں بے یقینی سے ایک عجیب و غریب منظر دیکھ رہی تھیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک درخت کی اوٹ سے سیاہ گہرا بادل نمودار ہوا اور اس کے سر پر استادہ ہو گیا۔ یہ منظر نہایت حیران کن تھا۔ آسمان کے دیگر حصے میں سرمئی بادلوں کا قبضہ تھا۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک کڑک نے فضا مرتعش کر دی۔ شینا نے بے ساختہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ

دیے۔ کڑک نے ایک بار پھر فضا میں لرزہ پیدا کیا۔ شینا دل کر گھٹنوں کے بل زمین بوس ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے بارش کی تیز پھوار نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سڑک کے دیگر کسی بھی حصے پر بارش کا کوئی نشان نہیں تھا۔ شینا کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ بارش کی بوندیں سیاہ اور نہایت لیس دار تھیں۔ اس نے سڑک کے اس حصے سے ہٹنے کی کوشش کرنی چاہی لیکن بے سود۔ بدن متحرک ہونے سے انکاری تھا۔ وہ بے بسی سے اس پھوار سے بچنے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ ہی لمحوں میں اس کا بدن مکمل شرابور ہو چکا تھا۔ کھال پر ایک عجیب تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ جسم سے برآمد ہونے والی بُو اور تعفن کا احساس سوا تر تھا۔ شینا اپنی بے بسی پر دہاڑیں مار کر رونا چاہتی تھی لیکن اعضا پر قابو ہی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں بازوؤں کی اوٹ میں کیا اور سڑک پر ہی اوندھی ہو گئی۔

سیاہ بوندوں کی تمازت اب بدن کے ہر ایک مسام میں سرایت کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

"شینا! رک کیوں گئی ہو؟ چلنا نہیں ہے کیا؟" ارسل کی جھنجلائی ہوئی آواز نے اس کے حواس میں ارتعاش پیدا کر دیا۔

وہ ہوش انداز میں سر اٹھائے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ سیاہ بادل، لیس دار سیاہ بوندیں اور بدن کو سوختہ کر دینے پر مائل تمازت زائل ہو گئی تھی۔ آسمان بھی پہلے کی طرح سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ بے یقینی سے اپنے بال، ہاتھ اور بازو ٹٹولنے لگی۔

"جلدی کرو! من سیٹ سے پہلے پہنچنا تھا ہمیں وہاں۔" ماریہ نے بھی کوفت سے کہا۔

شینا اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بدقت اٹھی اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ اس کی نگاہوں میں ہنوز خوف اور وحشت موجزن تھی۔

☆☆☆

کانچ کے سامنے پہنچتے ہی ان سبھی کے قدم ساکت ہو گئے۔

"کافی خوب صورت ہے۔ مجھے تو لگتا تھا کوئی پرانی سی بلڈنگ ہو گی۔" ارسل نے گہری سانس لی۔

"ہمم..... ناٹ بیڈ۔" ماریہ نے بھی سرخ اینٹوں سے تعمیر شدہ اس پُروقار عمارت کو دیکھتے ہوئے رائے دی۔

"چابیاں کہاں ہیں؟" ارسل نے رونی کو مخاطب کیا۔

رونی نے موبائل فون کی اسکرین روشن کر کے عادتاً گھنٹہ کی آمد کا جائزہ لیا اور ناکامی پر کوفت سے منہ بناتے ہوئے کانچ کا دروازہ کھول دیا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی سڑک کی نشیبی سمت سے چند سیاہ عجیب الخلقت پرندوں نے پرواز بھری اور کانچ کی مخروطی چھت پر بیٹھ گئے۔ ان کی چوکور آنکھیں چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"سب اپنے موبائل کی ٹارچ آن کر لو۔ پتا نہیں پنشل کہاں پر ہو گا؟" ارسل نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔

"پنشل رائٹ سائڈ پر ہی ہے۔" رونی نے بتایا۔

"اویس نے بتایا تھا مجھے۔"

اویس کا نام سنتے ہی ارسل لمحہ بھر کے لیے شل ہو گیا۔ اسے انگارا آنکھوں، پرت دار چہرے اور اپنی نظروں میں در آنے والی جلن نے مضطرب کر دیا تھا۔ رونی نے آگے بڑھ کر پنشل سے چیئر چھاڑ کا آغاز کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں دودھیا روشنی نے اطراف کو منور کر دیا۔

"واؤ..... نائس۔" ماریہ نے بے ساختگی سے کہا۔

ارسل، رونی اور شینا کی نگاہوں میں بھی پسندیدگی جھلک رہی تھی۔ ان کے سامنے ایک وسیع لاؤنج تھا جس کے درمیانی حصے میں مکمل صوفہ سیٹ دکھائی دے رہا تھا۔ دائیں طرف کچن اور مخالف سمت میں دو باتھ روم کمروں کے دروازے تھے۔ شینا بوجھل انداز میں آگے بڑھی اور یک نشستی صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر اضطراب در آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے؟ کرنٹ لگا ہے کیا؟" رونی نے بے تاثر انداز میں دریافت کیا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہاں مجھ سے پہلے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔" وہ مضطرب تھی۔

"واٹ ربش!" ماریہ نے بیزاری سے کہا۔ "ہم ابھی یہاں داخل ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں پھر سے وہی ٹمی ٹمی کھیلنے کا شوق ہو رہا ہے تو پلیز اسٹاپ اٹ۔ میرا اس وقت ایسا کوئی موڈ نہیں ہے۔"

"یقین کرو! مجھے ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ صوفے کی یہ سیٹ بالکل گرم ہے۔ ایسا لگتا ہے یہاں سے ابھی کوئی اٹھ کر گیا ہے۔"

ارسل نے چبھتی نگاہ سے اس کی جانب دیکھا اور دوسرے صوفے کی ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ اسے بھی ایسے ہی احساس نے اپنی گرفت میں لیا تاہم اس نے اعتراف سے گریز کیا۔ وہ اپنے قنوطی ساتھیوں کی ہر زہ سرائی، سوالات اور شینا کی طرف داری کرنے پر پھبتیاں سننے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔

ارسل اور ثنیا کی ان کیفیات سے قطع نظر رونی مختلف اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دونوں کمروں اور باورچی خانے کے دروازے مکمل طور پر وا تھے۔ یہ قدرے حیران کن امر تھا۔ عمومی طور پر گھر کے مالکان اپنی روانگی سے قبل دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح مقفل کرتے ہیں۔ اویس کی جانب سے دی گئی چابیوں میں کمروں کے لیے بھی دو کنجیاں موجود تھیں۔

"کیا ثنیا کا آئیڈیا ٹھیک ہے؟ اس کالج میں ہم سے پہلے بھی کوئی موجود تھا؟ کہیں اب بھی تو کوئی یہاں موجود نہیں؟" اس کے ذہن میں غیر ارادی طور پر ایک سوچ ابھری۔

"ہوہ نو! میں بھی کیا سوچنے لگا ہوں۔" اس نے فوراً سر جھٹکا۔ "اویس کی ذہنی حالت بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ وہ لاکڈ کرنا بھول گیا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے لاکڈ دروازوں سے کوئی ٹراما ہوتا ہو۔"

اس سوچ سے وہ قدرے قائل دکھائی دینے لگا۔ اس کی نگاہیں اب ماریہ کی جانب مرکوز تھیں جو اپنی تجسس فطرت کے باعث کمروں کے اندر جھانک رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" رونی نے دریافت کیا۔

"انٹیریر دیکھ رہی ہوں۔ بہت گریس فل اور ایون ٹیک ہے۔" اس نے ستائشی لہجے میں جواب دیا اور خوابناک سے انداز میں چلتی ہوئی باورچی خانے کی سمت بڑھ گئی۔

رونی بھی بلا ارادہ ہی اس کے ہمراہ چل دیا۔ باورچی خانے میں قدم رکھتے ہی ماریہ مضطرب دکھائی دینے لگی۔ اس کی یہ کیفیت بھی رونی سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"اب کیا ہوا؟" وہ چونکا۔

"تمہیں یہاں کھانے کی خوشبو نہیں آرہی کیا؟" ماریہ نے اُلجھ کر استفسار کیا۔

رونی نے نتھنے پھلاتے ہوئے کسی بھی طعام کی خوشبو محسوس کرنے کی کوشش کرنی چاہی لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے سوئٹی۔" اس نے ٹالا۔

"نو۔ آئی ایم شیور۔ یہاں کچھ دیر پہلے فوڈ ان پیک ہوا ہے یا شاید کک ہوا ہے۔ میری سینسز اس معاملے میں بہت تیز ہیں۔" وہ مُصر تھی۔

"کم آن یار اب تمہیں بھی ثنیا کی طرح یہ وہم ہو گیا ہے کہ یہاں کوئی موجود ہے؟" رونی نے اسے غور دیکھا۔

"شک تو ہے۔" وہ کہہ اٹھی۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں ڈسٹ بن چیک کر کے یہ شک دور کر لیتا ہوں۔" اس نے کوشش کی۔

"ای ی ی ی....." ماریہ نے کراہت سے منہ بنایا اور جھرجھراتی ہوئی لاؤنج کی طرف چل دی۔

رونی ایک بار پھر نتھنے پھلا کر ماریہ کے دعوے کی تصدیق کی کوشش کرنے لگا۔ ڈسٹ بن پر نگاہ پڑتے ہی وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا اور پھر ماریہ کے عقب میں ہولیا۔

☆☆☆

"تم لوگوں میں سے کسی کے موبائل پر سگنلز آئے ہیں کہ نہیں؟" رونی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دریافت کیا۔

"نہیں یار اسب ہی ڈیڈ پڑے ہیں۔" ثنیا بھی جھلائی۔

"عجیب مصیبت ہے....." ماریہ کراہی۔

ارسل بھی خاصا جز بز دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب ہی 'ڈیٹا موبائل' کی کمی کا شکار ہو رہے تھے۔

"کالج بہترین ہے۔" رونی نے موضوع گفتگو تبدیل کیا۔ "میں تو سوچ رہا تھا کہ یہاں بہت ڈسٹ اور جالے ہوں گے۔ لیکن یہ تو صاف ستھرا ہے۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ ہم جیسے ٹورسٹس کو اپنا یہ کالج کرائے پر دیتا ہے۔ اسی لیے سب کچھ اتنا مین ٹین ہے۔" رونی نے اپنی رائے دی۔

ثنیا اور ماریہ قدرے قائل دکھائی دینے لگیں۔ ارسل البتہ ہنوز اُلجھا ہوا تھا۔

"اگر ایسا تھا تو اسے یہ بات ہمیں بتا دینی چاہیے تھی۔ ہمارے سامنے اس طرح کیوں ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ صرف ہمارا ہی خیر خواہ ہے۔" ارسل نے کہا۔

"بزنس لیکنس ہو سکتے ہیں۔" ثنیا نے کندھے اچکائے۔

ارسل گہری سانس بھر کے خاموش ہو گیا۔ وہ لمحات بے حد بوجھل تھے۔ رونی اور ماریہ کھوئے کھوئے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ثنیا اضطراب سے اپنا گھٹنا ہلانے لگی۔ ارسل کی خلا میں مرکوز نگاہیں اویس کی اس عجیب ہیئت کو اپنا واہمہ تسلیم کر لینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ چاروں یہاں آمد کے بعد باہمی گفت و شنید کی بحالی کے باوجود اپنے وجود میں ایک عجیب ادھورا پن محسوس کر رہے تھے۔

کچھ ہی لمحوں بعد اس خول میں دراڑ پیدا ہونے کا آغاز ہو گیا۔

☆☆☆

"کیا تم لوگوں کو اویس پر اعتبار ہے؟" ارسل نے تذبذب سے دریافت کیا۔

"کیوں؟ تمہیں نہیں ہے کیا؟" رونی چونکا۔ "اگر ایسا تھا تو اپنی گاڑی کی کیز کیوں دی تھیں؟"

ثنیا اور ماریہ بھی سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب

دیکھنے لگیں۔

"میں اُس ٹائم بہت ڈسٹرب تھا۔ میرا مائنڈ آؤٹ آف کنٹرول تھا۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"آئی سی! کہیں ایسا تو نہیں کہ سفر شروع کرنے سے پہلے جو پیگ لگایا تھا، اس کا اثر اسٹور میں سامنے آیا ہو۔" رونی نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"ناٹ ایٹ آل! میں نے کوئی پہلی دفعہ ڈرنک نہیں کی۔" وہ جھلایا۔

"ویسے میں نے بھی نوٹ کیا تھا کہ تم اسٹور میں کمفرٹ ایبل نہیں تھے۔" شینا نے کہا۔ "میں نے تم سے کئی بار پوچھا تھا۔"

ارسل لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کے وجود میں شدید اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ اپنے دل و دماغ سے یہ بوجھ اتار دینا چاہتا تھا تاہم ان کا ممکنہ استہزائیہ ردِعمل گریزاں رہنے پر مائل کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے سوئٹ ہارٹ؟" شینا نے اسے مخاطب کیا۔ "تم اتنے اُلجھے ہوئے کیوں ہو؟"

وہ لمحہ فیصلہ کن تھا۔ ارسل نے مضطرب ہو کر اپنی آنکھیں میچیں اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

"وہ..... اویس..... وہاں..... تھا..... لیکن..... وہ..... وہاں..... نہیں..... تھا....."

ارسل کے اس بے ربط انداز اور انکشاف نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ان کی کیفیات سے بے خبر اپنی ہی لے میں مزید گویا ہوا۔

"وہاں..... مرر میں..... تم..... سب..... تھے..... وہ..... نہیں..... تھا..... پھر..... اس..... کا..... فیس..... اوگاڈ..... اس..... کی..... آنکھیں....."

"کیا ہوا اس کی آنکھوں کو؟" رونی نے اس کے خاموش ہوتے ہی بے چینی سے استفسار کیا۔

ارسل کا تنفس غیر متوازن ہو چکا تھا۔ پیشانی پر سرد موسم کے باوجود پسینہ جھلکنے لگا تھا۔

"اس..... کی..... آنکھیں....." وہ پہلو بدلتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

رونی، ماریہ اور شینا اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان آنکھوں کی حدت، رنگت اور ہیئت مکمل طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔

"آئی ایم سوری گائز..... آئی ایم سوری۔" وہ اپنی آنکھیں میچتے ہوئے سر دائیں بائیں جھٹکنے لگا۔

"تم نے وہاں کیوں نہیں بتایا کچھ؟" رونی نے خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا نیند میں چلتا جا رہا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"مجھے تو لگتا تھا ایسا صرف میرے ہی ساتھ ہوا ہے اور وہ میرا کوئی وہم ہے۔" رونی کے لبوں سے سرسراہٹ برآمد ہوئی۔

ارسل بے چینی سے اُس کی جانب دیکھنے لگا۔ شینا اور ماریہ کی نگاہوں میں خوف در آیا تھا۔

"یقین کرو..... وہ بہت خطرناک تھا..... سن سیٹ کے وقت اتنی تیز دھوپ..... اور وہ دھوپ بالکل بلیکش تھی..... بالکل بلیکش....." رونی نے تھوک نگلتے ہوئے بتایا۔

اس کے بدن کا ہر ایک مسام پسینہ اُگلنے لگا تھا۔ کمال ایک بار پھر چبھتی محسوس ہو رہی تھی۔

"بلیکش دھوپ....." شینا جھرجھرائی۔ "ہاں..... ہو سکتی ہے، بالکل ہو سکتی ہے..... وہ بارش بھی تو ایسی ہی تھی..... سارا آسمان چھوڑ کے وہ بادل صرف میرے اوپر ہی....."

شینا کے بدن پر لیس دار مشفن بوندیں سرسرانے لگیں۔ وہ اپنی ہیئت پر خود ہی کراہت محسوس کر رہی تھی۔

"ماریہ..... تم؟" رونی نے تشویش سے اس کی جانب دیکھا۔ "کیا ہوا تھا؟"

شینا اور ارسل بھی اسی کی جانب متوجہ تھے۔ ماریہ کے بدن میں درد سے اینٹھن پیدا ہونے لگی۔ اس نے اپنے بازو، ٹانگیں اور کندھے دباتے ہوئے کہا۔

"گائز! اگر ہم سب کے ساتھ یہ سب ہوا ہے تو باقی سب نے کیوں نہیں دیکھا؟ یہ کیا مسٹری تھی؟ اویس کی وہ حالت ہم تینوں نے کیوں نہیں دیکھی؟ وہ بار سیل بروز تم تینوں نے کیوں نہیں دیکھے؟ بلیکش دھوپ اور وہ رین..... سب نے کیوں نہیں دیکھی؟"

"بالکل!" شینا بھی ہیجان زدہ ہوئی۔ "یہ کیا مسٹری تھی؟"

"ہم شاید اس پیگ کے اثر میں تھے۔" رونی نے خود کو ہی دلاسا دیا۔

"لوشٹ اَپ مین!" ماریہ جھنجلائی۔ "ہم میں سے کسی نے بھی آج پہلی بار ڈرنک تو نہیں کی ہے۔ میں نے تو اپنے مام ایڈ کو دیکھتے ہوئے لمحوں اتنے سے بھی پہلے اسے ٹیسٹ کر لیا تھا۔"

ماریہ کی اس بات پر وہ بھی خاموش ہو گئے۔

"آئی تھنک ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔" ارسل یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جائیں گے اور کیسے؟" شینا بے چین ہوئی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ لاؤنج میں ٹہلنے لگا۔ "ہمیں یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مجھے لگتا ہے ہم نے کوئی بہت بڑی

غلطی کردی ہے۔"

"واپس کیسے جائیں گے؟ ان ایریاز میں بہت جلدی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس وقت پیدل وہاں کیسے پہنچیں گے؟" رونی نے کہا۔

"پہنچ کر بھی کیا کرلیں گے؟ گاڑی تو خراب کھڑی ہے۔" ثنیا اُلجھی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔" ماریہ کی آواز بلند ہو گئی۔ "ارسل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

رونی اور ثنیا ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر رہ گئے۔

"فائن! تم لوگ یہیں رہو۔ میں نہیں رکوں گا۔" ارسل نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں ناقابلِ برداشت حدت پیدا ہونے لگی۔ وہ انگوٹھے اور انگشت شہادت سے دونوں آنکھیں مسلتے ہوئے دروازہ فیر متقفل کرنے ہی لگا تھا کہ اس کا بدن ساکت ہو گیا۔ دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر نصب کھڑکی سے شدید برف باری دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے دروازے کی جانب ہاتھ بڑھایا اور اس بار حیرت سے شل ہو گیا۔

کاٹیج کا دروازہ بیرونی طرف سے متقفل ہو چکا تھا۔

"ارسل! پلیز اسٹاپ۔" ثنیا کی آواز نے اسے چونکایا۔ "اس وقت باہر جانا بے وقوفی ہو گی۔ موسم ٹھیک نہیں ہے۔ ہم صبح کچھ نہ کچھ کرلیں گے۔"

وہ گہری سانس لیتے ہوئے اس کی جانب مڑا اور زہر خند ہوا۔

"مبارک ہو۔ ہم یہاں بُری طرح پھنس چکے ہیں۔ دروازہ باہر سے لاکڈ ہے۔"

رونی، ماریہ اور ثنیا حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ چابیاں تو میرے پاس ہیں۔" رونی نے کہا۔

ارسل نے تمسخر سے اس کی جانب دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میرا خیال ہے موسم ٹھیک نہیں ہے اس لیے دروازہ فریز ہو گیا ہے۔" ثنیا نے تاویل دی۔ "صبح کچھ نہ کچھ کرلیں گے۔"

ارسل نے اس کی بات ان سنی کر دی۔ اس کے ذہن میں شدید خلفشار برپا تھا۔

"ایک رات کی ہی بات ہے۔" رونی نے دلاسا دیا۔

ماریہ کی رنگت بھی متغیر ہو چکی تھی۔ وہ متوحش نظروں سے برف باری کی طوفانی رفتار دیکھ رہی تھی۔

"تم مانو یا نہ مانو۔ ہم سب یہاں بُری طرح پھنس گئے ہیں۔" ارسل نے انہیں متنبہ کیا۔

"اور تم پہ بھی مانو یا نہ مانو۔" ماریہ کی آواز مرتعش تھی۔ "ہم یہاں آئے نہیں، لائے گئے ہیں۔"

☆☆☆

رات کا سفر سست روی سے جاری تھا۔ بیرونی سمت ہر سُو دکھائی دینے والی برف باری کے باعث تاریکی بھی بے حد روشن محسوس ہو رہی تھی۔ فطرت کی یہ دل فریبی اپنی تمام تر سحر انگیزی کے باوجود لاؤنج میں بیٹھے ان چاروں افراد کے مزاج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر پا رہی تھی۔ ان کے چہروں پر تشویش، اضطراب اور سراسیمگی ہلکورے لے رہی تھی۔ لاؤنج کی فضا سگریٹ کے دھوئیں سے نہایت کثیف ہو چکی تھی۔ اس سکوت میں گاہے بگاہے اس لمحے تغطل پیدا ہو جاتا جب ان کے خالی پیٹ اپنے لیے اشیائے خورد و نوش کا مطالبہ کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کرتے۔

ماریہ نے اکیسویں مرتبہ اپنے موبائل فون کی اسکرین روشن کی اور سگنلز نہ ملنے پر فون صوفے پر پٹخ دیا۔

"پتا نہیں کہاں آ کر پھنس گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ پتا نہیں کون سی منحوس گھڑی تھی جب ہم نے ان علاقوں کی طرف آنے کا منصوبہ بنایا تھا۔" رونی نے بھی سر جھٹکا۔

"او..... ہیلو....." ماریہ تڑخ گئی۔ "اس منحوس گھڑی کو پلان کرنے والے بھی تم ہی تھے۔"

"میں..... نہیں تو..... میں نے کب کیا تھا ایسا؟" وہ انجان بن گیا۔

"جب ارسل نے سب کو اپنی نیو کار دکھائی تھی۔" اس نے ہر ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔

"مجھے یاد نہیں۔" رونی نے سر جھٹکا۔

"اس نیو کار کو دیکھتے ہی ٹریٹ لینے کا شور کس نے کیا تھا؟" ارسل کے ہونٹوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ رینگی۔

"دوستوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" رونی نے کندھے اچکائے۔ "اگر ہم دوستوں نے ایسی کسی ٹریٹ کی ڈیمانڈ کر ہی دی تھی تو کیا ایشو تھا؟"

"گائز پلیز اسٹاپ دس۔" ثنیا نے بیزاری سے کہا۔

"کیوں چپ رہوں بھئی؟" ماریہ سلگ گئی۔ "ہم تو کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر یا لنچ کی ٹریٹ پلان کر رہے تھے۔ تمہیں

Page 168 of 186

ہی شوق چڑھا تھا کہ ایک رومانٹک ایڈونچر کرنا چاہیے۔ ہونہہ..... رومانٹک ایڈونچر....."

"تو تم منع کر دیتیں۔ کیوں چلی آئیں ساتھ؟" رونی بھڑک گیا۔ "تمہیں بھی تو اسی رومانٹک ایڈونچر کے مزے لینے تھے نا۔"

"دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔" وہ ایک طویل کش لیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"دماغ ٹھیک تھا ہی کب۔" رونی ایک نیا سگریٹ سلگانے لگا۔

ارسل کے ہونٹوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ اس لمحے انتہائی بیزاری محسوس کر رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک بار پھر وہی جلن در آئی تھی۔ وہ بے بسی سے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔

"یو..... سن..... آف..... بچ....." ماریہ نے طیش سے کہا۔ اس کی نگاہوں سے یہ مسکراہٹ پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

"مائنڈ یور لینگویج۔" رونی نے درشتی سے کہا۔

وہ ان لمحات میں اپنی کیفیات خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ ماریہ کے لیے اپنے جذبات، استحقاق، نرمی اور محبت کہیں پس پشت محسوس ہو رہے تھے۔

"پلیز سب خاموش ہو جاؤ....." ثینا نے کوفت سے کہا۔

ارسل نے سگریٹ کا ایک کش لیتے ہوئے بیزاری سے ان سب کی جانب دیکھا اور اپنی آنکھیں دبانے لگا۔ رونی اور ماریہ کی باہمی دشنام طرازی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ثینا بھی انہیں تاسف سے دیکھتے ہوئے سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔

اگلے چند لمحات ایک غیر فطری سکوت میں بیت گئے۔ خالی معدے کی دہائیاں بلند تر احتجاجی صداؤں میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔

"آئی تھنک ہمیں ڈنر کر لینا چاہیے اب۔" ثینا نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

ارسل اس تجویز پر نیم رضامند دکھائی دینے لگا۔ ماریہ بھی اپنے طیش کو پس پشت ڈالے کھانے کے لیے شدید طلب محسوس کر رہی تھی۔

"میں وہ ٹن فوڈ لے آتی ہوں جو ہم نے اویس کی شاپ سے لیا تھا۔" ثینا نے رونی سے کہا اور ارسل کی کیفیت دیکھتے ہوئے خفت میں مبتلا ہو گئی۔

"میں دیکھتی ہوں اگر فریج میں کچھ ہوا تو وہ لے آؤں گی۔" اس نے فی الفور اپنی بات تبدیل کر دی۔

ارسل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا دیا۔

"ماریہ! تم بھی چلو میرے ساتھ۔" ثینا نے ملائمت سے اسے مخاطب کیا۔

"سوری! میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے رُکھائی سے جواب دیا۔

ثینا کے چہرے پر ناگواری جھلکی تاہم اس نے اپنے تاثرات پر قابو پا لیا۔ ماریہ اب اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹانگوں پر ہلکی ہلکی ضربات رسید کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

کھانے کے اختتام پر وہ سب شدید سستی محسوس کرنے لگے۔ دن بھر کی تھکاوٹ، غیر یقینی حالات، بے بسی، اذیت اور باہمی چپقلش نے ذہنی تناؤ دو چند کر دیا تھا۔ شکم سیری کے بعد اب واحد شدید طلب ان کیفیات سے فرار تھی۔ وہ نیند کے جھٹکوں سے بے حال اس ماحول سے بھی خائف تھے۔ ایک غیر فطری طور پر مقفل رہائش گاہ میں پُرسکون نیند کا تصور ہی محال تھا۔

"مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ میں اب یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔" ثینا نے اپنی جمائی بمشکل روکتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" ماریہ نے فی الفور جواب دیا۔

ثینا حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس سفر پر روانگی سے پہلے وہ چاروں باہمی شب بسری کے لیے بہت پُرجوش تھے۔ سفر کی اس پہلی ہی رات میں یہ تبدیلی حیران کن تھی۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہاں نیند کیسے آئے گی؟" ارسل نے اپنے بال مٹھی میں بھینچ لیے۔

"وہ کہتے ہیں نا نیند تو سُولی پر بھی آ جاتی ہے۔" رونی نے کہا۔

"میں اور ثینا سونے جا رہے ہیں۔ تم دونوں فیصلہ کر لینا کہ کیا کرنا ہے؟" ماریہ نے نیند کے جھونکوں سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔

ثینا بھی اپنے اعصاب میں شدید پژمردگی محسوس کر رہی تھی۔ اسے نیند کے سوا کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"گڈ نائٹ گائز!" اس نے غیر اختیاری طور پر اپنا سر کھجایا اور جمائیاں لیتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"چلو ہم بھی سونے چلتے ہیں۔" رونی نے بیزاری سے کہا۔ "جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ارسل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دوسرے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ اپنے بدن میں بھی حدت محسوس کرنے

لگا تھا۔ رونی کے چہرے اور جسم کے کھلے اعضا پر پسینہ جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ کالج کی اندرونی فضا اپنے نئے مکینوں کے خراٹوں سے مرتعش تھی۔ وہ سبھی اپنی تھکاوٹ اور تناؤ سے مغلوب ہو کر انتہائی غافل ہو چکے تھے۔ بیرونی سمت برفباری مسلسل جاری تھی۔ آسمان سے موتیوں کی صورت میں گرتی اس برف نے تاریکی کو بھی روشن کر رکھا تھا۔

اس مرتعش فضا نے یک دم ماریہ کی نیند میں خلل پیدا کر دیا۔ اس نے مُندی آنکھوں سے موبائل فون پر وقت کا اندازہ کیا۔ صبح طلوع ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ نیند سے ہم آغوش ہونے ہی لگی تھی کہ ایک نامانوس احساس نے اسے چونکا دیا۔ اسے اپنی کمر کے گرد ایک بازو کے کس کا احساس ہوا تھا۔

"ہاتھ پیچھے رکھو شینا!" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"مجھے اس طرح بالکل نیند نہیں آتی۔"

شینا کے بازو میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔

"یار! سنائی نہیں دے رہا کیا؟ تھوڑا پیچھے ہو کر لیٹو۔" وہ جھنجلائی۔

نتیجہ حسبِ سابق تھا۔ ماریہ کے تھکاوٹ سے چور بدن میں کروٹ تبدیل کر لینے کا بھی یارا نہیں تھا۔ اس نے بازو پیچھے دھکیلنا چاہا تو ایک عجیب نکیلے اور تکلیف دہ احساس نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کا بدن سنسنا کر رہ گیا۔ کروٹ تبدیل کرنے کی ہمت اب بالکل ہی ختم ہو چکی تھی۔

اسی لمحے اس کی نگاہ ملحقہ باتھ روم کے دروازے پر پڑی جس کی درز سے روشنی منعکس ہو رہی تھی۔ کچھ ہی اثنا میں وہ دروازہ کھلا اور اندرونی سمت سے شینا برآمد ہوئی۔

"تم..... وہاں....." ماریہ ہکلائی۔

"مجھے اپنے بالوں سے سخت بُو آ رہی تھی۔" شینا نے کندھے اچکائے۔ "شاور لینے گئی تھی۔"

ماریہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور سراسیمگی سے اپنے پہلو میں دیکھنے لگی۔ شینا گہری نیند سو رہی تھی۔ ماریہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ وہ بے یقینی سے سر کے بال تولیے سے خشک کرتی شینا اور اپنے پہلو میں کروٹ کے بل خوابیدہ شینا کو دیکھنے لگی۔ اسے یہ سب کچھ ایک خواب محسوس ہو رہا تھا۔ دھوکنیں منتشر ہونے لگی تھیں۔

"تم کب اٹھی ہو؟" بالوں میں برش کرتے ہوئے شینا نے دریافت کیا۔

ماریہ کی نگاہیں اپنے پہلو پر مرکوز تھیں۔ خوابیدہ شینا کی پلکوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس کی آنکھیں کھلتے ہی ماریہ نے اپنی چیخ روکنے کے لیے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ ان آنکھوں میں سیاہی کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ویسے یار! میں ابھی شاور لیتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔" شینا نے برش ایک جانب رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

ماریہ نے اضطراری انداز میں اپنے دائیں جانب دیکھا۔ بستر پر اب کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس کی دہشت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ شینا نے ایک طویل انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"ہم سب بھی نا بہت اسٹوپڈ ہیں۔ کالج میں آتے ہی خواہ مخواہ فائٹ شروع کر دی۔"

ماریہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"ہم یہاں اس لیے تو نہیں آئے تھے کہ الگ کمروں میں رہیں۔ آج نہیں تو کل موسم ٹھیک ہوتے ہی نکل جائیں گے۔ اس کالج میں ایک زبردست رومانٹک نائٹ سیلیبریٹ کر سکتے تھے۔ تم نے رونی سے فائٹ کر کے سب کچھ بیکار کر دیا۔"

ماریہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔ اسے رونی کے ساتھ اپنی بحث اور تلخ کلامی یاد آ رہی تھی۔

"ہم..... آئی ڈونٹ نو..... اُس وقت کیا ہو گیا تھا مجھے؟"

"تو اب سوچو نا۔" شینا نے معنی خیزی سے کہا۔

"اس وقت سوچنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔" اسے اپنے پہلو میں ایک نکیلا، تکلیف دہ احساس از سرِ نو جھرجھرانے لگا۔

"آہاں..... مثلاً؟" شینا اب بستر پر نیم دراز ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں....." اس نے گہری سانس لی اور ایک توقف کے بعد کہنے لگی۔ "تمہارے میڈیسن باکس میں کوئی پلز ہیں کیا؟ مجھے اس وقت نیند چاہیے۔ جسٹ نیند۔"

شینا بھی کچھ ثانیوں کے لیے کسی سوچ میں غرق دکھائی دینے لگی۔ اسے بھی بلاشبہ نیند کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ چند گھنٹے کی خوابیدگی کے بعد آنکھ کھل جانے اور دوبارہ نیند کے لیے کوشش کسی آزار سے کم نہیں تھی۔ وہ بستر سے اٹھی اور ایک گولی خود پھانک لینے کے بعد ماریہ کو بھی تھما دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ایک بار پھر انتہائی غافل ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

ارسل کی آنکھ کسی نامانوس احساس سے کھلی تھی۔ اُسے اپنے حلق میں شدید خراش محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے حسبِ عادت بستر کے ساتھ تپائی پر پانی کا جگ اور گلاس ٹٹولا اور جھنجلا کر رہ گیا۔ سخت نیند کے باعث وہ پانی رکھنا ہی بھول گیا تھا۔ اس نے بوجھل سانس لیتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کیا

اور پانی سے لبالب ایک جگ اور گلاس لے آیا۔

"بروا! مجھے بھی دینا پلیز۔" رونی نے مُندی ہوئی آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

ارسل نے گلاس اسے تھما دیا۔ رونی بستر کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گلاس خالی کر کے ارسل کو تھما دیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ارسل نے پانی پیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"بہت کچھ۔" اس نے گہری سانس لی۔ "دماغ کی بھجوی بنی ہوئی ہے۔"

"اچھا! وہ کیوں؟" ارسل نے بات برائے بات استفسار کیا۔

"سب کچھ ایک خواب جیسا لگ رہا ہے بروا!" کبھی لگتا ہے جو کچھ دیکھا وہ سب کوئی واہمہ تھا۔" رونی نے اپنے ہونٹ بھینچے۔

"کیا کچھ نہیں سوچا تھا یارا ایک لانگ ڈرائیو۔ زبردست کمپنی۔ رومانٹک اوور نائٹ اِسٹے۔ ہائیکنگ اور پتا نہیں کیا کچھ....." ارسل نے سر جھٹکا۔

"رائٹ بڈی!" اس نے تائید کی۔ "مجھے تو ماریہ کی وجہ سے بھی بہت پریشانی ہے۔ پتا نہیں اُسے کیا ہو گیا ہے؟"

"اِٹس نیچرل بروا۔" وہ رسان سے کہنے لگا۔ "ہم سب جس صورت حال سے گزر رہے ہیں اس میں یہ ری ایکشن نیچرل ہے۔"

"شینا بھی تو ہے۔ وہ یہ سب کتنا اسموتھلی ہینڈل کر رہی ہے۔" اس کے لہجے میں غلش در آئی۔

"ہم..... شینا ایک کوآپریٹو پارٹنر ہے۔" ارسل نے اعتراف کیا۔

"لکی یو آر۔" وہ عجیب انداز میں مسکرایا۔

"لیکن ایک پرابلم بھی ہے بروا" اس نے ایک توقف کے بعد کہا۔ "وہ بہت اوور پوزیسو ہے۔"

"ہاں یہ بات تو میں نے بھی محسوس کی ہے۔ وہ کبھی کبھی بہت چوکس بن جاتی ہے۔" رونی نے معنی خیزی سے اسے دیکھا۔

"آئی تھنک اس معاملے میں ماریہ بہت گریس فل ہے۔ وہ خود کو دوسرے شخص کے گلے کا ہار نہیں بننے دیتی۔" ارسل نے ہونٹ سکیڑے۔

اگلے چند لمحات میں ارسل کے ذہن میں ماریہ جبکہ رونی کے شینا کی جملہ خصوصیات گردش کرتی رہیں۔ ارسل نے اپنے گلاس میں دوبارہ پانی بھرنا چاہا تو رونی کہنے لگا۔

"ڈرنکس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اوہ یس! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ہمارے سامان میں ریسٹ کے کین بھی موجود ہیں۔" ارسل نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"میں لے کر آتا ہوں۔" رونی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر ڈرائی فروٹس بھی مل جائیں تو کیا ہی بات ہے۔" وہ لچایا۔

"فینشن ناٹ بروا!" رونی نے مسرور انداز میں کہا۔ "اس شاپ سے کافی ڈرائی فروٹس لیے تھے۔"

اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی ارسل کے ذہن میں ایک بار پھر اویس سے وابستہ ان ہولناک لمحات کا تصور اجاگر ہو گیا۔ وہ اپنے سر سے دھیرے دھیرے بستر کی پشت پر ضربات رسید کرنے لگا۔

دوسری جانب رونی نے لاؤنج میں رکھے بیگ سے مطلوبہ سامان برآمد کر لیا۔ اس کی نگاہیں لڑکیوں کے کمرے پر مرکوز تھیں۔ وہ دبے قدموں چلتا دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ اندرونی سمت سے خراٹوں کی آواز سنتے ہی اس کا مزاج مکدر ہو گیا۔

"عجیب لڑکیاں ہیں۔ ایسے ماحول میں بھی گھوڑے بیچ کر سو رہی ہیں۔ صبح اٹھ کر کہیں گی کہ ہمیں تو نیند ہی نہیں آئی تھی۔" اس نے منہ بنایا۔

"اتنی دیر کہاں لگا دی بھئی؟" ارسل نے اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر استفسار کیا۔

رونی نے تمام تر سامان تپائی پر رکھا اور معنی خیزی سے کہا۔ "میں ذرا کچھ چیک کرنے رک گیا تھا۔"

"میں پانی لینے گیا تو چیک کر آیا تھا۔" ارسل نے اعتراف کیا۔

رونی نے ایک کین اسے تھمایا اور خود بھی خشک میوہ جات سے انصاف کرنے لگا۔ چند لمحے اسی سکوت میں بیت گئے۔

"ویسے میں ایک اور بات بھی سوچ رہا ہوں۔" ارسل نے اپنی آنکھیں مسلیں۔

"ہم..... آئی نو بروا....." رونی نے مزید خشک میوہ جات اٹھا لیے۔ "یہی سوچ رہے ہو نا کہ یہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"صبح سارے کاج کو چیک کریں گے۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی رستہ مل ہی جائے گا۔" رونی نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دیتے ہوئے اپنے بازوؤں میں پیدا ہونے والی تھکاوٹ کو سہلانے کی کوشش کی۔

"امید تو ہے۔" ارسل نے ایک اور کین کھولتے ہوئے کہا۔

"ویسے یہ تو بروا!" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"اس روڈ ٹرپ کے لیے سب سے زیادہ پُرجوش ہونے والی لڑکیاں اس وقت بے ہوش پڑی ہیں۔"

"اور صبح اٹھتے ہی کہیں گی ہم تو اسٹریس اور ٹینشن سے ساری رات سوئے ہی نہیں۔" ارسل کی آنکھوں میں شرارت جگی۔

"آئی سوئیر امیرے ذہن میں بھی یہی بات آئی تھی۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے بے ساختگی سے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ ارسل نے بھی غیر ارادی طور پر بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر مخصوص انداز میں تالی دے ماری۔

ان مختصر لمحات میں وہ پہلی دفعہ تناؤ اور پریشانی سے آزاد ہوئے تھے۔

"ایک بات کہوں بروا" ارسل نے ایک توقف کے بعد کہا۔ "بُرا مت ماننا۔"

رونی استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"کل صبح ماریہ کو اس نیند کی وجہ سے بالکل ٹانٹ نہ کرنا۔" اس نے رسان سے سمجھایا۔

"ہم..... اوکے!" وہ بھی ایک اور کین کھولتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" ارسل متذبذب ہوا۔

"ارے نہیں بروا! ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟" رونی نے مشروب کا ایک گھونٹ لیا۔

"ماریہ بہت حساس لڑکی ہے۔" وہ کسی سوچ کے تحت کہنے لگا۔ "اسے ٹانٹ کرو گے یا نان سیریس پی ہیو کرو گے تو وہ....."

"ہم..... میں سمجھ گیا ہوں۔" رونی نے ٹالا۔

ارسل خوش دلی سے مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ رونی کے دل میں ایک عجیب خلش بیدار ہوئی تھی۔ ماریہ کے لیے ارسل کی تشویش، توصیف اور پند و نصائح اسے مضطرب کرنے لگے۔ ذہنی خلفشار از سرِ نو بیدار ہو گیا۔ وہ اپنی گردن سے پسینہ خشک کرنے لگا۔ ارسل نے اس دوران ایک اور کین کھول لیا تھا۔

☆☆☆

"کیا خیال ہے؟ اس بار ہم کامیاب ہو جائیں گے نا؟" وہ پُرامید تھی۔

"لگتا تو یہی ہے۔" اس نے قیاس کیا۔

"مجھے لگتا ہے ان پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں ہر بار یہی لگتا ہے اور ہر بار آخری لمحوں میں بازی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"اس دفعہ یہ سب نہیں ہوگا۔" وہ حسبِ عادت خود کو ہی دلاسا دینے لگی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے ورنہ سزا تو ہم دونوں کو ہی ملے گی۔"

اس لمحے وہ دونوں کسی دباؤ اور خوف میں مبتلا دکھائی دینے لگے۔

☆☆☆

اگلے روز کالج کے کیمپسز کی نیند دوپہر کے وقت ہی مکمل پائی تھی۔ سکون بخش ادویات اور بے ہوشی نے انہیں ہوش و حواس سے بیگانہ رکھا تھا۔ بیدار ہوتے ہی انہوں نے اپنے موبائل فونز کا جائزہ لیا تھا۔ نتیجہ حسبِ سابق پاتے ہی وہ شکستگی سے یکے بعد دیگرے لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

موسم کے تیور قدرے بہتر تھے۔ آسمان سے سفید موتیوں کی جھڑی فی الوقت تعطل کا شکار تھی۔ کھڑکی سے باہر تاحدِ نگاہ برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔

"واؤ..... سلیپنگ بیوٹی۔" رونی نے ماریہ کی ہلکی متورم آنکھیں اور منتشر بالوں کو دیکھتے ہوئے ستائشی انداز میں کہا۔

ماریہ کے لبوں پر ایک پژمردہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے اپنی انگلیوں سے بال سنوارتے ہوئے کیچر میں سمیٹ دیا۔

"نیند تو ٹھیک سے آئی نا سوئٹ ہارٹ؟" وہ وارفتگی سے مستفسر تھا۔

"کہاں یار! عجیب ہی حالت رہی بس۔" اس نے اپنے بازو اور ٹانگیں سہلائیں۔

"ہم..... میرے ساتھ بھی کچھ یہی سچویشن تھی۔" رونی نے تائید کی۔

"مجھے تو رات میں شاور لینا پڑا۔ خود سے اتنی بُو آ رہی تھی۔" ثنیا نے بے بسی سے بتایا۔

"میں بھی پیاس کی وجہ سے اٹھ گیا تھا۔" ارسل نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"گائز! میں جو بات کرنے لگی ہوں اسے نان سیریس مت لینا۔" ماریہ نے ایک توقف کے بعد کہا۔

رونی تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ ثنیا اور ارسل کی نگاہوں میں بھی اُلجھن تھی۔

"کل رات ہمارے روم میں..... ایک..... نہیں..... دو..... ثنیا..... تھیں....." اس نے بے ربطگی سے بتایا۔

دیگر تینوں افراد متوحش دکھائی دینے لگے۔ عمومی حالات میں ایسی کوئی بھی بات سنتے ہی وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے لیکن گزشتہ روز سے پیش آنے والے واقعات کے بعد کوئی بھی غیر معمولی بات متوقع اور قابلِ یقین تھی۔

"اس گھر میں کچھ ہے۔ آئی سوئیر! اس گھر میں کچھ ہے۔" ماریہ اب اپنے کندھے دبانے لگی تھی۔ "یہاں کوئی بُرا

نیچرل پاور ہے۔"

"تم کیا کہتی ہو شینا؟" رونی نے پہلا ارادہ ہی اسے مخاطب کیا۔

"ماریہ ایسا کہہ رہی ہے تو کسی وجہ سے ہی کہہ رہی ہوگی۔" ارسل نے رسان سے کہا۔

رونی اور شینا کے چہروں پر ایک تغیر پیدا ہوا تھا۔

"تمہیں اور کیا محسوس ہوا تھا ماریہ؟" ارسل نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

ماریہ انہیں اپنے تاثرات اور کیفیات سے آگاہ کرنے لگی۔

"مجھے بھی شاور لینے کے بعد ایک بار محسوس ہوا تھا کہ یہ کسی سے ہاتھ ہٹانے کی کوئی بات کر رہی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی یہ ایسے ڈر گئی تھی جیسے کسی گھوسٹ کو دیکھ لیا ہو۔" شینا نے خود کو متوازن رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے سپر نیچرل پاور نہیں ہے۔" رونی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ہم....." ارسل نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"یہاں شاید کسی آرگنائزڈ گروپ کا قبضہ ہے۔"

"ریش....." شینا نے سر جھٹکا۔ "یہ سب کچھ جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، اس میں کوئی آرگنائزڈ گروپ کیسے شامل ہو سکتا ہے؟"

"تم نے بھی تو موویز میں دیکھا ہوگا۔ کبھی فارن ایجنسیز، کبھی کوئی کریزی سائنٹسٹ ٹائپ لوگ ایسے علاقوں میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی اتھارٹی مین ٹین رکھنے کے لیے نیو کمرز کو ایسے ہی ٹریٹ کرتے ہیں۔ ان کے موبائل نیٹ ورکس جام ہو جاتے ہیں۔ وہ اسٹرینج چیزیں دیکھتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ایسی کتنی ہی موویز ایک ساتھ بھی تو دیکھی ہیں۔" ارسل نے وضاحت کی۔

"وہ سب موویز ہوتی ہیں یار! فکشن اور فینٹسی۔" شینا نے کہا۔

"موویز بھی تو لائف کا ہی عکس ہوتی ہیں نا۔" وہ مصر تھا۔

"فار گاڈ سیک گائز! یہ کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو؟" ماریہ جھنجلائی۔

ارسل اور شینا جز بز ہونے لگے۔

"موویز، فینٹسی، اپنی تھیریز ڈسکس کر کے وقت ضائع کر رہے ہو۔ اصل پوائنٹ کیوں نظر انداز کر رہے ہو؟ ہم لوگ ایک ایسی جگہ پر پھنس چکے ہیں جہاں باہر کی دنیا میں کسی سے رابطہ نہیں ہو پا رہا۔ اس کالج سے باہر نکلنے کا کوئی آپشن نظر نہیں آ رہا۔ ہم یہاں کب تک رہیں گے؟ کیسے نکلیں گے؟ فار گاڈ سیک! اس کے بارے میں سوچو۔" وہ چیخ گئی۔

"ریلیکس ہنی! پلیز ریلیکس!" رونی نے اس کی گردن میں اپنا بازو حمائل کیا۔

"کیسے ریلیکس ہو جاؤں؟" ماریہ کی آنکھیں برسنے لگیں۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ؟ کیوں ہو رہا ہے؟ شینا کے جسم سے بُو آنے لگتی ہے۔ میرے بدن کا ہر ایک حصہ ٹوٹنے لگا ہے۔ ارسل کی آنکھیں اور چہرہ ایک دم ریڈش ہو جاتے ہیں۔ تمہاری باڈی پر اسکریچز نظر آنے لگتے ہیں۔ کیا ہے یہ سب؟ میں تھک گئی ہوں۔ ایک ہی رات میں سینچریز سے بھی زیادہ بوڑھی لگنے لگی ہوں خود کو۔ مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں اپنی دنیا میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ نارمل لائف میں نارمل لوگوں کی طرح تم لوگوں سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

ماریہ کی اس ترتیب نے سبھی کے جذبات کو گویائی دی تھی۔ رونی اپنے ہونٹ کچلتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہم یہاں سے ضرور واپس جائیں گے۔"

"کیسے؟ اس ونڈو کی آئرن راڈز توڑیں گے یا یہ فلور کھود کر کوئی ٹنل نکالیں گے؟" اس نے تلخی سے دریافت کیا۔

"کل رات سے اب تک ہم نے کیا کر لیا ہے؟ آپس میں فائٹ کر رہے ہیں، بحث کر رہے ہیں۔"

"کل رات ہم تھکے ہوئے تھے۔ اس لیے کچھ نہیں کر سکے۔" ارسل نے گہری سانس لی۔ "ابھی اچھا سا بریک فاسٹ کریں گے۔ اپنے موبائل فون چارجنگ پر لگائیں گے اور اس کالج کے ہر ایک کارنر کو چیک کریں گے۔ ہم یہاں کی مسٹری سولو کر لیں گے۔"

"رائٹ! تو ابھی تم دونوں ناشتا بناؤ۔ گی پھر ہم اپنا کام شروع کریں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو موبائل سگنلز کی طرح لائٹ بھی غائب ہو جائے۔" رونی نے دانستہ طور پر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں کچن سے بالکل الرجک ہوں۔" شینا نے کہا۔

"اور دوسری بات یہ کہ شکل اچھی نہ ہو تو انسان بات ہی اچھی کر لے۔ لائٹ جانے کی تو بات بھی نہ کرو۔" ماریہ کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔

"تھینک گاڈ!" ارسل نے آسودہ سانس خارج کی۔

"فائنلی ماریہ از بیک۔"

رونی اور شینا کے چہروں پر ناگواری تھرکنے لگی۔

"جلدی کرو! ہمیں آج رات تک ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہے۔ میں دوبارہ وہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔" ماریہ

نے متنبہ کیا۔
"ہم میں سے کوئی بھی یہاں رہ کر سب کچھ دوبارہ لیس نہیں کرنا چاہتا۔" رونی بھی سنجیدہ ہوا۔
"چل بروا یہ تو کسی کام کی نہیں ہیں۔ ہم ہی ناشتے کا کچھ کرتے ہیں۔" ارسل نے دانستہ طور پر شرارتاً کہا۔
رونی خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن اور خلش تھی۔

☆☆☆

منظر ایک بار پھر لاؤنج کا تھا۔ ثنیا، ارسل، رونی اور ماریہ ایک نئی سرگرمی میں مشغول ہو چکے تھے۔ انہوں نے اگلے تین گھنٹوں میں کاٹیج کے ہر ایک چپے کی تلاشی لی۔ فرش ٹھونک بجا کر دیکھے، دیواروں پر مخصوص ابھار تلاشے، بیڈ رومز میں درازوں، بستر کے نیچے فرش، الماریوں کے عقبی حصے کھنگالے۔ چھت پر نصب آرائشی قمقموں کا جائزہ لیا گیا لیکن کہیں بھی کوئی سراغ، رخنہ یا امید نہیں تھی۔
"میرا تو ساری جاسوسی فلموں اور سیریز کا مشاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ اب کچھ اور سمجھ نہیں آ رہا۔" رونی نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔
"میں تم لوگوں سے کہہ رہی ہوں کہ یہاں کوئی سُپر نیچرل پاور ہے۔ سمجھتے کیوں نہیں ہو؟" ماریہ نے بے بسی سے ان کی جانب دیکھا۔
ارسل اور رونی کی نگاہیں باہم ٹکرائیں۔ ان نگاہوں میں بھی اُلجھن اور بے بسی تھی۔ وہ اس بات کو تسلیم کر سکتے تھے نہ ہی اپنا نقطۂ نظر تسلیم کروا پا رہے تھے۔ مردانہ انا اور احساسِ برتری عجیب انداز میں کچوکے لگا رہی تھی۔
"آئی تھنک ہمیں کچن بھی تو چیک کرنا چاہیے۔" ثنیا نے تجویز دی۔ "اتنی جلدی ہار کیوں مان رہے ہو؟"
"پوائنٹ ہے۔" رونی نے بوجھل انداز میں سر ہلایا۔
کچھ ہی دیر میں وہ مختصر سے کچن کی تلاشی لینے لگے۔
"میرا خیال ہے یہاں کسی کیبنٹ سے کوئی رستہ مل جائے۔" ارسل نے خواب ناک سے انداز میں کہا۔
"اوہ تیری....." رونی ایک کیبنٹ کو دیکھ کر چونک ہوا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے کچھ ٹٹول رہے تھے۔
"کیا ملا ہے؟ کیا ہے وہاں؟" ماریہ نے بے تابی سے دریافت کیا۔
رونی نے اپنا ہاتھ ان کے سامنے کر دیا۔
"موبائل فون..... اوہ گاڈ..... یہ کس کا ہے؟ یہاں کیوں رکھا؟" ماریہ چیخی۔
"یہاں ہم سے پہلے بھی کوئی موجود تھا۔ یہ ضرور اسی کا ہے۔" ارسل نے پُرسوچ انداز میں کہا۔
"تو پھر اب وہ کہاں ہے؟" ماریہ نے سوال کیا۔
"گاڈ..... گاڈ..... گاڈ..... اس بحث کو چھوڑ دو کہ کون کہاں ہے؟ کس نے موبائل فون یہاں کیوں چھوڑا؟ کس کے ساتھ کیا ہوا؟" ثنیا نے ٹوکا۔ "فون کو کسی طرح آن کرو۔ مجھے لگتا ہے ہمیں کوئی کلیو مل سکتا ہے۔"
"اس کی کیبل میرے فون جیسی ہی ہے۔ میں اسے چارجنگ پر لگاتا ہوں۔" رونی نے کہا۔
"اوکے! اب تک کچھ کھا لیتے ہیں۔ اس بھاگ دوڑ کے بعد پھر سے بھوک لگ گئی ہے۔" ارسل نے تجویز دی۔
"فریج میں کچھ فروٹس رکھے ہیں۔ اسی سے کام چلا لیتے ہیں۔" رونی نے فون کی ظاہری حالت بغور دیکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا۔
"کیا بڈی؟ فریش کھانے کے لیے تو ترس ہی گیا ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔
"کمال ہے ویسے! تمہیں اس سچویشن میں بھی فریش کھانے کی پڑی ہے۔" ثنیا کے طنز پر ارسل جز بز ہو کر رہ گیا۔
ماریہ نے آگے بڑھ کر فریج سے پھل نکالے اور پلیٹ میں رکھ کر اسے تھما دیے۔
"ابھی اسی سے گزارا کر لو۔ شام کو فریش پاستا بنا لیں گے۔ ایکسکیوزمی! میں اب ذرا فریش ہونا چاہتی ہوں۔" وہ کچن سے نکلتے ہوئے گویا ہوئی۔
رونی ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ ارسل نے ایک نظر پلیٹ پر ڈالی اور بددلی سے اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔
"کہاں جا رہے ہو؟" ثنیا نے حیرت سے دریافت کیا۔
"میں بہت تھک گیا ہوں۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بوجھل پن سے کہا۔
"اسے کیا ہو گیا؟" وہ اس کی پشت دیکھ کر بڑبڑائی۔
"تمہیں رئیلی نہیں پتا اسے کیا ہوا ہے؟" رونی نے تاسف سے ثنیا کی جانب دیکھا۔
ثنیا نے ناسمجھی سے کندھے اچکا دیے۔
"میں تمہیں اتنی امیچور نہیں سمجھتا تھا۔" رونی کو گویا اپنی کم فہمی پر بھی تاسف ہوا۔ "میں تو ارسل سے کہتا تھا کہ وہ بہت لکی ہے۔ اپنی بڑا تم دونوں کا پرسنل میٹر ہے لیکن مرد کو اس طرح ٹریٹ کرو گی تو وہ ایسا ہی کولڈ ری ایکشن دے گا۔"
رونی کی اس بات پر ثنیا ایک نئی سوچ میں گھر گئی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے ارسل کی جانب سے ماریہ کی توصیف و

تائش کھل رہی تھی۔

"مجھے اس سے خود ہی کلیئر کر لینا چاہیے۔" اس نے لمحاتی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا۔

"ہم ایک ٹھیک رہے گا۔ ارسل کے ساتھ تھوڑا وقت گزاروں، آج نہیں تو کل اس کانچ کی مسٹری سولو ہو ہی جائے گی۔ یہ ٹائم ویسٹ ہو گیا تو بعد میں ریگرٹ رہے گا۔" اس کا ارادہ پختہ ہوا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" رونی نے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کچھ نہیں، میں بھی تھک گئی ہوں۔ فریش ہو کر آتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر ٹالا۔

"او کے! میں بھی یہ موبائل فون چارج کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر براجمان ہو گیا۔

شومئی قسمت وہ بھی یہی فون استعمال کرتا تھا۔ اس کی تمام اتر ایسیریز کے علاوہ فنکشنز سے بھی مکمل واقفیت تھی۔ اس نے فون چارجنگ پر لگایا اور اپنے موبائل پر سگنلز کا جائزہ لینے لگا۔

"کیا مصیبت ہے یار؟ کیا اس ایریا کی طرف آنے والی نیٹ کیبلز پر سمندر کی بھی شارکس نے اٹیک کر دیا ہے؟" وہ بلبلا اٹھا۔

اسی اثنا میں ماریہ کمرے سے برآمد ہوئی اور اس کے سامنے صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

"کیا ہوا؟ یہاں کیوں لیٹ گئی ہو سوئٹ ہارٹ؟" رونی نے اس کے آڑے ترچھے وجود سے جھلکتے ہوش رُبا جسمانی خدوخال کو بدیدے انداز سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اندر بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔" اس نے اپنے چہرے اور گردن پر ہاتھ پھیرا۔

"رات والے واقعے سے آپ سیٹ ہو؟" رونی کی نگاہیں ہنوز اس کے سراپا میں الجھی تھیں۔

وہ اس لمحہ فطرتِ انسانی کے ایک عجیب تاہم مسلّمہ ترین پہلو سے نبرد آزما تھا۔ جہاں بقاء کے مسائل، ذہنی تناؤ اور کسی الجھی ہوئی کیفیت میں خود فراموشی کے لیے جنسی لذت میں پناہ تلاشی جاتی ہے۔

"ہاں! بیڈ پر لیٹتے ہی فرسٹریٹ ہونے لگتی ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"میں کمپنی دے دوں؟" وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

ماریہ کے ہونٹوں پر بھی ایک بے باک مسکراہٹ رینگ گئی۔

"پہلے اس کا کچھ کر لو۔ پھر چلیں گے نا۔" اس کے انداز میں واضح آمادگی تھی۔

رونی اپنے وجود میں سنسنی اور سرشاری محسوس کرنے لگا۔ اس کی حسیات اب مکمل طور پر موبائل فون کی طرف مرکوز ہو گئی تھیں جس کی بیٹری میں زندگی کی رمق بیدار ہو چکی تھی۔

☆☆☆

شینا کمرے میں داخل ہوئی تو ارسل دیوار کی جانب کروٹ لیے بستر پر دراز تھا۔ شینا کی آہٹ محسوس کرنے کے باوجود اس کے بدن میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ شینا کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ اس کی جانب وارفتگی سے دیکھنے لگی۔ اپنی تمام تر آزاد خیالی اور بے راہ روی کے باوجود اسے ارسل کے ساتھ رشتہ پروان چڑھانے میں بے حد دلچسپی تھی۔ اس کی وجاہت، انداز، گفتگو اور رکھ رکھاؤ دیگر شناسا لڑکوں سے مختلف تھا۔ شینا نے اس کے جسمانی قرب کے لیے ہی اس ٹرپ کی ہامی بھری تھی لیکن وہ تمام تر جوش و جذبہ اب جانے کہاں کھو گیا تھا۔ اس پر مستزاد ارسل کا ماریہ کے لیے توصیفی انداز وجود میں شدید خلش پیدا کر دیتا تھا۔

شینا نے ایک بوجھل سانس لی۔

"ارسل! سو رہے ہو کیا؟" وہ ایک توقف کے بعد ملائمت سے کہنے لگی۔

ارسل کے وجود میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔

"ناراض ہو نا مائی لو؟" وہ حزیں شیرینی سے گویا ہوئی۔

اسی لمحے اسے اپنے بالوں میں نمی کا احساس ہوا۔

"بلڈی ہیل! یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے؟" اس نے دانت پیسے۔

"شاور لیتی ہوں اس کے بعد ہی اسے سیٹ کروں گی۔" اس نے خود کلامی کی اور ملحقہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

صوفے پر بے نیازی سے دراز ماریہ غنودگی میں مبتلا ہونے لگی تھی۔ جمائیاں لیتے ہوئے آنکھیں کھولنا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔

"فون کب آن ہو گا رونی؟" اس نے بدقت جمائی روکتے ہوئے دریافت کیا۔

"بس تھوڑی دیر تک۔" رونی نے پچکارا۔

"آن ہو جائے تو مجھے اٹھا دینا۔ ہم ایک ساتھ اسے چیک کریں گے۔" اس کی آواز مدھم ہونے لگی۔

"او کے! ان اٹھا دوں گا۔"

"اس موبائل سے کوئی نہ کوئی کلیو مل جائے گا۔ ہم باہر جائیں گے..... ہم واپس جائیں گے..... واپس..... باہر.....

اپنی دنیا..... اپنے گھر....." ماریہ بڑبڑاتے ہوئے نیند سے ہم آغوش ہوگئی۔

☆☆☆

ارسل دیوار کی جانب کروٹ لیے بے حس و حرکت لیٹا تھا۔ اس کے دماغ میں مختلف اُلجھی ہوئی سوچوں کی یلغار تھی۔ ایک سوچ... ختم ہونے سے قبل ہی اگلی دھم سے دماغ میں کود پڑتی۔ ان سوچوں کی دھما چوکڑی میں ایک خلش کا وبال سب سے سوا تر تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"کیوں ہو رہا ہے؟"

"اس کی کوئی لاجک، وجہ تو ہوگی؟"

"ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"باہر کی دنیا میں سب کیسا ہوگا؟"

"کیا ہمارے کسی بھی فیملی ممبر یا فرینڈ نے کوئی کمی محسوس نہیں کی؟"

"ابھی تک کسی نے ہم سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی کیا؟"

اس کے بعد شینا اور اپنے رشتے کی بابت مختلف سوالات گھیر لیتے۔ شینا کے حسنِ بلاخیز اور اعتماد نے ہی اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ان دونوں میں ذہنی ہم آہنگی بھی ارسل کی ساتھی لڑکیوں کے مقابلہ میں بہت بہتر تھی۔ شمالی علاقہ جات کی اس سیر کے منصوبے میں جسمانی قربت حاصل کر لینے کی خواہش بھی کارفرما تھی لیکن یہاں آنے کے دوران ہی حالات و واقعات نے سوچ، خواہشات اور عزائم میں ایک عجیب تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ وہ اس تبدیلی کا ماخذ سمجھنے سے قاصر تھا۔

اسی اثنا میں اسے کمرے میں شینا کی آمد کا احساس ہوا۔ وہ چند لمحوں تک وہیں کھڑی رہی تھی۔

"ارسل! سو رہے ہو کیا؟"

شینا کے انداز نے اس کے وجود میں ہلکی سی گدگداہٹ پیدا کر دی تاہم افسردگی کسی بھی ردِعمل کے آڑے تھی۔

"ناراض ہو نا مائی لو؟"

اس شیریں استفسار پر ارسل کا دل شدت سے چاہا کہ وہ اس کے وجود میں خود فراموشی کی راہ تلاش کر کے ان تمام تر سوچوں سے نجات حاصل کر لے۔ ارسل نے پیش قدمی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شینا کی مبہم بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ اس کے بعد شینا کے قدموں کی آہٹ لمحہ بہ لمحہ باتھ روم کی جانب بڑھتی محسوس ہوئی۔ ارسل کی خود فراموشی کی خواہش مزید زور پکڑنے لگی۔ اسے بہر صورت ان پُرخار سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔

☆☆☆

تو دریافت شدہ موبائل فون کی بیٹری کافی حد تک چارج ہو چکی تھی۔ رونی میں اب مزید انتظار کی تاب نہیں تھی۔ وہ پُرجوش انداز میں ماریہ کی جانب دیکھنے لگا لیکن وہ مکمل طور پر خوابیدگی کی کیفیت میں تھی۔ اس نے منتشر حواس سنبھالتے ہوئے فون کو متحرک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ موبائل کال کا مخصوص نشان آتے ہی اس کے ذہن میں ایک سوچ نے دستک دی۔

"ارسل کو بلا لیتا ہوں۔ دونوں مل کر کوئی نہ کوئی کلیو ڈھونڈ ہی لیں گے۔"

اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ کمرے کے دروازے کی سمت اٹھی جسے کچھ دیر پہلے ہی شینا نے مقفل کیا تھا۔

"کیا کروں؟ اسے بلاؤں یا نہ بلاؤں؟" وہ اُلجھا۔

"لیو اِٹ!" اس نے ایک توقف کے بعد سر جھٹکا۔ "انہیں انجوائے کرنے دو۔"

رونی نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے موبائل فون پر توجہ مرکوز کر دی۔ حیران کن طور پر وہاں کوئی بھی پاسورڈ یا لاک کی رکاوٹ نہیں تھی۔ فون کی ہر ایک ایپ اس کے سامنے مکمل عیاں تھی۔

☆☆☆

ارسل پر پُرخار سوچوں کی یلغار ہنوز جاری تھی۔ وہ اس یورش سے بے حد وحشت زدہ ہو چکا تھا۔ دل و دماغ کی کشمکش اب ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی لمحہ اسے اپنی پشت پر ایک مرمریں لمس نے چونکا دیا۔

"ایسے کیوں لیٹے ہو؟" شینا کی سرگوشی جذبات سے بوجھل تھی۔

"تو اور کیا کروں؟" اس نے جوابی سوال کیا۔

"بھول گئے ہم کس لیے یہاں آئے تھے؟" وہ اس کی پشت سہلانے لگی۔

"نہیں! بھولا تو نہیں ہوں۔" ارسل نے ایک توقف کے بعد جواب دیا۔

"کب سے دیکھ رہی ہوں کہ مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔ ہاتھوں کی حرکت مزید بے باک ہو گئی تھی۔

"میں نے ایسا کب کیا؟" وہ نرد ٹھے انداز میں کہنے لگا۔ "تم ہی میری انسلٹ کر رہی تھیں۔"

"آئی سوئیر! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" شینا نے دُلار سے جواب دیا۔

کچھ لمحوں کے لیے ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہوگئی۔ ارسل کے وجود میں شدید اتھل پتھل ہونے لگی تھی تاہم وہ شینا کی جانب سے پیش رفت کا متمنی تھا۔

"اچھا نا..... اب موڈ ٹھیک نہیں کرنا کیا؟" اس نے مزید دُلار جتایا۔

"موڈ ٹھیک ہی ٹھیک ہے۔ موڈ کو کیا ہوا ہے؟" ارسل نے کہا۔

شینا یکدم بھیانی کیفیت میں مبتلا ہوگئی۔ اس نے لمحہ بھر میں ہی حجاب کی ہر ایک باڑ پھلانگ لی تھی۔ اس کی دیوانہ وار خُش قدمی نے ارسل کی مزاحمت بھی پاش پاش کر دی۔ وہ دونوں جذبات کے تند رَیلے میں بہہ کر اخلاقیات کی تمام حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔ ارسل کے دل و دماغ پر سابقہ سوچوں کی یورش بھی کہیں پس پُشت چلی گئی تھی۔

"ارسل!" شینا نے مخمور لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"یس سوئٹ ہارٹ!" اس نے بھی سُرور کے عالم میں جواب دیا۔

"یو لوئی نا؟" وہ دُلار سے مستفسر تھی۔

"آف کورس بے بی!" ارسل نے آنکھیں موندے ہی اس کے بال سہلائے۔

"مجھ سے دور تو نہیں ہو جاؤ گے؟" اس نے ارسل کے چہرے کے نقوش سہلائے۔

"ناٹ ایٹ آل۔" ارسل نے ایک بار پھر اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔

اچانک ہی لطف و سُرور کے یہ لمحات ایک بار پھر چکناچُور سے دوچار ہوئے تھے۔

☆☆☆

روبی کے ہاتھ میں موجود موبائل فون کسی کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے عیاں تھا۔ اسکرین کے وال پیپر پر ایک لڑکی کی دلفریب تصویر جھلک دکھا رہی تھی۔ سگنلز اور انٹرنیٹ کے فیاب کی وجہ سے اس نے سب سے پہلے فون گیلری کھولنے کا ارادہ کیا۔ تصاویر اور ویڈیوز کی تاریخ سے اندازہ ہوا کہ اس فون کو آخری بار چھ ماہ پہلے استعمال کیا گیا تھا۔ روبی نے لمحاتی سوچ بچار کے بعد روٹ ڈریکٹری فولڈر کھول لیا۔

اس فولڈر میں موجود ویڈیوز نہایت سنسنی خیز تھیں۔ روبی نے ایک بار نصف درجن سے زائد ویڈیوز دیکھیں اور اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انہیں ترتیب وار دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلی ویڈیو میں پانچ لڑکیوں کا ایک گروہ کسی گاڑی میں عازمِ سفر دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے ہر ایک انداز سے بے فکری اور شوخی عیاں تھی۔ مختلف شوخ گانوں پر رقص کے سے انداز میں جھومتی ان سبھی لڑکیوں کے چہروں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

روبی کے دل سے ایک ہُوک برآمد ہوئی۔ اسے بے اختیار اپنے سفر کے پُرجوش لمحات یاد آگئے تھے۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے دوسری ویڈیو کھول لی۔ اس کے سامنے ایک مانوس مقام تھا۔ سیاہ رنگ کی اس گاڑی کے سبھی ٹائرز بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"یہ ہماری پنکچر گاڑی ہے..... یہ ہم ہیں..... اور یہ ہمیں ٹینشن ہو رہی ہے۔" لڑکی نے مصنوعی تاسف جتاتے ہوئے کیمرے کا رخ گاڑی اور اپنی ساتھی لڑکیوں کی جانب کر دیا تھا۔

"کم آن یار نتاشہ! تمہیں اب بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔" ایک ہلکی سانولی رنگت کی حامل لڑکی نے اسے ناگواری سے ٹوکا۔

"موسم بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔" ایک اور لڑکی نے تشویش دکھلائی۔

"یار! تم لوگوں کے موبائل میں سگنلز آ رہے ہیں کیا؟" سرخ و سفید رنگت کی حامل چشمہ بردار چوتھی لڑکی نے استفسار کیا۔

دیگر لڑکیوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سگنلز اور موبائل کمپنی کو خاصے نازنانہ انداز میں کوسا تھا۔

"وہ وہاں دیکھو۔ مجھے لائٹس دکھائی دے رہی ہیں۔ شاید کوئی شاپ وغیرہ ہے اِدھر۔ گاڑی لاک کر کے چلتے ہیں۔" سانولی حسینہ نے تجویز دی جس پر لمحاتی تذبذب کے بعد سب نے صاد کیا۔

روبی کو اپنے ہاتھ پاؤں میں خشک سرایت ہوتی محسوس ہونے لگی۔

"کیا یہ سب ایک اتفاق ہے؟" اس نے خود کلامی کی۔

"سب کچھ ویسے ہی ہے جیسا ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ یہ سب کوئی اتفاق کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ مضطرب ہو کر اپنی انگلیاں چٹخانے لگا۔

اسی اضطراب اور کشمکش میں اس نے اگلی ویڈیو کھول لی جہاں ایک ویلس کی دکان کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ نتاشہ نہایت کمسن انداز میں دکان میں گھوم پھر کر ویڈیو بنانے میں مصروف تھی۔

"ہاں جی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اداسی اور خوف ایک ہی ہوتے ہیں بس فرق صرف نام کا ہوتا ہے۔" اس عقب میں اویس کی آواز سنائی دی۔

"یہاں کوئی ڈر کی بات ہوگی۔" ثانیہ بردبار لڑکی نے استفسار کیا تھا۔

"ہونے کو تو ایسا ہی ہے جی۔" اویس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔ "مگر آپ لوگ اکیلی ہیں۔ آپ کے لیے تو اور بھی کئی پریشانیاں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ میری بات سمجھ آ رہی ہے نا آپ کو؟"

لڑکیوں کے ماتھے فکر پر شکنوں اور اضطراب میں ڈھلا ہوئی تھیں۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے پاس ایک آپشن ہے۔" اویس کی اس بات نے رونی کی دھڑکنوں میں تلاطم پیدا کر دیا۔

اگلے چند لمحات میں وہ انہیں اپنے کاٹیج کے پس منظر کی بابت بتاتے ہوئے وہاں منتقلی کے لیے راضی کر چکا تھا۔

"مائی گڈنس!" رونی نے پہلو بدلا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ کوئی مووی چل رہی ہے کیا؟ ہم تو ہم وہی کچھ ہم تو ہم وہی کچھ نیشن۔ اوہ گڈ گاڈ!"

اسی کشمکش اور سنسنی میں اس نے اگلی ویڈیو کھول لی۔ نتاشہ اپنی ساتھی لڑکیوں سے قدرے عقب میں چلتی ہوئی مختلف مناظر کی عکس بندی کر رہی تھی۔ اس کی زبان بھی مسلسل فراٹے بھر رہی تھی۔

"ان سے ملیے۔" اس نے موبائل کیمرے کا رخ سانولی حسینہ کی جانب کیا۔ "یہ ہمارے گروپ میں سب سے ایکٹو ممبر ہیں۔ فردوسی گریٹ۔ یہ پہلے پورے جوش سے کوئی بھی پلان بناتی ہیں اور اس کے بعد اسی پلان میں کیڑے دکھائی دینے لگتے ہیں۔"

فردا نے خالی الذہنی کے عالم میں نتاشہ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خلا اور دہشت نے رونی کو ہلا ڈالا۔ اسے ایک بار پھر یہ مناظر بہت مانوس محسوس ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں نتاشہ کی چشمہ بردار ساتھی اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے سڑک پر بیٹھ گئی تھی۔

"روما..... کیا ہوا تمہیں؟" نتاشہ کی تشویش زدہ آواز سنائی دی۔ "آر یو اوکے؟"

اس کے بعد ویڈیو بند کر دی گئی تھی۔ رونی کے بدن میں شدید سنسنی دوڑ آئی تھی۔

"نہیں۔ اتنے اتفاقات..... ناممکن....." وہ بڑبڑایا۔

اگلے چند لمحات اسے پہیلی اور حیرت میں بیت گئے۔

اس کے بعد رونی نے آخری ویڈیو کو انگوٹھے کے لمس سے متحرک کر دیا۔ اسکرین پر نتاشہ کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہ خوف زدہ دکھائی دیتا تھا۔

"سمجھ نہیں آ رہی کہاں سے اسٹارٹ کروں؟" اس کی آواز میں ذہنی شکست خوردگی تھی۔ "ہم سب اس سب سے پہلے کتنے خوش تھے۔ گھر سے دور آزادی کا احساس انجانے خوف کی سنسنی لیے ہم یہاں چلے آئے۔ اس کے بعد تو ایسی ایسی چیزیں سامنے آئی ہیں کہ عقل مانے کے لیے تیار ہی نہیں۔ فردا کو اویس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ روما، بینش اور ملائیکہ کی ہارنے کا عجیب ہی حال تھا۔ اس کاٹیج میں آنے کے بعد تو دماغ جیسے بند ہی ہو گئے ہیں۔ یہاں ہر وقت کسی کے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن کوئی ہوتا بھی نہیں۔ سمجھ نہیں آتا ہمارے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ ہم سب یہاں آ کے بالکل بیچ ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے اپنے جذبات بالکل چھپا نہیں پا رہے۔ سب ریلیٹنز عجیب انداز میں ایکسپوز ہو رہے ہیں۔"

رونی نے بے تابی سے موبائل فون دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔ اس کا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی کہ میں یہ سب کیوں ریکارڈ کر رہی ہوں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ ہم اس منحوس کاٹیج سے نکل پائیں گے یا نہیں؟ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ ہم سے پہلے یہاں کون آیا تھا؟ واش روم میں گیلے تاول اور کچن میں فریش فروٹس کے چھلکے کس کے تھے۔ مجھے صرف یہ سمجھ آیا ہے کہ ہم سے پہلے بھی یہاں یہ کھیل کھیلا جاتا رہا ہے۔ ہمارے بعد بھی یقیناً کھیلا جائے گا۔ میں شاید ایک کوشش کر رہی ہوں۔ اپنے موبائل سے ہر پاسورڈ ہٹا دوں گی۔ میری دعا ہے کہ یہ فون جسے بھی ملے اسے ہماری جیسی صورتحال سے نہ گزرنا پڑے۔ اٹس ہارسیل! ہائے گاڈ۔ اٹس ہارسیل۔"

"سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔ یہ سب واقعی ہارسیل ہے۔" رونی کے ذہن میں سوچ ابھری۔

"روما، فردا اور بینش ایکسپائر ہو چکی ہیں۔ میں اور ملائیکہ بھی بالکل ان سیف ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے نا؟ اس منحوس چکر میں ہم ایک دوسرے سے ہی سیف نہیں ہیں۔"

نتاشہ کی اس بات پر رونی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"یہ ویڈیو اگر کوئی دیکھ رہا ہے تو سنو! پہلے ایک مرڈر ہوگا۔ پھر ہائی بھی ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جائیں گے۔ تمہیں یہ سب کرنے کے لیے اکسانے والا بھی تمہارا ہی

روپ لے کر آئے گا۔ وہ جو بھی ہے یہیں آس پاس ہے۔ بہت ہی قریب۔ محسوس ہوتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ جب دکھائی دیتا ہے تو ایسے روپ میں کہ اسے کوئی پہچان بھی نہیں پاتا۔ کاش..... کاش..... ہم نے اس ٹرپ کا پلان ہی نہ بنایا ہوتا۔ کاش ہم اس جگہ پر آئے ہی نہیں ہوتے۔ کاش میں واپس چلی جاؤں۔ اپنے گھر، اپنی فیملی کے پاس۔ اپنی اسی زندگی میں واپس چلی جاؤں۔"

نتاشہ ویڈیو کے اختتام پر بلک بلک کر رونے لگی تھی۔ رونی کا وجود سناٹوں کی زد میں تھا۔

"مرڈر..... اوگاڈ! باقی سب کچھ تو وہی ہو رہا ہے۔ لیکن مرڈر؟" اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ "یہ سب کچھ زیادہ ہی نہیں ہو گیا۔"

اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں ایک اور سوچ ابھری۔

"لیکن وہ جو بھی ہے یہیں کہیں ہے تو اس نے یہ ویڈیو کیوں بنانے دی بھلا؟ شاید یہ سب کوئی اور گیم ہے۔ یہاں ضرور کہیں کیمرے فکس ہیں۔ کوئی انٹرنیشنل ریکٹ۔ کوئی ایڈوانس ٹیکنالوجی۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ارسل سے بات کرتا ہوں۔ مجھے اسے پہلے ہی یہاں بلا لینا چاہیے تھا۔ اپنی ہاؤ! اسے بھی یہ ویڈیوز دکھاتا ہوں۔"

رونی کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے لیے اپنی نشست سے اٹھا ہی تھا کہ ایک کربناک چیخ نے اسے چونکا دیا۔

☆☆☆

ارسل کے دل و دماغ پر کیف و سرور طاری تھا۔ وہ ان لمحات میں اپنی تمام تر پُرخمار سوچوں سے بھی آزاد ہو چکا تھا۔ اس مخمور کیفیت میں ایک چنگھاڑتما آواز نے خلل پیدا کر دیا۔

"ارسل! یو چیٹر..... یو باسٹرڈ..... مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ تم دونوں میں کوئی سین آن ہو چکا ہے۔" اسے شینا کی آواز سنائی دی۔

وہ ہڑبڑا کر آواز کے ماخذ کی سمت دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے کھڑی شینا غضبناک تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔ ارسل کے لیے اپنی بصارت پر یقین دشوار ہونے لگا۔

"تم..... وہاں..... کیسے؟" وہ بوکھلایا اور اپنے پہلو میں لیٹے وجود کی سمت دیکھنے لگا جس کا ریشمی لمس عجیب بھلا اور خاردار احساس پیدا کرنے لگا تھا۔

اس کے پہلو میں بھی شینا ہی موجود تھی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو دیکھتا ہوا بے یقینی سے سر جھٹک رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پہلو میں لیٹی شینا کی آنکھوں میں مکمل طور پر سیاہی غالب آ گئی۔ وہ ایک ہی جست میں دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

"انجائے بے بی!" اس نے اپنا ہاتھ مخصوص انداز میں لہرایا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

دوسری جانب واش روم کے دروازے پر کھڑی شینا بے تاب نگاہوں سے کسی شے کی تلاش میں تھی۔ اس نے طیش کے عالم میں ایک ایش ٹرے اٹھائی اور ارسل کے سر پر پے در پے وار کرنے لگی۔ اس کا ذہن شدید دہشت و جنونیت کی زد میں تھا۔ بدن اور بالوں سے اٹھنے والا لمس شدید تر ہو رہا تھا۔

ارسل کی کربناک چیخوں سے کمرے کی فضا مرتعش ہو چکی تھی۔

"کیا ہوا ہے ارسل؟ شینا؟ تم لوگ ٹھیک تو ہو؟" دروازے پر دستک کے بعد رونی کی متوش آواز سنائی دی۔

شینا نے ارسل پر ایک اور زوردار وار کیا اور خون سے لتھڑی ایش ٹرے کو لیے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے رونی؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟" صوفے پر خوابیدہ ماریہ نے جھنجلا کر کہا۔

"عجیب ہو یار تم بھی۔" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ "اتنے آرام سے کیسے سو رہی ہو؟"

ماریہ نے متورم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور ایک بار پھر نیند سے ہم آغوش ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ اس کے اعصاب پر شدید غنودگی طاری تھی۔

"ارسل..... شینا..... دروازہ کھولو ڈیم اِٹ..... کیا ہوا ہے اندر؟" رونی نے ایک بار پھر زوردار انداز میں دستک دی۔

اگلے ہی لمحہ شینا خونخوار تیور لیے کمرے سے برآمد ہوئی۔

"کہاں ہے وہ بچ؟" اس نے بے دریغ گالیوں کا استعمال کیا۔ "آج میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

"کیا ہوا ہے؟ کس کی بات کر رہی ہو؟ یہ چیخیں کس کی تھیں؟" رونی نے اُلجھ کر کہا۔

اسی اثنا میں اس کی نگاہ ارسل پر پڑی جس کا سر بستر سے نیچے لٹک رہا تھا۔ قالین پر ٹپکتے لہو کی دید نہایت ہولناک تھی۔ رونی کتنی ہی دیر ساکت کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اس کے بدن میں ایک جھرجھری پیدا ہوئی تو وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھا لیکن اجل کی رفتار کا مقابلہ نہ کر پایا۔

"ارسل..... آنکھیں کھولو برو..... کیا ہوا ہے تمہیں؟ یہ سب کیا ہو گیا ہے؟" وہ اسے جھنجوڑنے لگا۔

کچھ ہی لمحوں میں کمرے سے باہر ہولناک چیخوں نے اس کے اعصاب چٹخا دیے۔ وہ ارسل کا سر بے جان ہاتھ چھوڑ

کر بیرونی سمت لپکا تھا۔

☆☆☆

شینا صوفے پر لیٹی ماریہ کی جانب بڑھی اور اس کے چہرے پر ایک ٹھوکر رسید کردی۔

"یو جیک ـــ یو باسٹرڈ ـــ مجھے تمہارے کردار کا اچھی طرح پتا تھا۔ پھر بھی دماغ خراب ہوگیا کہ اس ٹرپ پر چلی آئی۔"

"یو ـــ پاگل ہوگئی ہو کیا؟" ماریہ نے بھنا کر بے دریغ گالیوں سے نوازا۔

شینا کے دماغ پر مزید جنونیت طاری ہوگئی۔

"مجھے گالیاں دے رہی ہے۔ کمرا اور ایکٹنگ تو شروع سے ہی تم پر ختم ہے۔ میرے بوائے فرینڈ کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر یہاں کتنے سکون سے سونے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔" شینا نے اسے تنفر سے دیکھا۔

ماریہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کا چہرہ اہانت و طیش سے سرخ دکھائی دے رہا تھا۔

"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔" اس نے شینا کو جارحانہ انداز میں کندھے سے دھکیلا۔

اس جارحیت نے شینا کو مزید جنون میں مبتلا کردیا۔ وہ لبوالبو ہوئی ٹرے لیے اس پر پل پڑی۔ ماریہ اس حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوششوں میں ہلکان ہونے لگی۔ اس کا چہرہ اور سر مضروب ہو کر لہولہان ہونے لگے۔ نقوش عجیب ہولناک تاثر دے رہے تھے۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کرنی چاہی لیکن شینا کی جنونیت اور ہذیان ناقابل بیان تھا۔ ماریہ کے دماغ پر دھند اور آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کا قفس اکھڑنے لگا تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ اپنے ہی لہو میں لتھڑی زمین بوس ہوگئی۔

☆☆☆

رونی متوحش انداز میں لاؤنج میں آتے ہی مزید اعصابی شکستگی میں مبتلا ہوگیا۔ اس کے سامنے ایک ہولناک منظر تھا۔ ماریہ شدید زخمی حالت میں زمین پر گری تھی۔ شینا کے ہاتھ میں موجود ایش ٹرے کی رنگت مکمل طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتی ہوئی نہایت خون آشام دکھائی دے رہی تھی۔ الجھے، بکھرے ہوئے نم بال، بے ترتیب نفس اور وحشت زدہ نگاہیں اسے ناقابل شناخت بنا رہی تھیں۔ وہ تنفر اور طیش میں ماریہ کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے بالوں اور بدن سے اٹھنے والا تعفن ایک بار پھر شدید ہوگیا تھا۔

"یہ تم نے کیا کردیا شینا؟ تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟" رونی حلق کے بل چلایا۔

شینا نے ایک جھٹکے سے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر لہو کی بوندیں تھیں۔

"یو ....." اس نے ایک نئی لفظ استعمال کیا۔ "کیسے مرد ہو تم؟ ایک لڑکی نہیں سنبھالی گئی تم سے؟ یہ ..... تمہارے سامنے اس روم میں گئی۔ ارسل کے ساتھ فزیکل ہونے کے بعد واپس باہر آئی۔ تم ..... یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔" وہ بے دریغ دشنام طرازی کر رہی تھی۔

"ماریہ کہیں بھی نہیں گئی تھی۔ وہ یہیں میرے سامنے سو رہی تھی۔" رونی چلایا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ اپنی سو کالڈ مردانگی کا بھرم رکھنا چاہ رہے ہو۔" اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟" وہ دہاڑا۔ "تم نے روم اندر سے لاکڈ کیا تھا نا؟ میرے ناک کرنے پر تم ہی نے اسے ان لاک بھی کیا تھا۔ اگر ماریہ وہاں تھی تو اس کے باہر آنے پر دوبارہ لاک کیسے ہوا؟"

شینا کے چہرے پر تذبذب دکھائی دینے لگا۔ اس کے پردۂ تصور پر وہ منظر جھلکنے لگا جب ماریہ بستر سے اترنے کے بعد کسی ہیولے کی طرح دروازے سے باہر چلی گئی تھی۔ رونی نے بے بسی اور تاسف سے اس کی جانب دیکھا اور ہونٹ چباتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم نے وہ سب کردیا جو ہمارے آنے سے پہلے بھی یہاں ہوتا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا ہوا ہے یہاں؟" وہ چونکی۔

رونی نے صوفے پر رکھا موبائل فون اٹھایا اور تماشہ کی بنائی گئی ویڈیو کا آخری حصہ اس کے سامنے کردیا۔

"یہ ویڈیو اگر کوئی دیکھ رہا ہے تو سنو! پہلے ایک مرڈر ہوگا۔ پھر باقی بھی ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جائیں گے۔ تمہیں یہ سب کرنے کے لیے اکسانے والا بھی تمہارا ہی روپ لے کر آئے گا۔ وہ جو بھی ہے یہیں آس پاس ہے۔ بہت ہی قریب۔ محسوس ہوتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ جب دکھائی دیتا ہے تو ایسے روپ میں کہ اسے کوئی پہچان بھی نہیں پاتا۔ کاش ..... کاش ..... ہم نے اس ٹرپ کا پلان ہی نہ بنایا ہوتا۔ کاش ہم اس جگہ پر آئے ہی نہیں ہوتے۔ کاش میں واپس چلی جاؤں۔ اپنے گھر، اپنی فیملی کے پاس۔ اپنی اسی زندگی میں واپس چلی جاؤں۔"

شینا کے بدن پر لرزش طاری ہوگئی۔ وہ بے یقینی سے ویڈیو بار بار ریوائنڈ کر کے دیکھنے لگی۔

"یہ ..... کیا ..... ہو ..... گیا ..... رونی؟ یہ ..... میں .....

نے کیا..... کر..... دیا؟ وہ..... ماریہ..... نہیں..... تو..... کون..... تھی؟" اس کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔

رونی کے پاس کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ رات ناقابلِ بیان جذبات کے ساتھ بیت رہی تھی۔ اس کالج میں مقیم دو افراد اپنی زندگی کی بازی ہار چکے تھے اور عجیب و غریب لاینحل الجھنوں میں گرفتار تھے۔ شینا اپنے وجود سے اٹھتے تعفن سے اس قدر بے حال تھی کہ واش روم میں شاور تلے کھڑی اپنے ہی ناخنوں سے بدن کی کھال اور سر کھرچنے لگی۔

دوسری جانب رونی کے دماغ پر بھی ایک دھند طاری تھی۔ وہ کالج میں موجود دو لاشوں اور ناقابلِ دید مکینوں کے متعلق سوچ کر ہلکان ہو چکا تھا۔

"کون رہتا ہے یہاں؟"

"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟"

"آخر وہ ہم سے چاہتا کیا ہے؟"

"ان لڑکیوں کی ڈیڈ باڈیز کہاں گئی ہوں گی؟"

"کیا ان سب میں اویس بھی شامل تھا؟"

"اس مصیبت سے آخر کیسے نکلیں گے؟"

ان لامتناہی سوالات نے اس کے اعصاب شکستہ تر کر دیے تھے۔ وہ خود کو ایک عجیب تھکاوٹ اور بدحالی میں مبتلا محسوس کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں شینا کمرے سے برآمد ہوئی۔ اس کے چہرے اور بازوؤں پر خراشوں کے نشان دکھائی دے رہے تھے۔ رونی کو اس کی دید سے کراہت اور تنفر محسوس ہونے لگا۔

"ان کا کیا کرنا ہے رونی؟" اس نے دوسرے کمرے میں موجود ارسل اور ماریہ کی سمت اشارہ کیا۔ رونی نے ماریہ کے بے جان جسم کو گھسیٹ کر اسی کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ..... مجھے تمہاری شکل سے ہی گھن آ رہی ہے..... دفع ہو جاؤ۔" وہ چلایا۔

"میری بات تو سنو۔ میں نے یہ سب جان بوجھ کر تو نہیں کیا۔" وہ گڑگڑائی۔ "ذرا تصور کرو۔ اگر تم اپنی گرل فرینڈ کو کسی کے ساتھ دیکھتے تو کیا ری ایکٹ کرتے؟"

رونی نے اس کی بات اَن سنی کر دی۔ اسے شینا سے قدرے خوف بھی محسوس ہونے لگا تھا۔

"تم ایک قاتل ہو۔ مجھ سے دور ہی رہو۔" اس نے کچن سے برآمد شدہ چھری لہرائی۔

"ایسے مت کرو پلیز..... ہمیں مل کر کوئی اس کا حل ڈھونڈنا ہے۔" وہ ملتجی تھی۔

رونی بھنا کر اٹھا اور دوسرے کمرے میں پہنچ کر دروازہ مقفل کر لیا۔ شینا اب بے بسی سے دہاڑیں مارتے ہوئے رونے لگی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح کا آغاز مزید ہنگامہ خیز تھا۔ شدید بھوک کے باعث شینا کے معدے میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔ وہ اپنے ٹوٹتے وجود کو گھسیٹتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ فریج میں کچھ اشیائے خورونوش کے علاوہ اویس کی دکان سے خریدا گیا سامان بھی موجود تھا۔ شینا نے فریج کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ اگلے لمحہ بھونچکا رہ گئی۔

خالی فریج اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"رونی..... رونی..... کہاں ہو تم؟" وہ متوحش ہو کر چلاتے ہوئے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگی۔

"کیا بات ہے؟ کیوں بھونک رہی ہو؟" رونی نے بھنا کر دروازہ کھولا۔

"مائنڈ یور لینگویج۔" شینا نے تلملا کر کہا۔

"کس لیے آئی ہو یہاں؟" رونی نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

"فریج سے کھانے پینے کا سامان کہاں گیا ہے؟" وہ چلائی۔

"کہاں گیا ہے؟" اس نے جوابی سوال کیا۔

"ڈیم اِٹ۔ فریج بالکل خالی ہے۔ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ کہاں گیا سب؟" شینا نے تڑپ کر کہا۔

رونی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ اس قید خانے میں کوئی بھی انہونی ممکن تھی۔ اشیائے خورونوش کی موجودگی سے اب تک ایک ڈھارس بندھی تھی۔ اس خیال کے بعد ایک پُرخار سوال بے نشان آزار بن کر آ کھڑا ہوا تھا۔

"چپ کیوں ہو گئے ہو؟ کچھ تو بولو۔" شینا نے اسے جھنجوڑا۔

"کچھ نہیں۔ میں بس یہ سوچ رہا ہوں کہ ارسل اور ماریہ کی تھے۔ آسان موت مر گئے۔ ہمارا پتا نہیں کیا حال ہونے والا ہے؟" اس نے اپنے ہاتھ مسلے۔

شینا کی رنگت بے طرح متغیر ہو گئی۔

☆☆☆

اس دن سہ پہر تک ان دونوں کے چہرے برسوں سے بھی زیادہ زرد دکھائی دینے لگے تھے۔ کچن میں وہ لاشوں کی موجودگی، عجیب الخلقت قید، ہزار ہا اندیشوں اور بے بسی نے انہیں گویا ادھ موا کر دیا تھا۔ باہر کی دنیا میں موبائل فون کا جائزہ لے کر مزید شکستگی میں مبتلا دکھائی دینے لگیں۔ وہ دونوں ہی

sOnes.com

ایک دوسرے سے متفکر اور الجھے ہوئے تھے۔

دوپہر کے بعد اس صورت حال میں پہلی بار ایک تبدیلی محسوس ہوئی۔ کھڑکی سے باہر آسمان پر سورج مکمل آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ برف کی تہ پانی کی طرح پگھل چکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہاں انسانی نقل و حرکت کا آغاز ہو گیا۔ رونی اور شینا کے مردہ جسموں میں امید کی ایک نئی روح در آئی۔ وہ دونوں بیک وقت اٹھے اور دیوانہ وار اس کھڑکی کی جانب لپکے۔

"ہیلپ..... پلیز ہیلپ..... ہیلپ....." شینا کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹاتے ہوئے چلانے لگی۔

"ایسے آواز نہیں جائے گی۔" رونی مضطرب ہوا۔ "وہ ایش ٹرے کہاں ہے؟ اسی سے یہ شیشہ توڑتے ہیں۔"

شینا نے ٹھٹک کر تھکی تھکی انداز میں سر ہلایا اور لپک کر وہ "آکرے قتل" اٹھا لائی۔ اس نے بلا تامل شیشے پر ضربات لگانے کا آغاز کر دیا۔ ان ضربات کے نتیجہ میں وہ شیشہ محض تڑخ ہی پایا تھا۔ رونی نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور ایش ٹرے دبوچ کر وحشیانہ انداز میں اسی سرگرمی کا آغاز کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں شیشے میں واضح سوراخ پیدا ہو گئے۔ شینا کے وجود میں ایک برق دوڑ گئی۔

"ہیلپ پلیز..... ہیلپ..... ہیلپ....." وہ چلانے لگی۔

رونی بھی اس کا ہم آواز بن گیا۔ یہ جوش و خروش کچھ ہی لمحوں میں ماند پڑ گیا۔ شینا نے بے چینی سے رونی کی جانب دیکھا اور الجھ کر کہنے لگی۔

"یہ ہماری آواز کیوں نہیں سن رہے؟"

"آئی ڈونٹ نو..... آئی ریئلی ڈونٹ نو..... ہم یہ کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"میری آواز نہیں آ رہی کیا..... ڈونٹ یو ہیئر می؟ ہیلپ پلیز..... ہیلپ....." وہ پھیپھڑوں کی بھرپور قوت سے چلائی۔

نتیجہ اس بار بھی حسب سابق تھا۔ انسانی نقل و حرکت ہنوز بے نیازانہ انداز میں جاری تھی۔ رونی نے شینا کو پیچھے دھکیلا اور ایش ٹرے مکمل شدت سے باہر پھینک دی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک حیران کن منظر تھا۔ ایش ٹرے ایک درمیانی عمر کے شخص کے قدموں میں گری تھی تاہم وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ لوگ ہماری آواز کیوں نہیں سن رہے ہیں؟ انہیں کچھ بھی دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟" شینا ہذیان میں مبتلا ہونے لگی۔

"شاید ماریہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔" رونی بڑبڑایا۔ "ہم لوگ واقعی کسی پُراسرار نیچرل سرکل میں آ پھنسے ہیں۔ یہاں کچھ تو ایسا ہے جو ہماری سمجھ سے بہت دور ہے۔"

"کیا ہم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکیں گے؟" شینا کو اپنی ہی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

رونی نے خالی الذہنی کے عالم میں اسے دیکھا اور اسی کیفیت میں چلتا ہوا ڈریسنگ کے صوفے پر ڈھے گیا۔

☆☆☆

"آخری راؤنڈ کھیلنے کا ٹائم آ گیا ہے۔" وہ بہت پرجوش تھی۔

"نہیں! ابھی نہیں۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"کم آن! سب کچھ تو پرفیکٹ ہے۔ پھر کیوں نہیں؟" وہ جھنجھلی۔

"ابھی تھوڑا ویٹ کرنا ہوگا۔" اس نے رسان سے کہا۔

وہ مایوسی سے ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

اس قید خانے میں زمان و مکان کے سبھی تصورات ختم ہو چکے تھے۔ ان دونوں کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا گویا وہ صدیوں سے یہاں موجود ہیں۔ اشیائے خورد و نوش کا فقدان ہی کم نہ تھا کہ کانچ کی برقی رو بھی منقطع ہو گئی۔ موبائل فون بے جان ہو چکے تھے۔ ان کی مخصوص کیفیات بھی سوا تر ہو گئی تھیں تاہم اب وہ اس پہلو کی طرف دھیان ہی نہ دیتے۔ تھکن اور نیند کے باعث شینا کے بدن پر عجب الخلقت حشرات رینگتے دکھائی دینے لگے تھے تو دوسری جانب رونی کی کھال چیخ کر چرمرا چکی تھی۔ وہ دونوں خالی نگاہوں سے خلا میں تکتے کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھے رہتے۔

انہی کربناک اور وحشت ناک شب و روز میں شینا کے معدے کی اینٹھن ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔ پیاس سے حلق میں اگے کانٹے ہر وقت ایک آزار میں مبتلا رکھتے۔ رونی کی بھی کم و بیش یہی کیفیت تھی۔

"رونی! کیا ہم اس کھڑکی کا فریم توڑنے کی ٹرائی نہیں کر سکتے؟" شینا نے فاقہت سے استفسار کیا۔

"کیری آن!" اس نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ "تم تو ویسے بھی سر بجٹ ہے اور منہ توڑ دینے میں ایکسپرٹ ہو۔"

"میں اس وقت بے بس تھی یار!" وہ دانت پیسنے لگی۔ "تمہیں کتنی بار بتاؤں؟"

"اس ٹرپ کا آئیڈیا بھی تمہارا ہی تھا۔" رونی نے سر جھٹکا۔ "تم ہی نے پری اپنی مون پلان کیا تھا نا؟"

"ہاں! تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ماریہ کے ساتھ کسی

"یہ کہیں ان کے ہوش تو نہیں؟" اس کے ذہن میں ایک بلبلا سا ابھرا۔

"نہیں یار! پاگل نہیں لگتیں۔" ماریہ نے بغور دیکھ کر کہا۔ "اس نے ان دونوں کو اشارہ سے بلایا۔

روبی ان دونوں کی آنکھوں میں نامانوس سی چمک دیکھ کر بدن میں لرزش محسوس کرنے لگی۔

"امید ہے تم دونوں نے یہاں آکر ہمارے بارے میں کچھ اچھا ہی سوچا ہوگا۔" ارسل نے سفاکی سے کہا۔

"کون..... ہو..... تم..... کیا..... چاہتے..... ہو؟ ہمیں..... یہاں..... سے..... باہر..... نکالو....." منہ کے لیے اپنے ہی بدن کا لہو چاٹنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"ہم؟" ماریہ نے بھیانک سی مسکراہٹ سے کہا۔ "ان تینوں سوالوں کے جواب موجود ہیں۔ اگر تمہیں ان جواب جاننے ہیں تو قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"کیسی قیمت؟ میں تمہیں منہ مانگا انعام دینے کے لیے تیار ہوں۔" روبی نے بے تابی سے کہا۔

ارسل اور ماریہ نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور اگلے ہی لمحے ان کے حلق سے بلند ہونے لگے۔ ان قہقہوں کے آہنگ میں اس قدر سفاکی تھی کہ ان دونوں نے بے ساختہ اپنے کانوں پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ لیے۔

"آئی تھنک! ان کے لیے ڈراپ سین کرنا ہی دینے ہیں۔" ارسل نے ماریہ کو مخاطب کیا۔

"شیورا وائے ناٹ؟" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"تو تم واقعی جوابات کی قیمت دینے کے لیے تیار ہو؟" ارسل نے ان دونوں کی جانب دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں نامانوس سی چمک سے ایک عجیب وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ روبی اور شینا نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیے۔ ارسل انہیں کچھ دیر گھورتا رہا پھر گویا ہوا۔ اگلے چند لمحات میں اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ نے روبی اور شینا کی سٹی گم کر دی تھی۔ ان کے حواس بالکل ہی مختل ہو گئے۔

"ٹھیک ہے ہم..... تمہیں..... جواب دیتے ہیں..... جب کہ تم..... ہمیں..... جواب دو گے۔" روبی اور شینا بے یقینی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

ذہنی ابنارمل پر آئے تھے۔ پری! مون تو تم بھی اچھی طرح انجوائے کرتے۔"

"شٹ یور ماؤتھ! تم لڑکیاں ہوتی ہی فساد کی جڑ ہو۔" اس نے نفرت سے شینا کو دیکھا۔

"اسی لیے ہر ٹائم ہمارے آگے پیچھے دم ہلاتے رہتے ہو نا۔" شینا نے حقارت سے دو بدو جواب دیا۔

روبی کا چہرہ اہانت سے سرخ ہو گیا۔ وہ اسے مزید سخت جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ شینا سر جھٹکتی ہوئی اٹھی اور کچن میں چلی گئی۔ روبی نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اسے نقاہت کے باعث شدید غنودگی محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ ہی اثنا بعد اسے ایک عجیب آواز نے چونکا دیا۔ وہ حیرت سے قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس نے آواز کا ماخذ تلاش کر لیا۔ وہ بے اختیار اس کمرے کی جانب لپکا جہاں ماریہ اور ارسل کی ڈیڈ باڈیز موجود تھیں۔ اس کے سامنے ایک حیران کن منظر تھا۔

☆☆☆

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" وہ شینا کو دیکھ کر ساکت ہو چکا تھا۔

شینا کے ہاتھوں میں ایک بڑی سی چھری اور پیالہ تھا۔ وہ ارسل کے بدن سے گوشت کاٹتے ہوئے پیالے میں خون جمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی گوشت کی باقیات موجود تھیں۔ اسی کوشش کے دوران ہی ابکائی کے باعث پیدا ہونے والی آواز نے روبی کو بیدار ہونے پر مجبور کیا تھا۔

"کچن سے نائف لے آؤ اور ماریہ سے اپنی ٹریٹ لے لو۔"

روبی کا وجود شل ہو چکا تھا۔ وہ ابکائیاں روکتے ہوئے گوشت کا ٹکڑا نگلنے کی کوشش کرتی شینا کو دیکھ کر کراہت، تاسف اور بے بسی کے متضاد جذبات میں گھر گیا تھا۔ اگلا ہی لمحہ دونوں کے لیے مزید بے چینی کا حامل تھا۔ لاؤنج سے ارسل اور ماریہ کی چیختی ہوئی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

"برو! کہاں ہو تم بھئی؟" ارسل نے روبی کو پکارا۔

"ہے شینی! کم آن۔ کہاں رہ گئی؟" ماریہ نے ٹانگ لگائی۔

روبی اور شینا حیرت سے آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ بے اختیار ہی لاؤنج کی جانب لپکے تھے۔

☆☆☆

"کیسے ہو برو؟" ارسل نے روبی کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔

"تم؟ کون..... ہو..... تم؟" روبی نے کپکپی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

شینا بھی ان دونوں کو دیکھ کر گنگ ہو چکی تھی۔

لاؤنج میں سکوت طاری تھا۔ وہ دونوں اپنے خیالات میں اس قدر منہمک تھے کہ بدن کی جنبش اور تھکن بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"بہت بُرا پھنس گئے ہیں ہم..... بہت ہی بُرا۔" رونی کی بھیگی ہوئی آواز نے بالآخر اس سکوت کا خاتمہ کیا۔

"آئی سوئیر! یہ ٹرپ اسٹارٹ کرتے ہوئے میں نے ایسا بالکل بھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے رئیلی آئیڈیا نہیں تھا کہ ہم ایسی کسی سچویشن میں پھنس جائیں گے۔" شینا بے بسی سے صوفے پر ٹکے برسانے لگی۔

"آئیڈیا تو کسی کو بھی نہیں تھا۔ ارسل اور ماریہ کو پتا تھا کیا کہ یہ ان کی لائف کے آخری دن ہیں۔" اس نے یاسیت سے کمرے کی جانب دیکھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" شینا نے ایک توقف کے بعد کہا۔ "وہ دونوں لکی تھے۔ آسان موت مر گئے۔"

اگلے چند اثنا تک ان دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی حائل ہو گئی۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" شینا نے حتمی انداز میں اسے مخاطب کیا۔

رونی چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ شینا نے گہری سانس لیتے ہوئے فرش پر گری تیز دھار چھری اٹھائی اور اپنے لرزیدہ بدن پر قابو پاتے ہوئے کلائی کی رگیں کاٹ لیں۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" رونی چلایا۔

شینا کی کلائی سے بھل بھل خون بہنے لگا۔ وہ آسودگی سے صوفے پر ڈھے گئی۔

"چہ چہ چہ..... تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم اتنی آسانی سے مر جاؤ گی؟"

رونی کو ایک جانب سے ارسل کی آواز سنائی دی۔ وہ جانے کس لمحے اور گوشے سے برآمد ہوا تھا۔ رونی نے اس عجائب کدہ پر حیران ہونا ترک کر دیا تھا۔ اس کے عقب میں کھڑی ماریہ بھی شریر نگاہوں سے شینا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اطمینان سے رونی کے ساتھ ہی صوفے پر براجمان ہو گئے۔ رونی کو اپنے بدن کے ہر ایک مسام سے پسینہ اُگتا محسوس ہونے لگا۔ اعصاب کی لرزش ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی۔

اگلے کئی گھنٹے شینا کی بے بسی اور تڑپ کی جبری دید میں بیت گئے۔ اس لاؤنج میں یک دم ہی عجیب الخلقت حشرات برآمد ہوئے اور اس کی زخمی کلائی سے بدن میں سیندھ لگانے لگے۔ ان کے بدن میں ہزارہا کانٹے پیوست تھے۔ سیکڑوں کی تعداد میں ان حشرات کی حرکت بدن کے ہر ایک حصہ میں واضح محسوس ہو رہی تھی۔ اس جنبش پر شینا کا بدن اذیت سے متواتر اینٹھ رہا تھا۔ وہ مدد طلب نگاہوں سے رونی کی جانب دیکھنے لگی۔

"ہیلپ..... می..... پل..... یززز....." وہ کراہی۔

رونی اس کی زبان میں پیوست ان خاردار حشرات کو دیکھ کر جھرجھرایا اور اذیت سے آنکھیں موند لیں۔ اسے واضح طور پر گوشت چبائے جانے ہڈیاں کڑکڑانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس ہولناک منظر کے اختتام پر شینا کے بدن کی کوئی بھی باقیات صوفے پر موجود نہ تھیں۔ رونی کی پتلون مکمل طور پر گیلی ہو چکی تھی۔

"کیا خیال ہے برو؟" ارسل نے اسے مخاطب کیا۔ "اگر نائم چاہیے تو نو پرابلم۔"

"آئی..... ایم..... ریڈی....." اس نے اپنے ہی تعفن میں لتھڑے بدن کو دیکھ کر روتے ہوئے کہا۔

"ایسے نہیں ناہڈی!" ارسل پچکارنے لگا۔

رونی نے اپنے آنسو صاف کیے اور جبڑے بھینچ کر حتی الامکان مضبوط آواز میں گویا ہوا۔

"آئی..... ایم..... ریڈی۔"

"گڈ..... یہ ہوئی نا بات۔" ماریہ نے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کر دیں۔

☆☆☆

"گڈ! یہ ہوئی نا بات۔" ماریہ نے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کر دی تھیں۔

اس کے بعد ان دونوں نے اس کے ہاتھ تھامے اور خالی کمرے میں داخل ہو گئے۔ رونی کو اپنا وجود کسی کنوئیں کی تہ میں اترتا محسوس ہوا تھا۔ اس کے حواس اس صورتِ حال کا مکمل ادراک کرنے سے قاصر تھے۔

"جھک جاؤ۔" ایک اجنبی مردانہ آواز سنائی دی۔

رونی نے چونک کر اس آواز کے ماخذ کی جانب دیکھا۔ اسے ارسل کی جگہ ایک بھاری بھرکم، طویل قامت شخص دکھائی دیا۔ اس کے چہرے کے نقوش بے طرح مسخ تھے۔ رونی نے ماریہ کی جانب دیکھا۔ وہاں بھی کم و بیش یہی عالم تھا۔ مسخ نقوش کی حامل ایک کوتاہ قامت اور غیر معمولی طویل بالوں والی لڑکی کی دید زیادہ دیر تک برداشت کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

"جھک جاؤ۔" آواز میں کرختگی پیدا ہوئی۔

رونی کے سامنے ایک ہولناک شبیہ موجود تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کیں اور اپنی کراہت پر قابو پاتے ہوئے

روبوٹ کے سے انداز میں جھک گیا۔

"عظیم زیتاپ کی سلطنت میں خوش آمدید۔" کوتاہ قامت لڑکی نے سرور انداز میں کہا۔

رونی اُلجھ کر ان دونوں کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ وہ اب مخصوص آسن بنائے کسی اجنبی زبان میں کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ رونی وزدیدہ نگاہوں سے مختلف اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ اسے ایک سمت کونے میں بے حس و حرکت انسانی بدن دکھائی دیا جس کے ساتھ بے شمار نالیاں منسلک کی گئی تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اسے یہاں لانے والے مرد نے اپنی مناجات مکمل کرلی تھیں۔

"میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں۔" وہ اُلجھ کر کہنے لگا۔

"سب کے جواب ملیں گے۔" اس نے رسان سے کہا۔ "پہلے اپنی کنفرمیشن پوری کرو۔"

رونی کے بدن پر لرزش طاری ہوگئی۔

"یہ سب ڈیول گیم ہے شاید..... کوئی ڈیول اسٹیٹ ہے۔" اس کے ذہن میں سوچ ابھری۔

"اپنی سوچوں کو لگام دو۔" کوتاہ قامت پھنکاری۔ "اب واپسی کی کوئی راہ نہیں ہے۔ سمجھے؟"

رونی نے مردنی سے سر ہلایا۔ اس کا دیا گیا پیالہ تھام لیا جس میں متعفن، لیس دار سیال موجود تھا۔ بالائی سطح پر عجیب الخلقت چیزیں تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"اسے پی لو۔" وہ تحکمانہ گویا ہوئی۔

مرد نے اس کی گردن کے عقب پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ رونی کو ایک عجیب سی جلن محسوس ہونے لگی۔ مردانہ ہاتھ کی حرکات سے گردن پر ایک مخصوص ابھار پیدا ہو رہا تھا۔

"اب تم نے اپنی روح عظیم زیتاپ کے حوالے کر دی ہے۔ تم کسی کا بھی روپ دھار سکتے ہو۔ موت تمہیں چھو ہی نہیں سکتی۔" اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"تمہارا نام جان سکتا ہوں؟" رونی نے حیرت دریافت کیا۔

"ہم سب عظیم زیتاپ کے فرزند ہیں۔ ہمارا کوئی نام، کوئی اور حوالہ نہیں ہے۔" وہ کہنے لگا۔

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا تھا؟" اسے اپنے دوستوں کی بے بس موت یاد آئی۔

"عظیم زیتاپ کی سلطنت میں اضافہ کرنے کے لیے۔" کوتاہ قامت کو گویا اس کی کم فہمی پر تاسف ہوا۔

رونی کی اُلجھن میں مزید اضافہ ہوگیا۔ مرد نے اس کی جانب اپنائیت سے دیکھا اور رسان سے کہنے لگا۔

"زیتاپ ایک بہت قدیم مذہب ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یہیں اسی مل اسٹیشن پر زیتاپ کونور کے ایک نمائندہ نے قید کر دیا تھا۔ ہم دونوں نے اس مذہب کے متعلق پڑھا، ریسرچ کر کے یہاں تک پہنچے اور اپنی روحیں عظیم زیتاپ کے سپرد کر دیں۔ ہم نے اس سلطنت میں اضافہ کرنے کے لیے اپنا سیج چینج کرلیا ہے۔ یہاں آنے والے لوگوں کو اپنی پاور دکھا کر بے بس کرتے ہیں اور پھر ان کی رضامندی سے اپنا ساتھی بنا لیتے ہیں۔"

اس انکشاف پر رونی کو کابچ میں آمد سے قبل پیش آنے والے واقعات کی توجیہہ واضح ہوگئی۔

"اب تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ یہاں آنے کے بعد بھی تم لوگوں کے جسموں میں بار بار وہی سپلٹر کیوں آتے تھے؟ ہے نا؟"

رونی نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ ہم ایک مشن پر ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ عظیم زیتاپ اور ان کے پیش رو ہی برتر اور افضل تھے۔ نار کے سامنے خاک کی کیا بساط؟" وہ حقارت سے کہنے لگا۔ "انسان کو اپنا غلام بنا کر ہی آگے بڑھا جا سکتا ہے۔"

"اسی لیے ہم نے ایک عظیم مشن بنایا ہے۔" کوتاہ قامت نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔ "ہم عظیم زیتاپ کو انسانی روپ میں مجسم کریں گے۔ تم انسانوں کے تمام تر منفی جذبات اپنے منفی انداز میں اس میں منتقل کریں گے۔" اس نے ایک سمت وجود کی طرف اشارہ کیا۔

"آہا..... مجھے اس دن کا بے صبری سے انتظار ہے۔ عظیم زیتاپ تمام تر انسانی منفعت اور اپنی ذاتی طاقتوں کے ساتھ اس کائنات پر حکمرانی کریں گے۔ انسانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔" وہ وحشیانہ انداز میں قہقہے لگانے لگا۔

رونی کو ان تمام تر علامات کی توجیہہ واضح ہوگئی۔ وہ جب بھی کسی نفرت، حقارت، حسد، بغض، عناد، سازش، شہوت یا خوف میں مبتلا ہوتے تھے، ان کے جسموں میں وہی مخصوص علامات از سر نو اجاگر ہو جاتی تھیں۔

"تم بھی اب اسی سلطنت کا حصہ ہو۔ ہم پہلے تمہاری وفاداری آزمائیں گے۔ اس کے بعد تمہاری 'ترقی' ہوتی جائے گی۔" کوتاہ قامت نے معنی خیزی سے کہا۔

"ہماری اس گریٹ آرمی کی تعداد کیا ہے؟" رونی متجسس ہوا۔

"ہم دنیا کے ہر کونے میں موجود ہیں۔" وہ تفاخر سے کہنے لگا۔ "اب وہ وقت دور نہیں ہے جب اس دنیا سے انسانوں کا وجود ختم ہو جائے گا۔ میرا سب سے بڑا خواب پورا ہو جائے گا۔"

"بالکل! ایسا بہت جلد ہوگا۔" کوتاہ قامت بھی مسرور تھی۔

"مجھے بھی اس دن کا انتظار ہے۔" رونی کی آنکھوں میں سیاہی غالب آچکی تھی۔

☆☆☆

رونی شیشے سے بنی اس دکان میں مختلف چیزیں ترتیب سے رکھنے میں مصروف تھا۔ اس کے بال بے حد طویل ہو چکے تھے جنہیں ایک ربڑ بینڈ میں باندھا گیا تھا۔ داڑھی اور مونچھیں بھی بھاری بھرکم البتہ تراشیدہ تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی حرکات میکانکی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد اسے چند لڑکوں اور لڑکیوں کا گروہ اس دکان کی سمت آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"یس سر؟" اس نے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو مخاطب کیا۔

"وہ..... ان فیکٹ..... ہمیں کچھ مدد چاہیے۔"

"شیور سر! فرمایئے۔ کیا مدد کر سکتا ہوں؟" رونی نے استفسار کیا۔

"ہم یہاں ٹورسٹ ہیں۔ ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ موبائل فون کے سگنلز بھی ڈراپ ہیں۔ کیا میں آپ کے فون سے میپ وغیرہ دیکھ سکتا ہوں۔"

"اوہ..... اٹس سو سیڈ سر!" رونی نے تاسف سے سر ہلایا اور اپنے موبائل فون کی اسکرین روشن کر کے ان کے سامنے رکھ دی۔

لڑکے نے بے تابی سے فون تھاما اور سگنلز ندارد دیکھ کر جھنجلا کر رہ گیا۔ رونی کو ان کے انداز و اطوار، سوالات اور اضطراب دیکھ کر کچھ ہی عرصہ قبل کے مناظر بھرپور شدت سے یاد آئے تھے۔ وہ ان سب میں ارسل، شینا، ماریہ اور اپنے چہرے دیکھتے ہوئے موسم کی شدت کے باعث خراب موبائل نیٹ ورک، ہوٹر مافیا اور ابتر مقامی صورتِ حال کے متعلق آگاہ کرنے لگا۔ اس کے بعد کچھ دیر کی مزید گفت و شنید کے بعد رونی نے اپنے ایک 'کانچ' کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ تینوں لڑکے اور ان کی ساتھی لڑکیوں کے چہروں پر حیرت و جوش جھلکنے لگا۔ انہوں نے پُرسکون انداز میں اس دکان سے خریداری کا آغاز کر دیا۔

اسی اثنا میں اسے ایک لڑکا اپنی جانب بے یقینی سے دیکھتا نظر آیا۔

"تم رونی ہو نا؟" اس نے اُلجھ کر دریافت کیا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے سر!" رونی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"نہیں! تم نے مجھے شاید پہچانا نہیں۔ ہمارا اسپورٹس کلب سیم تھا۔ پھر سننے میں آیا کہ تم چاروں کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ڈیڈ باڈیز بھی نہیں ملیں۔"

رونی کے چہرے پر سفاکی در آئی۔ اگلے ہی لمحہ اس کی آنکھیں، بال اور بدن کی کھال اپنی ہیئت تبدیل کر چکے تھے۔ لڑکے کا چہرہ وحشت کی آماجگاہ دکھائی دینے لگا۔ دیگر افراد بل بنوانے کے بعد دکان سے رخصت ہو گئے۔ سب سے پیچھے رہ جانے والے کی حرکات میں ایک واضح سستی دیکھ کر رونی کے دل میں تاسف پیدا ہوا تاہم یہ محض لمحاتی کیفیت تھی۔

سیاحوں کا یہ گروہ خوش باش انداز میں سڑک پر آگے بڑھتا دکھائی دینے لگا۔ رونی کی نگاہیں ان کے تعاقب میں تھیں۔ اس نے اپنی گردن کی پشت پر ایک مخصوص ابھار چھوا اور دھیرے سے گویا ہوا۔

"وہ آرہے ہیں۔"

"گڈ جاب۔" دوسری جانب سے توصیفی انداز میں کہا گیا۔ "تم نے آج ایک بار پھر اپنی وفاداری ثابت کر دی۔ عظیم زیتاپ نے تمہاری ترقی کا فیصلہ کیا ہے۔ اب سے تم ہماری جگہ کانچ میں سارا سلسلہ سنبھالو گے۔"

رونی کے چہرے پر مسرت کی آبشار بہنے لگی۔

"عظیم زیتاپ کی ہمیشہ جیت ہو۔" اس نے مسرور انداز میں کہا۔

کچھ ہی دیر بعد اسے دو مزید سیاح اس جانب آتے دکھائی دیے۔ اس کی آنکھوں میں ایک سفاک اور قاتلانہ چمک بیدار ہو گئی۔

"یہ انسان اس دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ ہم اپنا مشن ضرور مکمل کریں گے۔" اس نے فلکاری ماری اور دونوں افراد کو اندر آتے دیکھ کر خوش خلقی سے کہنے لگا۔

"یس سر! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

صید نے اب اپنی چنا صیاد کو سنانے کا آغاز کر دیا تھا۔

◆◆◆